سیرت نگاری میں عالمی ایوارڈ یافتہ مصنف کے قلم سے — نبوت کی روشن کرنوں سے منور

اسوۂ حسنہ کا خوبصورت تذکرہ

تجلیاتِ نبوت



مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری

دار السلام

نام کتاب : تجلیاتِ نبوت

مؤلف : شیخ صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

صفحات : ۳۸۴

ناشر : دارالسلام

سیرۃ نگاری میں عالمی ایوارڈ یافتہ مصنّف کے قلم سے

[illegible]

اُسوۂ حسنہ کا خوبصورت تذکرہ

تجلیاتِ نبوّت

تالیف و تخریج

مولانا صفی الرحمٰن مُبارکپوری

دار السّلام
کتاب وسنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ھیوسٹن • نیو یارک

فہرست مضامین

اسلام کی علانیہ تبلیغ

مقابلے کی مختلف تدبیریں

مسلمانوں کو تعذیب

رسول اللہ ﷺ پر دست درازی

مدینہ منورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ---

قریش کی فتنہ خیزیاں

غزوۂ بدر کبریٰ

بدر کے بعد کے واقعات

غزوۂ احد

حادثے اور غزوات

غزوۂ خندق

غزوۂ بنو قریظہ

غزوۂ بنو المصطلق یا غزوۂ مریسیع

عمرۂ حدیبیہ

خانۂ نبوت

صفات و اخلاق

تجلیات نبوت -- نقش ثانی پر ایک نظر

تاریخ انسانی میں انبیا علیہم السلام کی سیرت کا اس عہد کے ظلمات میں سب سے روشن اور منور کردار رہا ہے لیکن مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے ان پیکران صدق و صفا کی صورت گری اور تصویر کشی میں کچھ ایسے افراط و تفریط سے کام لیا ہے کہ یہ سیرتیں چیستان بن کر رہ گئی ہیں۔ اس میں واحد استثنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کہ جن کی حیات مقدسہ اور خدمات جلیلہ کے تذکرے کو کم و بیش پانچ لاکھ سوانح نگاروں نے کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رکھا ہے مگر اصول سیرت پر کسی مرتب شرائط و ضوابط کے فقدان نے سیرت نگاروں کو حاطب اللیل کی طرح ہر خشک و تر کو جمع کرنے پر مجبور کیا۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذخیرہ پر نگاہ رکھنے والے اس حقیقت مذکور سے بخوبی آگاہ ہیں۔

اُردو زبان میں سیرت نگاری کی روایت خود اس زبان کے آغاز و ارتقا سے مربوط ہے۔ مگر تحقیقی لوازمے کے لحاظ سے سرسید احمد خاں کے نظریات سے اختلاف کے باوجود ان کی خطبات الاحمدیہ فی سیرۃ المحمدیہ (1870ء) کو ایک امتیاز حاصل ہے۔ بعد ازاں شبلی نعمانی اور ان کے نامور شاگرد سید سلیمان ندوی نے پہلی مرتبہ واقعات سیرت کے ایک تحقیقی شعور کے ساتھ اخذ و قبول کی روایت کو مستحکم کیا۔ قاضی سلیمان منصورپوری کی ''رحمۃ للعالمین'' بھی ایسے ہی تحقیقی لوازمے کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

سیرت نگاری میں ایک معیاری تحقیق کا نمونہ 1979ء میں سامنے آیا۔ یہ علمائے مبارکپور کے ایک فاضل مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تصنیف ''الرحیق المختوم'' تھی جو انہوں نے عربی زبان میں تحریر کی اور اسے رابطہ عالم اسلامی کے تحت منعقد ہونے والے بین الاقوامی انعامی مقابلہ سیرت نگاری میں اوّلیت کا شرف حاصل ہوا۔

الرحیق المختوم قدرے تفصیلی کاوش ہے۔ اسی فاضل مصنف نے تجلیات نبوت کے نام

سے دینی مدارس اور ہائی سکولوں کے طلبہ اور عامۃ المسلمین کے لیے ایک متوسط بلکہ قدرے مختصر کتاب تیار کی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف نے کمال ہنرمندی سے سیرت کے تمام تر وقائع کو ایک ایسی نئی ترتیب اور تازہ اسلوب کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اس کے مطالعے سے دل و دماغ پر ایک پاکیزہ نقش قائم ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے سیرت نگار کو ایک پل صراط سے گزرنا پڑتا ہے۔ کتاب کو ایک نظر دیکھتے جائیے' اس میں دعوت اسلامی کے تمام مراحل اور اس کی پیش آمدہ دشواریوں کا مناسب تذکرہ موجود ہے۔ تکالیف اور مصائب کے بحرانوں میں وحی الٰہی کس طرح سے نصرت الٰہی کے راستے پیدا کرتی ہے' اس کا ایمان افروز بیان ملتا ہے۔ واقعات سیرت کی صحت میں مصنف نے مستند ماخذوں تک رسائی حاصل کی ہے اور اس تلاش و جستجو کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کے ہاں اصول دین سے متصادم کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ سیرت نگاری کے اس فن میں صحت واقعات کی تلاش میں یہ احتیاط اور ضبط لائق تحسین ہے۔

تجلیات نبوت کی انہی مذکورہ خصوصیات کے باعث اس کا عربی ایڈیشن تو سعودی عرب کے تعلیمی اداروں میں ایک نصابی کتاب کے بطور اختیار کر لیا گیا ہے' پاکستان کے دینی مدارس میں بھی اسے پذیرائی مل رہی ہے۔ فاضل مصنف نے اس اردو ایڈیشن کے لیے تخریج اور تصحیح کا ایک کڑا معیار پیش نظر رکھا ہے۔ اس اہم کتاب کی اس تازہ طباعت میں قارئین کو حوالہ جات اور ان کے ماخذ کا براہ راست علم ہو جائے گا۔ یوں طلبائے مدارس اور عامۃ المسلمین کے لیے اردو زبان میں یہ سیرت کی پہلی مختصر مگر جامع کتاب ہے جس میں واقعات کی صحت کے ساتھ ان کی مکمل تخریج موجود ہے۔ یہ اہتمام اپنی جگہ اس کتاب کی اہمیت' ثقاہت اور استناد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سیرت نبوی سے شغف رکھنے والے حضرات اس امر سے باخبر ہیں کہ سیرۃ النبی ﷺ کے شریک مصنف سید سلیمان ندوی نے بچوں اور نوجوانوں کے لیے "رحمت عالم" کے عنوان سے ایک کوشش کی تھی جسے بہت قبول عام ہوا مگر اس میں قارئین کو تخریج اور تصحیح کا یہ اسلوب دکھائی نہیں دے گا جو تجلیات نبوت میں اختیار کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کے

ذاتی ذخیرہ سیرت میں تین ہزار کے قریب کتب و رسائل موجود ہیں مگر میں وثوق کے ساتھ عرض کروں گا کہ تجلیات نبوت صحت واقعات اور تخریج کے اعتبار سے اردو زبان میں موجود بہترین کتابوں میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

دارالسلام جسے دینی اور دعوتی لٹریچر کو عالمی سطح پر جدید اسلوب طباعت کے ساتھ پیش کرنے کا شرف حاصل ہے اس نے "تجلیات نبوت" کے اس نئے ایڈیشن کو ایک معیاری طباعت کا کامیاب نمونہ بنا کر پیش کیا ہے۔ اپنے تحقیقی مواد اور لوازمے' عام فہم اسلوب اور موزوں واقعاتی ترتیب کے باعث یہ تالیف سیرت ان شاء اللہ العزیز نوجوانوں اور عامۃ المسلمین میں قبول عام کا درجہ حاصل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعے سے قارئین میں اتباع سنت' اطاعت رسول اور حمیت دین کے جذبات پیدا کرے اور اس کتاب کے مصنف' ناشر اور منتظمین کی محنت کو حسن قبول عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

پروفیسر عبدالجبار شاکر

بیت الحکمت' لاہور۔

۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

عرض ناشر (طبع اوّل)

سیرت کا موضوع گلشن سدا بہار کی طرح ہے' جس سج میں ہر پھول کی رنگینی وشادابی دامان نگاہ کو بھر دینے والی ہے۔ یہ گل چیں کا اپنا ذوق انتخاب ہے کہ وہ کس پھول کو چنتا اور کس کو چھوڑتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جسے چھوڑا' وہ اس سے کم نہ تھا جسے چن لیا گیا۔ بس یوں جانئے کہ اس موضوع پر ہر نئی تحقیق وتوثیق قوس وقزح کے ہر رنگ کو سمیٹتی اور نکھارتی نظر آتی ہے۔

سیرت طیبہ کا موضوع اتنا متنوع ہے کہ ہر وہ مسلمان جو قلم اٹھانے کی سکت رکھتا ہو اس موضوع پر حسب استطاعت لکھتا ہے اور لکھنا اپنی سعادت سمجھتا ہے' ہر قلم کار اس موضوع کو ایک نیا اسلوب دیتا ہے' پھر بھی سیرت پر لکھی گئی بے شمار کتب کسی نہ کسی پہلو سے تشنگی محسوس کرا ہی دیتی ہیں۔ اسی طرح ہر ناشر سیرت رسول ﷺ پر کتب شائع کرنا اپنے ادارے کے لئے سعادت سمجھتا ہے اور اسے خوب سے خوب تر شائع کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔

دارالسلام اب تک عربی اور انگریزی زبان میں سیرت رسول ﷺ پر قابل قدر اور قابل ستائش کتب شائع کر چکا ہے' تاہم نوجوان نسل کو تفاصیل میں لے جائے بغیر سیرت طیبہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم سے آگاہ کرنے کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہوئے عصر حاضر کے عظیم سیرت نگار مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری حفظہ اللہ سے کچھ عرصہ قبل درخواست کی گئی کہ عربی زبان میں نوجوانوں اور بطور خاص میٹرک تک کے طلبہ کے لئے ایک مختصر مگر جامع کتاب سیرت رسول ﷺ پر لکھیں جو عام فہم اور صحیح واقعات پر مبنی ہو اور اس کا انداز اتنا دلکش ہو کہ نوجوانوں کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت اور سیرت نقش ہو جائے۔ انہوں نے میری التماس کو شرف قبولیت بخشا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد "روضۃ الانوار فی

سیرت النبی المختار (ﷺ)" کے نام سے کتاب کا مسودہ میرے حوالے کر دیا۔ کتاب شائع ہوئی تو سعودی عرب کے متعدد تعلیمی اداروں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا' کئی لوگوں نے اسے مفت تقسیم کیا' چند ایک اسکولوں نے اسے اپنے نصاب میں داخل کر لیا۔ ایک عرصہ بعد مولانا صاحب حفظہ اللہ دوبارہ ریاض تشریف لائے تو اردو دان طبقے کے لئے ان سے اس کتاب کے ترجمہ کی فرمائش کی گئی۔ اس پر انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنا بیگ کھولا اور اردو ترجمہ کا مسودہ یہ کہتے ہوئے میرے حوالے کر دیا کہ انہیں معلوم تھا کہ میں اس خواہش کا اظہار بھی ضرور کروں گا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى ذَالِكَ جس پر میں نے مولانا صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری' اللہ کے فضل سے عربی اور اردو دونوں زبانوں پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ انہوں نے جس لگن اور شبانہ روز محنت سے یہ کام سرانجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دوران تحریر عقیدت و شیفتگی کا عنصر انداز بیان کو فصیح و بلیغ' شستہ و شگفتہ اور متین بنا دیتا ہے۔ اسی لئے سیرت پر قلم اٹھاتے ہوئے ان کا ہر جملہ نگینہ کی طرح جڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مولانا کا سیرت رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر وسیع مطالعہ اور تحقیق و جستجو مسلمہ حیثیت رکھتی ہے' جس کا ثبوت ان کی تالیف "الرحیق المختوم" ہے' جو رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کی طرف سے سیرت نگاری کے عالمی مقابلہ میں اول انعام یافتہ ہے۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ اس لئے آپ کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں' تاہم اس مقام پر اس کتاب کا ایک اقتباس نمونے کے طور پر ملاحظہ فرما لیا جائے' فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کی ہستی جامع کمالات تھی۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک حرف حکمت کے اعتبار سے بلند پایہ ہے۔ پھر بھی وہ اُمی کہلائے اور اسی اُمی ہونے نے یہ ثابت کیا کہ وہ منشائے خداوندی کے سوا کچھ نہیں بولتے۔ وہ محبت کو بنیاد بناتے ہیں اور صبر کو لباس' اسی لئے جب قبیلہ بنو سعد سے تعلق رکھنے والے ایک نجدی نے اپنے مخصوص سخت اور درشت لہجے میں بات کی تو وہ اپنے سوالات کا حکیمانہ جواب سننے کے بعد کلمۂ شہادت پڑھے بغیر نہ رہ سکا اور اطاعت و محبت کا وہ وعدہ کیا کہ اسی وقت

جنت کی سند حاصل کر گیا۔"

ایسے ہی وہ ولولہ انگیز جملے ہیں جو آپ کو "تجلیات نبوت" کے صفحات میں جا بجا ملیں گے، جو عقیدت و محبت کے حقیقی آئینہ دار ہیں۔

آخر میں دار السلام کی جانب سے مولانا صفی الرحمٰن صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو ان دنوں دار السلام کے لئے مختلف علمی منصوبوں پر بھی کام کر رہے ہیں۔

«جَزَاهُمُ اللهُ اَحْسَنُ الْجَزَاءِ»

اس کتاب کو خوبصورت بنانے میں ہمارے ادارے کے کارکنان نے دن رات محنت کی ہے۔ ان کی یہ پرخلوص کاوش محبت رسول (ﷺ) کی آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ

وَصَلَّى اللهُ عَلٰى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ، مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْنَ

خادم قرآن وسنت

عبد المالک مجاہد

مدیر دار السلام، الریاض - لاہور۔

(ربیع الاول ۱۴۱۸ / جولائی ۱۹۹۷ء)

مقدمہ

اَلْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی مُحَمَّدٍ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةِ الْعَالَمِيْنَ، وَهُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ، وَعَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ حَمَلَةِ لِوَاءِ الدِّيْنِ، وَعَلٰی مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ مِّنَ الأَئِمَّةِ وَالْهُدَاةِ وَالدُّعَاةِ وَالأَتْقِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ، وَعَلٰی مَنْ سَلَكَ سَبِيْلَهُمْ إِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ - أَمَّا بَعْدُ:

سیرت نبوی ﷺ انتہائی پاکیزہ اور بلند پایہ موضوع ہے۔ اس سے مسلمان کو یہ علم ہوتا ہے کہ اس کا دین کن کن مراحل سے گزرا' اس کے نبی ﷺ اور اصحاب نبی پر کیا بیتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کیسی کیسی نسبی و خاندانی شرافت بخشی' اور اس طرح وحی ورسالت اور دعوت دین کے لئے منتخب فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے اس راہ میں کیا کیا مشقتیں جھیلیں' کیسے کیسے مصائب برداشت کئے اور بالآخر کس کس طرح کے انعامات سے نوازے گئے۔ اللہ نے پردۂ غیب سے فرشتے بھیج کر' اسباب موڑ کر' برکات نازل فرما کر' معجزات ظاہر کر کے کس کس طرح آپ کی نصرت و تائید فرمائی اور بڑے بڑے زور آور لشکروں نے آپ کی مٹھی بھر جماعت کے سامنے شکست کھائی۔ یہ ساری باتیں کتب سیرت کے اوراق پر جلوہ فگن نظر آتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے آج تک اس موضوع پر لکھنے لکھانے اور پڑھنے پڑھانے کا بڑا اہتمام ہوتا آیا ہے۔ کیونکہ یہ کام گہرے ایمان ومحبت اور والہانہ جذبۂ فنا وفدائیت کا نتیجہ ہے۔ مگر ہوتا یہ رہا ہے کہ عموماً اس موضوع پر لکھتے ہوئے تحقیق کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ بلکہ افکار وخیالات اور جذبات واحساسات کی نظر میں جو چیز جچ گئی' اسے داخل

کتاب کر لیا گیا۔ خواہ وہ صحت و ثبوت کے لحاظ سے صفر ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ بسا اوقات ایسی باتیں بھی قبول کر لی گئیں جو دین کے اصول سے متصادم اور معقولیت کے دائرے سے خارج ہیں۔

اسی کیفیت کے پیش نظر برادر عزیز جناب عبدالمالک مجاہد صاحب مدیر دارالسلام پبلی کیشنز الریاض' نے میرے سامنے یہ تجویز رکھی کہ میں اس موضوع پر اوسط درجے کی ایک کتاب تالیف کروں۔ جس میں آئمہ ٔ فن کے نقطہ ٔ نظر سے ثابت شدہ اور مسلمہ معلومات جمع کی گئی ہوں تاکہ اس سے ہماری نئی نسل اور بالخصوص میٹرک تک کے طلبہ سیرت کے باب میں صحیح معلومات حاصل کر سکیں۔ میں نے افادہ ٔ عامہ کے لئے ان کی یہ تجویز قبول کر لی اور اللہ سے توفیق و اعانت طلب کرتے ہوئے قرآن کریم' معتمد کتب تفاسیر اور کتب احادیث و سیرت کی مدد سے یہ کام سر انجام دیا۔ واقعات کی داخلی اور خارجی شہادتوں سے بھی استفادہ کیا اور کوشش کی کہ جہاں تک ممکن ہو اختصار و انتخاب کے ساتھ روایات کے الفاظ اور سابقین کی زبان استعمال کی جائے اور مجھے امید ہے کہ میں نے بڑی حد تک یہ مقصد پورا کر دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور میرے لئے سعادت دارین کا ذریعہ بنائے آمین۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

صفی الرحمٰن مبارکپوری

مدینہ یونیورسٹی' مدینہ منورہ

(۱۲/ شوال ۱۴۱۵ھ)

حُلیہ مُبارک

از: امام ابن حزم رحمہ اللہ

رسُول اللہ ﷺ نہ بہُت لانبے تھے نہ پستہ قد' بلکہ آپ کا قد مُبارک درمیانہ تھا۔ رنگ کے اعتبار سے آپ نہ بالکل سفید تھے نہ گندم گوں' بلکہ رنگ سفیدی کے ساتھ سُرخی لِئے ہُوئے تھا۔ چہرہ مُبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن' چمکدار' سر کے بال نہ بالکل سیدھے نہ بالکل پیچدار بلکہ ہلکی سی پیچیدگی کے ساتھ گھونگریالے تھے۔ اعضاء کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی اور پُرگوشت تھیں۔ پلکیں سیاہ سُرمگیں۔ آنکھوں کی سفیدی میں باریک سُرخ ڈورے دندان مُبارک خوبصُورت چمکدار۔ دَہن اعتدال کے ساتھ فراخ یعنی تنگ نہ تھا' ناک خوبصُورت' رفتار تیز تھی' چلتے تھے تو معلُوم ہوتا تھا کہ آپ ڈھلواں زمین پر اُتر رہے ہیں۔ جب آپ توجہ فرماتے تو پُورے بدن کے ساتھ فرماتے' یعنی صِرف گردن پھیر کر متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ نگاہ اکثر نیچی رہتی تھی۔ ہتھیلیاں پُرگوشت اور ملائم تھیں۔ ایڑی میں گوشت کم تھا۔ رِیش مُبارک گھنی اور بال سیاہ تھے۔ آپ کے پاؤں کے تلوے قدرے گہرے تھے۔ سر کے بال زیادہ لانبے ہوتے تو کان کی لَوتک یا شانے تک پہنچ جاتے تھے ورنہ نِصف کان کی لَوتک یا شانے تک رہتے تھے۔ آپ کے سر اور داڑھی کے بال بیس سے زیادہ سفید نہ تھے یعنی گِنتی کے بال سفید تھے۔

(جوامع السیرۃ' امام ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم)
المتوفی ۴۵٦ھ

حُلیہ مُبارک

حضرت اُم معبد رضی اللہ عنہا کی زبانی

پاکیزہ رُو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، نہ توند نکلی ہُوئی نہ چندریہ کے بال گرے ہُوئے۔ زیبا۔ صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ وفراخ، بال لمبے اور گھنے۔ آواز میں بھاری پن، بُلند گردن، روشن مردمک، سُرمگیں چشم، باریک و پیوستہ اَبرُو، سیاہ گھنگھریالے بال، خاموش، وقار کے ساتھ گویا دل بستگی لِئے ہُوئے۔ دور سے دیکھنے میں زیبندہ ودِل فریب۔ قریب سے نہایت شیریں وکمال حَسین، شریں کلام، واضح الفاظ، کلام کی کمی وبیشی الفاظ سے معرّا، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی، میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے۔ نہ طویل کہ آنکھ اس سے نفرت کرتی۔ زیبندہ نہال کی تازہ شاخ، زیبندہ منظر والا قدر، رفیق ایسے کہ ہر وقت اس کے گرد وپیش رہتے ہیں۔ جب وہ کُچھ کہتا ہے تو چُپ چاپ سُنتے ہیں۔ حکم دیتا ہے تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم، مطاع، نہ کوتاہ سخن، نہ ترش رُو، نہ فضول گو۔

(زادالمعاد لِابن قیمؒ الجوزی ۳/ ۵۶)

ماخوذ از رحمۃ لّلعالمین ۱/ ۸۳

قاضی محمدؐ سُلیمان منصور پُوری رحمہ اللہ

مُحَمَّد (ﷺ)

﴿خاندان، نشو و نما اور نبوت سے پہلے کے حالات﴾

نسب نامہ مبارک آپ کا مبارک نسب نامہ یہ ہے:

"محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان"۔

عدنان بالاتفاق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ لیکن دونوں کے درمیان کتنی پشتیں ہیں؟ اور ان کے نام کیا کیا ہیں؟ اس بارے میں بڑا اختلاف ہے۔

آپ (ﷺ) کی والدہ کا نام "آمنہ" تھا اور ان کے والد وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب تھے۔ یہ وہی کلاب ہیں جو والد کی طرف سے بھی آپ کے نسب نامہ میں آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا اصل نام عروہ، یا حکیم تھا۔ لیکن وہ کتوں کے ذریعہ بکثرت شکار کھیلا کرتے تھے، اس لئے کلاب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ عربی میں کلاب کتوں کو کہتے ہیں۔

قبیلہ آپ قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے، جو پورے عرب میں سب سے معزز قبیلہ تھا۔ قریش دراصل فہر بن مالک یا نضر بن کنانہ کا لقب تھا۔ بعد میں اس کی اولاد اسی نسبت سے مشہور ہو گئی۔ یوں تو اس قبیلے کو ہر دور میں سیادت حاصل رہی۔ لیکن قصی کو ایک منفرد مقام حاصل ہوا۔ اس کا نام زید تھا اور وہ بچپن میں یتیم ہو کر والدہ کے ساتھ ملک شام کے قریب قبیلہ عذرہ میں جا بسا تھا اور وہیں پلا بڑھا بھی تھا، لیکن جوان ہو کر مکہ آ گیا

اور کچھ ہی دنوں کے بعد خانۂ کعبہ کا متولی بن گیا۔ یہ قبیلہ قریش کا پہلا شخص تھا جو خانۂ کعبہ کا متولی ہوا، متولی ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اسی کے ہاتھ میں خانۂ کعبہ کی کنجی ہوتی تھی، وہ جس کے لئے اور جب چاہتا تھا کعبہ کا دروازہ کھولتا تھا۔ علاوہ ازیں قریش مکہ سے باہر آباد تھے، اس نے انہیں اندر لاکر آباد کیا۔ نیز اسی نے حاجیوں کے لئے میزبانی کا طریقہ بھی ایجاد کیا۔ وہ حج کے دنوں میں بڑے پیمانے پر کھانا تیار کراتا اور چمڑے کے بڑے بڑے حوضوں میں کھجور، شہد یا کشمش سے میٹھا شربت بنواتا اور حاجیوں کو پیش کرتا۔ اس نے کعبہ کے شمال میں "دار الندوہ" کے نام سے ایک گھر بھی بنایا تھا، جو قریش کی اجتماعی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہی ان کی پارلیمنٹ بھی تھی اور اسی میں وہ شادی وغیرہ کی رسمیں بھی انجام دیتے تھے۔ قریش کا جھنڈا اور کمان بھی قصی ہی کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ لڑائی کا جھنڈا اس کے سوا کوئی نہیں باندھ سکتا تھا۔ وہ بڑا کریم اور عقلمند تھا۔ قریش اس کی بات بے چون وچرا تسلیم کرتے تھے۔

خاندان

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان، آپ کے پردادا "ہاشم" کی نسبت سے "ہاشمی خاندان" کہلاتا تھا ان کو قصی کے مناصب میں سے حاجیوں کی میزبانی کا منصب حاصل ہوا، جو ان کے بعد ان کے بھائی مطلب کی طرف منتقل ہو گیا۔ مطلب کے بعد پھر ہاشم کی اولاد کو یہ منصب حاصل ہوا اور اسلام کی آمد تک ان ہی کے ہاتھ میں رہا۔

ہاشم اپنے زمانے کے سب سے عظیم انسان شمار ہوتے تھے۔ انہیں وادیٔ بطحاء کا سردار کہا جاتا تھا۔ وہ روٹی توڑ کر گوشت اور شوربے میں بھگوتے اور لوگوں کے کھانے کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔ چونکہ عربی میں اس طرح کسی چیز کے توڑنے کو ہشم اور توڑنے والے کو ہاشم کہتے ہیں اس لئے ان کا نام ہاشم پڑ گیا، ورنہ ان کا اصل نام عمرو تھا۔ قریش تجارت پیشہ تھے۔ ہاشم نے ان کے لئے جاڑے میں یمن اور گرمی میں شام کا تجارتی سفر منظم کیا اور اس کے لئے دونوں ملک کے ذمہ داروں سے ضمانتیں حاصل کیں۔ اس سفر کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ قریش میں اللہ تعالیٰ کے ایک بہت بڑے احسان کے طور پر کیا گیا ہے۔

ہاشم ایک بار تجارت کے لئے شام جاتے ہوئے یثرب (مدینہ منورہ) سے گزرے تو وہاں بنو عدی بن نجار کی ایک خاتون سلمٰی بنت عمرو سے شادی کر لی اور کچھ عرصہ ٹھہر کر ملک شام چلے گئے اور وہیں سرزمین فلسطین کے مشہور شہر غزہ میں انتقال کر گئے۔ ان کی روانگی کے وقت سلمٰی حاملہ تھیں' بعد میں بچہ پیدا ہوا' جس کے سر کے بالوں میں سفیدی تھی اس لئے اس کا نام شیبہ رکھدیا گیا۔ یہ بچہ مدینہ میں پرورش پاتا رہا' لیکن مکہ میں ہاشم کے بھائیوں اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو اس کا علم نہ تھا۔ آٹھ برس بعد مطلب کو اس کا پتہ چلا تو وہ مدینہ جاکر اس کو اپنے ساتھ لے آئے۔ جب مکہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ ان کا غلام ہے۔ چنانچہ اسے عبدالمطلب' عبد المطلب کہنے لگے' اور بالآخر وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ (۱)

عبدالمطلب بہت خوبصورت اور عظیم تھے۔ ان کے دور میں ان کا ہم مرتبہ کوئی نہ ہوا۔ وہ قریش کے سردار اور مکہ کے قافلۂ تجارت کے ذمہ دار تھے۔ جود و سخا اس قدر کرتے تھے کہ ان کا لقب فیاض پڑ گیا تھا۔ ان کے دستر خوان کا پس خوردہ مسکینوں' جانوروں اور چڑیوں کو کھانے کے لئے ڈال دیا جاتا تھا اور اس بنا پر ان کا یہ عرف بن گیا تھا کہ "زمین پر انسانوں' اور پہاڑ کی چوٹیوں پر وحشی جانوروں اور چڑیوں کو کھلانے والا۔"

انہیں زمزم کا کنواں کھودنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اس کنویں کو بنو جرہم نے مکہ سے جلا وطن ہوتے وقت پاٹ دیا تھا۔ اس وقت سے اس کی جگہ نامعلوم چلی آرہی تھی۔ عبدالمطلب کو خواب میں اس کی جگہ بتلائی گئی اور کھودنے کا حکم دیا گیا۔ انہوں نے کھودا تو پرانا کنواں برآمد ہو گیا۔ (۲)

انہی کے زمانے میں خانہ کعبہ پر ہاتھی والوں کے حملے کا واقعہ پیش آیا۔ یہ سب حبشی تھے۔ ان کے سردار کا نام ابرہہ تھا جو یمن پر قابض اور حکمران تھا۔ وہ خانہ کعبہ ڈھانے کے لئے ساٹھ ہزار کا لشکر جرار لے کر آیا' لیکن جب مکہ کے مشرق میں مزدلفہ اور منیٰ کے

---

(۱) سیرت ابن ہشام' ۱/۱۳۷' ۱۳۸' تاریخ طبری' ۲/۲۴۷

(۲) سیرت ابن ہشام ۱/۱۴۲-۱۴۷

درمیان "وادیٔ محسر" میں پہنچا اور مکہ پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لشکر پر چڑیوں کا جھنڈ بھیج دیا۔ جنہوں نے اس پر ٹھیکری جیسے پتھر برسادیے اور وہ کھائے ہوئے بھس کی طرح ہو گیا۔ (۱) یہ واقعہ آپ کی پیدائش سے ۵۰ / ۵۵ دن پہلے پیش آیا۔

آپ ﷺ کے والد گرامی عبداللہ' عبدالمطلب کے سب سے خوبصورت' پاک دامن اور چہیتے لڑکے تھے۔ انہیں "ذبیح" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمزم کی کھدائی کے دوران جب کنویں کے نشانات برآمد ہوئے تو قریش نے بھی عبدالمطلب کے ساتھ شرکت کرنی چاہی اور اس کیلئے ان سے جھگڑا کیا' جو بڑی مشکل سے فرو ہو سکا۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے ان کو دس لڑکے دے دیئے اور ہر ایک مقابلے کے لائق ہوا تو ان میں سے ایک کو وہ اللہ کی راہ میں ذبح کر دیں گے۔ اب اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کی یہ مراد پوری ہو گئی' چنانچہ انہوں نے سب لڑکوں کے درمیان قرعہ ڈالا۔ قرعہ عبداللہ کے نام نکلا' لہٰذا ان کو ذبح کرنے کیلئے خانہ کعبہ کے پاس لے گئے' مگر قریش نے انہیں روک دیا۔ بالخصوص عبداللہ کے بھائی اور ماموں سخت آڑے آئے۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ ان کے بدلے ایک سو اونٹ ذبح کئے جائیں' چنانچہ عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا' (۲) اسی لئے آپ (ﷺ) کو دو ذبیح کی اولاد کہا جاتا ہے۔ ایک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور ایک آپ (ﷺ) کے والد عبداللہ۔ اسی طرح آپ کو دو فدیہ دیئے گئے بزرگوں کی اولاد بھی کہا جاتا ہے' کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مینڈھے کا فدیہ دیا گیا تھا اور آپ کے والد کو سو اونٹوں کا۔

عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے ہوئی' جو اس وقت قریش کی سب سے بلند پایہ خاتون تھیں۔ ان کا باپ وہب بھی بنو زہرہ کا سردار اور عالی نسب تھا۔ آمنہ شادی کے بعد ہی امید سے ہو گئیں۔ ادھر کچھ عرصہ بعد عبدالمطلب نے عبداللہ کو تجارت کے سلسلے میں

---

(۱) ایضاً ۴۳/۱' ۶۵' کتب تفاسیر' تفسیر سورۃ الفیل۔

(۲) سیرت ابن ہشام' ۱۵۱/۱' ۱۵۵' تاریخ طبری' ۲۳۹/۲' ۲۴۳

مدینہ یا شام بھیجا۔ واپسی پر وہ مدینہ میں انتقال کر گئے اور انہیں نابغہ ذبیانی کے مکان میں دفن کر دیا گیا۔ اس وقت تک آپ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ (۱)

پیدائش آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر موسم بہار میں پیدا ہوئے۔ یہ دو شنبہ (سوموار) کی صبح تھی، ربیع الاول کی ۹ / اور کہا جاتا ہے کہ ۱۲ / تاریخ--- سال وہی تھا جس میں ابرہہ نے مکہ پر حملہ کیا تھا۔ چونکہ وہ اپنے ساتھ ہاتھی بھی لایا تھا، اور عربی میں ہاتھی کو فیل کہتے ہیں، اس لئے اس سال کا نام "عام الفیل" پڑ گیا۔ اس روز اپریل ۵۷۱ء کی ۲۲/ تاریخ تھی۔ (۲)

پیدائش کے وقت دایہ کا کام حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ شفاء بنت عمرو نے انجام دیا۔

جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ کے جسم سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محل روشن ہوگئے۔ (۳) پھر والدہ نے عبدالمطلب کے پاس آپ کی پیدائش کی خوشخبری بھجوائی۔ وہ شاداں وفرحاں تشریف لائے اور آپ کو خانہ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کا شکر ادا کیا اور اس توقع پر کہ "آپ کی تعریف کی جائے گی" آپ کا نام "محمد" رکھا۔ پھر عرب کے دستور کے مطابق ساتویں دن عقیقہ اور ختنہ کیا اور لوگوں کی دعوت کی۔ (۴)

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ۱/۱۵۶، ۱۵۸، تاریخ طبری، ۲/۲۴۶۔ الروض الانف ۱/ ۱۸۴

(۲) ۹ ربیع الاوّل کی تحقیق محمود پاشا فلکی نے بہت خوب کی ہے۔ دیکھئے نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام، طبع بیروت، ص:۲۸، ۳۵

(۳) مسند احمد، ۴/۱۲۷، ۱۲۸، ۱۸۵، ۵/ ۲۶۲۔ مسند دارمی، ۱/ ۱۳۔ طبقات ابن سعد، ۱/ ۱۰۲۔

(۴) سیرت ابن ہشام ۱/۱۵۹، ۱۶۰، تاریخ طبری، ۲/۱۵۶، ۱۵۷، طبقات ابن سعد ۱/ ۱۰۳۔ کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ (تلقیح فہوم اہل الاثر، ص:۴) مگر ابن قیم کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ (زاد المعاد ۱/ ۱۸)

آپ ﷺ کو آپ کے والد کی لونڈی ام ایمن گود کھلایا کرتی تھیں۔ وہ حبشن تھیں' اور ان کا نام "برکت" تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل کیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی نبوت کا دور پایا' اسلام لائیں اور ہجرت بھی کی' پھر آپ کی وفات کے پانچ چھ مہینے بعد وفات پا گئیں۔ رضی اللہ عنہا۔ [۱]

رضاعت

آپ ﷺ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابو لہب کی لونڈی ثویبہ نے آپ کو دودھ پلایا' اس وقت اس کا اپنا جو بچہ دودھ پیتا تھا' اس کا نام مسروح تھا۔ ثویبہ نے آپ سے پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اور آپ کے بعد ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا' لہٰذا یہ تینوں آپ کے رضاعی بھائی ہوئے۔ [۲]

حلیمہ سعدیہ کی گود میں

عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری بیماریوں سے بچانے کے لئے انہیں دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے' تاکہ ان کے پٹھے مضبوط اور ان کی عربی زبان خالص اور ٹھوس ہو جائے۔ اسی دستور کے مطابق عبدالمطلب کو بھی دودھ پلانے والی دایہ کی تلاش تھی۔ ادھر بنو سعد بن بکر بن ہوازن کی کچھ عورتیں اسی غرض سے مکہ آئیں اور ان پر آپ (ﷺ) کو بھی پیش کیا گیا' مگر جب انہیں معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ یتیم ہیں تو وہ آپ کو لینے سے انکار کر دیتیں۔ ایک خاتون حلیمہ بنت ابو ذویب کو کوئی بچہ نہ ملا' لہٰذا انہوں نے مجبوراً آپ ہی کو لے لیا۔ مگر جب لے لیا تو ان پر خوش قسمتی کا ایسا دروازہ کھلا کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی' جس کی ایک جھلک آپ آئندہ سطور میں ملاحظہ کریں گے۔

حضرت حلیمہ کے والد ابو ذویب کا نام عبداللہ بن حارث تھا اور وہ آپ (ﷺ) کے رضاعی نانا ہوئے۔ حلیمہ کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا۔ اور دونوں ہی قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن سے تعلق رکھتے تھے' اس طرح حارث کے بچے' بچیاں آپ کے رضاعی

---

[۱] صحیح مسلم' حدیث: ۱۷۷۱ (۱۳۹۲/۳)

[۲] صحیح بخاری' حدیث: ۲۶۴۵' ۵۱۰۰' ۵۱۰۱' ۵۱۰۶' ۵۱۰۷' ۵۳۷۲' تاریخ طبری ۱۵۸/۲۔ ولائل النبوۃ لابی نعیم ۱۵۷/۱

بھائی بہن ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ ' انیسہ ' جدامہ ' ان کا لقب شیماء تھا اور اسی سے وہ مشہور ہوئیں۔ وہ قدرے بڑی تھیں اور آپ کو گود کھلایا کرتی تھیں۔

حلیمہ کے گھر میں برکات کی بارش

جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ جب تک آپ ﷺ حلیمہ کے گھر موجود رہے ان کا گھر برکتوں سے مالا مال رہا۔ حلیمہ کا بیان ہے کہ وہ جب مکہ آئی تھیں تو قحط سالی کا دور تھا' ان کے پاس ایک گدھی تھی جو اس قدر کمزور اور دبلی تھی کہ پورے قافلے میں سب سے سست اور مریل چال چلتی تھی' ایک اونٹنی بھی تھی' مگر وہ ایک قطرہ دودھ نہ دیتی تھی۔ حلیمہ کا اپنا بچہ بھوک کی بے قراری سے پوری رات بلکتا اور چیختا رہتا' نہ خود سوتا نہ ماں باپ کو سونے دیتا۔ مگر جب وہ آپ ﷺ کو لے کر اپنے ڈیرے پر آئیں اور گود میں رکھا تو سینے دودھ سے بھر گئے حتیٰ کہ آپ نے شکم سیر ہو کر دودھ پیا اور آپ کے ساتھ حلیمہ کے بچے نے بھی جی بھر کر پیا' پھر دونوں آرام کی نیند سو گئے۔

ادھر شوہر اٹھ کر اونٹنی کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ تھن سے دودھ ابلا چاہتا ہے' چنانچہ اس نے اس قدر دودھ دوہا کہ دونوں نے خوب آسودہ اور سیراب ہو کر پیا اور نہایت پر سکون رات گزاری۔

مکہ سے واپسی میں حضرت حلیمہ اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئیں اور اپنے ساتھ آپ کو بھی لیا مگر اب وہی گدھی اس قدر تیز چلی کہ پورے قافلے کو کاٹ کر آگے نکل گئی' اور کوئی گدھا اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا۔

حضرت حلیمہ کا وطن دیار بنو سعد' سب سے زیادہ قحط زدہ تھا' مگر اس کے باوجود مکہ سے واپسی کے بعد ان کی یہ حالت ہوئی کہ جب بکریاں چر کر واپس آتیں تو ان کی کوکھ نکلی ہوتی' اور تھن دودھ سے لبریز ہوتے۔ میاں بیوی خوب دوہتے اور پیتے' جبکہ کسی اور انسان کو دودھ کا ایک قطرہ بھی میسر نہ ہوتا۔

یوں اس خانوادے کو مسلسل خیر و برکت نصیب ہوتی رہی' یہاں تک کہ دو سال گزر گئے اور مدت رضاعت پوری ہو گئی' چنانچہ حلیمہ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ اس دوران آپ

ﷺ پختہ اور مضبوط ہو چکے تھے۔

کچھ اور عرصہ حلیمہ کے پاس

حلیمہ کا دستور تھا کہ وہ آپ کو ہر چھ مہینے بعد مکہ لاتیں' والدہ اور خاندان کے لوگوں سے ملاتیں پھر اپنے دیار بنو سعد واپس لے جاتیں۔ جب مدت رضاعت پوری ہو گئی' اور دودھ چھڑا کر آپ ﷺ کو آپ کی والدہ کے پاس لائیں تو اب تک جو خیر و برکت دیکھ چکی تھیں' اس کے پیش نظر چاہتی تھیں کہ آپ کو ان ہی کے پاس رہنے دیا جائے' چنانچہ انہوں نے آپ کی والدہ سے کہا کہ "کیوں نہ آپ بچے کو میرے پاس ہی رہنے دیں کہ وہ ذرا اور مضبوط ہو جائے' کیونکہ مکہ کی وبا سے ڈر لگتا ہے۔" والدہ اس پر راضی ہو گئیں اور حلیمہ آپ کو لے کر خوش خوش اپنے گھر واپس ہوئیں [1] اور آپ تقریباً مزید "دو برس" تک وہیں رہے۔ پھر آپ کے سینۂ مبارک چاک کیے جانے کا واقعہ پیش آیا' جس سے ڈر کر حلیمہ اور ان کے شوہر نے آپ کو آپ کی والدہ کے حوالے کر دیا۔ [2]

سینۂ مبارک چاک کیا جاتا ہے

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام تشریف لائے' اور آپ کو لٹا کر سینہ چاک کر دیا' پھر آپ کا دل نکالا اور اس میں سے ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا کہ "یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے۔" پھر دل کو سونے کی طشت میں زمزم کے پانی سے دھو کر جوڑ دیا اور اسی جگہ پلٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ کی ماں یعنی دایہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ "محمد (ﷺ) قتل کر دیا گیا۔ وہ لوگ جھٹ پہنچے تو دیکھا رنگ اترا ہوا تھا۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نبی ﷺ کے سینے پر سلائی کا اثر دیکھا کرتا تھا۔ [3]

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۱۶۲' ۱۶۴' تاریخ طبری ۲/۱۵۸' ۱۵۹' ابن حبان (مرتب) ۸/۸۲' ۸۴' طبقات ابن سعد' ۱/۱۱۱

[2] طبقات ابن سعد ۱/۱۱۲' مروج الذہب ۱/۱۸۱' دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/۱۶۱' ۱۶۲' اور ان کے نزدیک بقول ابن عباس یہ واقعہ پانچویں سال کا ہے۔

[3] صحیح مسلم' کتاب الایمان' حدیث: ۲۶۱ (۱/۱۴۷)

ماں کی آغوش محبت میں

اس واقعہ کے بعد آپ ﷺ کو مکہ پہنچا دیا گیا اور آپ نے اپنی ماں کے سایۂ محبت میں اپنے خاندان کے اندر کوئی دو برس گزارے۔ پھر والدہ‘ دادا اور ام ایمن کے ساتھ مدینہ کا سفر کیا۔ جہاں آپ کے والد کی قبر بھی تھی اور دادا کا ننھیال بھی۔ آپ مدینہ میں ایک ماہ رہ کر واپس ہوئے تو راستہ میں آپ کی والدہ بیمار ہو گئیں‘ اور ''ابواء'' پہنچ کر رحلت کر گئیں‘ وہیں انہیں بھی دفن کر دیا گیا۔ [1]

دادا کے سایۂ شفقت میں

اب بوڑھے عبدالمطلب آپ کو لے کر مکہ پہنچے‘ ان کے دل پر آپ کی اس نئی مصیبت کے احساس کا گہرا زخم تھا‘ چنانچہ آپ کے لئے ان کے دل میں ایسی رقت پیدا ہوئی کہ خود ان کے اپنے بیٹوں کے لئے ویسی رقت نہ تھی۔ وہ آپ کی بڑی قدر کرتے‘ اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہتے‘ خوب اکرام کرتے‘ ان کا خاص ''فرش'' جس پر کوئی دوسرا نہ بیٹھ سکتا تھا‘ اس پر آپ کو بٹھاتے‘ پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے‘ آپ کی نقل وحرکت دیکھ کر خوش ہوتے اور یقین رکھتے تھے کہ آئندہ آپ کی ایک نرالی شان ہونے والی ہے۔ لیکن ابھی آپ کی عمر صرف ''آٹھ برس دو مہینے اور دس دن'' ہوئی تھی کہ عبدالمطلب بھی انتقال کر گئے۔ [2]

چچا کی کفالت میں

اب آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کا بیڑہ اٹھایا۔ یہ آپ کے والد کے سگے بھائی تھے۔ انہوں نے آپ سے خاص رحمت وشفقت برتی۔ وہ مالدار تو نہ تھے لیکن آپ کی کفالت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے تھوڑے سے مال میں اس قدر برکت دی کہ ایک آدمی کا کھانا پورے کنبے کے لئے کافی ہو جایا کرتا۔ خود آپ بھی صبر وقناعت کا نمونہ تھے جو کچھ ملتا اسی پر قناعت فرماتے۔

ملک شام کا سفر اور بحیرا راہب سے ملاقات

جب آپ (ﷺ) کی عمر بارہ برس‘ اور کہا جاتا ہے کہ مزید دو مہینے دس دن

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱/۱۶۸‘ تلقیح الفہوم‘ ص:۷

[2] سیرۃ ابن ہشام‘ ۱/۱۶۸‘ ۱۶۹۔ تلقیح‘ ص:۷۔

ہوئی (۱) تو ابو طالب نے تجارت کے لئے ملک شام جانے کا قصد کیا۔ آپ کو ان کی جدائی بہت گراں گزری۔ جس سے وہ بھی بہت متاثر ہوئے اور اپنے ساتھ لے لیا۔ جب قافلے نے ملک شام کی حدود میں پہنچ کر شہر بصریٰ کے قریب پڑاؤ ڈالا تو بحیرا نامی عیسائیوں کا ایک بڑا راہب' اپنے گرجے سے نکل کر ان کے پاس آیا اور قافلے کے درمیان سے گزر کر نبی ﷺ کے پاس پہنچا' اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا:

"یہ دنیا کے سردار ہیں۔ پروردگار عالم کے رسول ہیں۔ اللہ انہیں رحمت عالم بنا کر بھیجے گا۔"

لوگوں نے کہا "آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟"

اس نے کہا "تم لوگ جب گھاٹی سے ادھر ظاہر ہوئے تو کوئی پتھر یا درخت ایسا نہ بچا جو سجدہ کے لئے جھک نہ گیا ہو' اور یہ دونوں چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور کو سجدہ نہیں کرتیں' پھر میں انہیں مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے نرم ہڈی کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انہیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔"

پھر اس نے قافلے کی ضیافت کی اور ابو طالب سے کہا کہ "ان کو واپس کر دیں۔ ملک شام نہ لے جائیں' کیونکہ یہود اور رومیوں سے خطرہ ہے۔" اس پر ابو طالب نے آپ کو مکہ بھیج دیا۔ (۲)

جنگ فجار جب آپ کی عمر بیس برس کی ہوئی تو ذی قعدہ کے مہینے میں "عکاظ" کے بازار میں ایک لڑائی پیش آئی' جس میں ایک طرف قریش اور کنانہ کے قبائل تھے اور دوسری طرف قیس' غیلان کے قبائل۔ دونوں میں گھمسان کا رن پڑا' اور فریقین کے کئی کئی آدمی کھیت رہے' لیکن پھر انہوں نے صلح کر لی اور طے کیا کہ دونوں طرف کے

---

(۱) یہ بات ابن جوزی نے تلقیح' ص:۷ میں کہی ہے۔

(۲) جامع ترمذی' حدیث: ۳۶۲۰ (۵/۵۵۰' ۵۵۱)' تاریخ طبری' ۲/۲۷۸' ۲۷۹' مصنف ابن ابی شیبہ' حدیث: ۱۱۷۸۲ (۱۱/۴۸۹)' دلائل النبوۃ للبیہقی' ۲/۲۴' ۲۵' دلائل النبوۃ لابی نعیم' ۱/۱۷۰' اس کی سند ثابت و قوی ہے۔ البتہ اس میں بعض وہم واقع ہوا ہے' اس لیے ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔

مقتولین گنے جائیں ' جدھر زیادہ ہوں ادھر والے زائد مقتولین کا خون بہا لے لیں۔ اس کے بعد جنگ ختم ہو گئی اور باہمی شر و عداوت کو مٹا دیا گیا۔

اس جنگ میں آپ بھی تشریف فرما تھے ' اور اپنے چچاؤں کو تیر تھمایا کرتے تھے۔ اس کا نام "جنگ فجار" اس لئے پڑا کہ اس میں حرام مہینے کی حرمت پامال کی گئی تھی۔ فجار نام کے واقعات چار بار پیش آئے۔ ہر سال ایک واقعہ پیش آتا رہا۔ مذکورہ واقعہ آخری تھا۔ اس سے پہلے کے تین واقعات میں ہلکے پھلکے جھگڑے پیش آئے۔ لڑائی صرف اسی چوتھے واقعے میں پیش آئی۔ [1]

حلف الفضول اس جنگ کے بعد ہی ذی قعدہ کے مہینے میں پانچ قریشی قبائل کے درمیان ایک عہد نامہ طے پایا جسے "حلف الفضول" کہتے ہیں۔ ان قبائل کے نام یہ ہیں:

① بنو ہاشم ② بنو المطلب

③ بنو اسد ④ بنو زہرہ

⑤ بنو تیم

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ زبید (یمن) کا ایک آدمی سامان تجارت لے کر مکہ آیا ' عاص بن وائل نے اس سے سامان خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس نے بنو عبدالدار ' بنو مخزوم ' بنو جمح ' بنو سہم اور بنو عدی سے فریاد کی ' لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہ دی ' چنانچہ اس نے جبل ابو قُبَیس پر چڑھ کر چند اشعار میں اپنی مظلومیت کا نقشہ کھینچا ' اور آواز لگائی کہ کوئی اس کا حق دلانے کے لئے اس کی مدد کرے۔ اس پر زبیر بن عبدالمطلب نے دوڑ دھوپ کی۔ چنانچہ مذکورہ قبائل کے افراد بنو تیم کے سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اکٹھے ہوئے اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے ' خواہ مکہ کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا ' یہ سب اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور عاص بن وائل سے زبیدی کا

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/ ۱۸۴ ' ۱۸۷ ' المنمق فی اخبار قریش ' ص: ۱۶۴ ' ۱۸۵ ' الکامل فی التاریخ ' ابن الاثیر ۱/ ۴۶۸ ' ۴۷۲

حق لے کر اس کے حوالے کیا۔

اس عہد و پیمان میں آپ بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف فرما تھے اور شرف رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ "میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک ہوا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر میں اس کے لئے دور اسلام میں بلایا جاتا تو اسے یقیناً قبول کرتا۔" [1]

عملی زندگی

نبی ﷺ یتیم پیدا ہوئے اور اپنے دادا پھر چچا کی کفالت میں پرورش پائی۔ والد سے وراثت میں جو کچھ ملا تھا اس سے کچھ ہونے والا نہ تھا' لہٰذا جوں ہی آپ ہلکے پھلکے کام کرنے کے لائق ہوئے اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ دیار بنی سعد میں بکریاں چرانے لگے۔ [2] پھر جب مکہ آئے تو وہاں بھی چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائیں۔ [3] قیراط' ایک دینار کا بیسواں یا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے جس کی قیمت اس زمانے میں بمشکل اسی نوے روپے ہو سکے گی۔

اوائل عمر میں بکری چرانا انبیاء کی سنت ہے۔ ایک بار عہد نبوت میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ "کوئی بھی نبی نہیں گزرا مگر اس نے بکری ضرور چرائی ہے۔" [4] پھر جب آپ جوان ہو گئے تو غالباً تجارت کرنے لگے' کیونکہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ آپ سائب بن ابی سائب کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے۔ آپ بہترین ساجھی تھے' نہ حجت بحث کرتے تھے' نہ جھگڑتے تھے۔ [5]

آپ معاملات میں حد درجہ امانت' سچائی اور پرہیز کے لئے مشہور تھے اور زندگی کے سارے میدانوں میں آپ کا یہی وطیرہ تھا' چنانچہ آپ کا لقب ہی "امین" پڑ گیا تھا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ۱/۱۲۶' ۱۲۸' نسب قریش للزبیری' ص:۲۹۱

[2] سیرۃ ابن ہشام ۱/۱۶۶

[3] صحیح بخاری' اجارات' باب رعی الغنم علی قراریط' حدیث: ۲۲۶۲

[4] صحیح بخاری' اطعمہ' باب الکباث' حدیث: ۵۴۵۳۔

[5] سنن ابی داود' ۲/۶۱۱' حدیث: ۴۸۳۶ ابن ماجہ ۲/۷۶۸' حدیث: ۲۲۸۷' مسند احمد' ۳/۴۲۵

ملک شام کا سفر اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی تجارت

آپ کا یہی شہرہ سن کر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تجارت کے لئے اپنے مال کی پیش کش کی۔ وہ شرف اور مال دونوں لحاظ سے قریش کی سب سے معزز خاتون تھیں اور لوگوں کو کچھ اجرت پر اپنا مال تجارت کے لئے دیا کرتی تھیں۔ انہوں نے پیش کش کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ "وہ آپ کو سب سے اچھی اجرت دیں گی۔"

آپ نے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا۔ وہاں خرید و فروخت کی' خوب نفع ہوا اور اس قدر برکت ہوئی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی پھر مکہ واپس آئے اور امانت ادا فرما دی۔ [1]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی

ادھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے امانت و برکت کا یہ حال دیکھا تو دم بخود رہ گئیں' پھر میسرہ نے آپ کے شیریں شمائل' بلند اخلاق --- اور کہا جاتا ہے "دھوپ میں دو فرشتوں کے سایہ کرنے" کا حال بیان کیا --- تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ان کا گوہر مراد انہیں مل گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے پاس اپنی ایک سہیلی کو بھیج کر شادی کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے تجویز پسند کی اور چچاؤں سے گفتگو کی۔ انہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد کو پیغام بھیجا' بات طے ہو گئی اور بنو ہاشم اور سرداران قریش کی ایک مجلس میں بیس اونٹ ---اور کہا جاتا ہے چھ اونٹ--- مہر پر نکاح ہو گیا۔ خطبۂ نکاح ابو طالب نے دیا' جس میں اللہ کی حمد و ثنا کی' پھر آپ کے فضل و شرف کا ذکر کیا۔ اس کے بعد ایجاب و قبول کے کلمات کہے اور مہر بیان کیا۔

یہ ملک شام سے واپسی کے دو مہینے اور چند دن کے بعد کی بات ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مشہور قول کے مطابق چالیس سال تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ۲۸ سال تھی' کچھ اور اقوال بھی ہیں۔ حضرت خدیجہ کی شادی

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۱۸۷' ۱۸۸

پہلے عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی تھی' مگر وہ انتقال کر گیا تو ابو ہالہ تیمی سے ہوئی' اور اس سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا' مگر پھر ابو ہالہ بھی انتقال کر گیا۔ اس کے بعد بڑے بڑے سرداران قریش نے شادی کرنی چاہی' مگر حضرت خدیجہ راضی نہ ہوئیں' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کے شرف زوجیت سے نوازا' اور ایسی سعادت عطا فرمائی کہ پہلوں اور پچھلوں سب کے لئے باعث رشک ٹھہریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اولاد

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام کی پہلی بیوی تھیں' ان کے جیتے جی آپ نے کسی اور سے شادی نہ کی۔ آپ کی تمام اولاد بھی ان ہی سے تھی۔ صرف ابراہیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے تھے۔ ان کی اولاد کے نام یہ ہیں۔ پہلے قاسم' پھر زینب' پھر رقیہ' پھر ام کلثوم' پھر فاطمہ پھر عبداللہ۔ کچھ لوگوں نے تعداد اور ترتیب دونوں اس سے مختلف بتائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام لڑکے بچپن ہی میں انتقال کر گئے' البتہ تمام بچیوں نے عہد نبوت کو پایا' اسلام لے آئیں اور ہجرت بھی کی--- اور سب کی سب آپ کی زندگی ہی میں انتقال بھی کر گئیں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔ (1)

بیت اللہ کی تعمیر اور حجر اسود کے جھگڑے کا فیصلہ

آپ کی عمر کا پینتیسواں سال تھا کہ ایک زور دار سیلاب آیا جس سے خانہ کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔ یہ دیواریں ایک بار کعبہ میں آگ لگ جانے کی وجہ سے پہلے ہی کمزور ہو چکی تھیں۔ اب قریش مجبور ہوئے کہ از سر نو تعمیر کریں۔ اس موقع پر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس تعمیر میں صرف حلال مال ہی خرچ کریں گے۔ چنانچہ رنڈی کی اجرت' سود کی دولت اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال اس میں استعمال نہیں کریں گے۔ انہیں خانہ کعبہ گراتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں اللہ کا عذاب نہ ٹوٹ پڑے۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے یہ کہہ کر ڈھانا شروع کیا کہ اللہ مصلحین کو ہلاک نہیں کرتا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ نہیں ہوا تو انہوں نے بھی ڈھانا شروع کر دیا اور حضرت ابراہیم

---

(1) سیرت ابن ہشام ۱/۱۸۹' ۱۹۰' ۱۹۱' تلقیح' ص:۷' فتح الباری ۷/۱۰۵

علیہ السلام والی بنیاد تک گرا ڈالا۔

اس کے بعد تعمیر شروع کی' تعمیر کے لئے ہر قبیلہ کا الگ الگ حصہ مقرر تھا' اشراف اپنے کاندھوں پر پتھر لاتے اور ڈھیر لگاتے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چچا عباس بھی پتھر ڈھو رہے تھے۔ تعمیر کا کام باقوم نامی ایک رومی معمار کر رہا تھا' چونکہ مال اتنا جمع نہ ہو سکا تھا کہ عمارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر مکمل کی جا سکتی' اس لئے شمال کی طرف سے تقریباً چھ ہاتھ چھوڑ کر اس پر ایک چھوٹی سی دیوار اٹھادی گئی' تاکہ علامت رہے کہ یہ کعبہ کا حصہ ہے۔ اسی کو "حجراور حطیم" کہتے ہیں۔

جب دیوار "حجر اسود" تک اٹھ چکی تو ہر سردار نے چاہا کہ وہی حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا شرف حاصل کرے۔ اس پر سخت جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا جو چار پانچ روز تک جاری رہا اور قریب تھا کہ حرم میں خون خرابہ ہو جاتا۔ لیکن ابو امیہ نے جو سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھا' یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے دروازے سے جو شخص پہلے داخل ہو اسے اس جھگڑے کا حَکَم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیت دیکھیں کہ اس کے بعد سب سے پہلے جو شخص داخل ہوا وہ آپ (ﷺ) تھے۔ قریش نے دیکھتے ہی کہا:

«هَذَا الأَمِيْنُ رَضِيْنَاهُ، هَذَا مُحَمَّدٌ»

"یہ محمد ہیں جو کہ امین ہیں' ہم ان سے راضی ہیں۔"

پھر آپ ﷺ ان کے پاس پہنچے تو آپ کو تفصیل بتائی گئی۔ آپ نے اس کا یہ حل نکالا کہ ایک چادر لی' اس میں حجر اسود رکھا اور سب سرداروں سے کہا کہ اس کا کنارہ پکڑ کر اوپر اٹھائیں۔ سب نے ایسا ہی کیا۔ جب چادر حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گئی تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ یہ اتنا عمدہ فیصلہ تھا کہ اس پر سب خوش ہو گئے۔

حجر اسود زمین سے ڈیڑھ میٹر بلندی پر ہے اور دروازہ تقریباً دو میٹر اونچا ہے۔ قریش نے اسے اتنا اونچا اس لئے رکھا تاکہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کعبہ میں داخل نہ ہو

سکے۔ دیواریں اٹھارہ اٹھارہ ہاتھ بلند ہیں' جبکہ پہلے نو نو ہاتھ تھیں۔ اندرون کعبہ دو لائنوں میں چھ ستون کھڑے کیے گئے ہیں اور پندرہ ہاتھ کی بلندی پر چھت لگائی گئی ہے' جبکہ پہلے نہ ستون تھے نہ چھت۔ (۱)

نبوت سے پہلے آپ (ﷺ) کی سیرت

آپ ﷺ بچپن ہی سے سلیم العقل' پاکدامن اور بھرپور قوت کے مالک تھے۔ جوانی اور پختگی کا زمانہ آیا تو آپ کی خوبیاں اور نکھر آئیں۔ آپ درست سوچ' صحیح نظر' بہترین اخلاق' اور عمدہ عادات کا سب سے بلند نمونہ تھے۔ سچائی اور امانت' مردانگی اور شجاعت' عدل اور حکمت' زہد اور قناعت' بردباری اور عفت' صبر و شکر' حیا اور وفا' خیر خواہی اور تواضع سب میں ممتاز تھے۔ بھلائی اور احسان میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ابو طالب نے کیا خوب کہا ہے۔

أَبْيَضُ يُسْتَسْقٰى الغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ اليَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلأَرَامِلِ

"وہ گورے مکھڑے والا جس کی برکت سے ابر رحمت برستا ہے' وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کا نگہبان ہے۔"

آپ بڑی صلہ رحمی کرتے تھے۔ لوگوں کا بوجھ اپنے سر لے لیتے تھے' تنگ دست کی ایسی مدد فرماتے کہ مالدار ہو جاتا یا روزگار سے لگ جاتا' مہمان کی میزبانی کرتے اور مصیبت کے مارے ہوؤں سے تعاون فرماتے۔ (۲)

اللہ نے آپ کی حفاظت و مہربانی کا خاص انتظام فرمایا تھا اور قوم کے اندر پھیلی ہوئی خرافات اور برائیوں کے خلاف آپ کے دل میں نفرت ڈال دی تھی۔ چنانچہ آپ بتوں کی عید پر حاضر ہوتے تھے نہ شرک کے میلوں میں جاتے تھے۔ آپ آستانوں یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور کھاتے نہ بتوں ہی کو چھوتے اور ان سے تقرب حاصل کرتے

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۱/۱۹۲-۱۹۷' تاریخ طبری ۲/۲۸۹ ومابعد۔ صحیح بخاری' حج' باب فضل مکۃ و بنیانها حدیث: ۱۵۸۲- مسند ابی داود طیالسی' محاضرات' تاریخ الامم الاسلامیہ' از خضری بک ۱/۶۴' ۶۵

(۲) صحیح بخاری' حدیث: ۳

تھے' لات وعزیٰ کی قسم تو سننا بھی گوارا نہ فرماتے تھے۔ (۱)

شراب نوشی اور کھیل کود کی مجلسوں سے آپ انتہائی دور رہتے تھے' ایسی کسی مجلس میں آپ ﷺ نے کبھی شرکت نہ فرمائی' حالانکہ یہی مجلسیں جوانوں کی تفریح گاہ اور دوستوں کی جائے ملاقات ہوا کرتی تھیں۔

---

(۲) دیکھئے ابن ہشام' ۱۲۸/۱' تاریخ طبری ۱۶۱/۲' تہذیب تاریخ دمشق ۳۷۳/۱' ۳۷۶' ۳

نبوت و دعوت

نبوت کے آثار اور سعادت کی جھلکیاں

پیچھے جو حالات بیان کئے جا چکے ہیں ان کی وجہ سے آپ (ﷺ) اور آپ کی قوم کے درمیان فکری اور عملی فاصلہ بڑھتا گیا' آپ قوم کی بد بختی اور بگاڑ دیکھ کر رنجیدہ رہنے لگے' ان سے الگ تھلگ اور تنہا رہنے کی خواہش بڑھنے لگی اور یہ سوچ بھی گہری ہونے لگی کہ انہیں ہلاکت اور تباہی سے کیونکر بچایا جائے۔

عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ رنج اور یہ خواہش بڑھتی ہی گئی اور بالآخر آپ کو کشاں کشاں غار حرا[1] تک لے گئی' جہاں آپ ﷺ سال میں رمضان کا ایک مہینہ دین ابراہیم کی بچی کھچی تعلیمات کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے اور مہینہ پورا کر کے صبح دم مکہ تشریف لاتے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے گھر کی راہ لیتے۔ تین سال تک آپ ﷺ کا یہی عمل رہا۔

جب چالیس سال عمر پوری ہو گئی' اور یہی سن کمال ہے' عموماً اسی عمر میں پیغمبر بھیجے جاتے ہیں' تو نبوت کی چمک دمک اور سعادت کی جھلکیاں نظر آنی شروع ہوئیں۔ چنانچہ آپ نیک خواب دیکھتے اور جیسا دیکھتے ویسا ہی پیش آتا۔ پھر روشنی نظر آنے لگی اور آواز سنائی دینے لگی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ "میں مکہ میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔"[2]

---

[1] حرا پہاڑ اب "جبل نور" کے نام سے مشہور ہے۔ اصل مکہ سے اس کا فاصلہ تقریباً دو میل ہے۔ اسکی بلند چوٹی دور سے نظر آتی ہے۔ اس چوٹی کے بائیں طرف کچھ نیچے اترنے کے بعد غار واقع ہے۔ غار کی لمبائی چار میٹر سے کچھ کم اور چوڑائی ڈیڑھ میٹر سے کچھ زیادہ ہے۔

[2] صحیح مسلم' حدیث: ۲۲۷۷

نبوت کا آغاز اور وحی کا نزول

پھر تیسرے سال کے رمضان میں جب آپ کی عمر کا اکتالیسواں سال چل رہا تھا' آپ ﷺ غار حرا کے اندر ذکر الٰہی اور عبادت میں مشغول تھے کہ یکایک حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو وحی و نبوت سے نوازا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز نیند میں اچھے خواب سے ہوا' آپ جو خواب دیکھتے وہ سفیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا' پھر آپ کو تنہائی پسند آنے لگی' چنانچہ آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرماتے' اور کئی کئی رات گھر آئے بغیر عبادت کرتے' اور اس عرصہ کے لئے توشہ بھی لے جاتے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی جیسی مدت کے لئے پھر توشہ لے جاتے' یہاں تک کہ آپ ﷺ غار حرا ہی میں تھے کہ آپ کے پاس حق آگیا' یعنی آپ کے پاس فرشتہ آیا اور کہا:

"پڑھو!"

آپ نے فرمایا "میں پڑھنا نہیں جانتا....." آپ فرماتے ہیں کہ اس پر اس نے مجھے پکڑ لیا اور اس زور سے دبوچا کہ مجھے چور کر ڈالا۔ پھر چھوڑ کر کہا:

"پڑھ!"

میں نے کہا "میں پڑھنا نہیں جانتا....." اس نے دوبارہ پکڑ کر دبوچا' اور چور کر ڈالا۔ پھر چھوڑ کر کہا:

"پڑھ!"

میں نے کہا "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"..... اس نے تیسری بار دبوچا۔ اور کہا:

﴿ ٱقۡرَأۡ بِٱسۡمِ رَبِّكَ ٱلَّذِي خَلَقَ ۝١ خَلَقَ ٱلۡإِنسَٰنَ مِنۡ عَلَقٍ ۝٢ ٱقۡرَأۡ وَرَبُّكَ ٱلۡأَكۡرَمُ ۝٣ ٱلَّذِي عَلَّمَ بِٱلۡقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ ٱلۡإِنسَٰنَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ ۝٥ ﴾ (العلق۹۶/ ۱_۵)

"پڑھ! اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ! تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم دیا۔ انسان کو وہ بات سکھائی جسے وہ جانتا نہ تھا۔"

ان آیات کو لے کر رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے' آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر فرمایا "مجھے چادر اوڑھا دو' مجھے چادر اوڑھا دو۔" انہوں نے چادر اوڑھا دی۔ یہاں تک کہ دہشت جاتی رہی۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ سنا کر فرمایا کہ "مجھے اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔" انہوں نے کہا:

«كَلاَّ، وَاللهِ مَا يُخْزِيْكَ اللهُ اَبَدًا ـ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ» (صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، ح:۳)

"اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں' بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' خالی ہاتھ والوں کا بندوبست کرتے ہیں' مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں۔"

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ دورِ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ اور عبرانی لکھنا جانتے تھے' چنانچہ عبرانی میں توفیق الٰہی کے مطابق انجیل لکھتے تھے۔ اس وقت وہ بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا:

بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔

ورقہ نے کہا "بھتیجے تم کیا کہتے ہو؟"

آپ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا' بیان کر دیا۔

ورقہ نے کہا "یہ تو وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تو کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟"

ورقہ نے کہا "ہاں! کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمہارے جیسا پیغام لایا ہو' مگر اس سے دشمنی نہ کی

گئی اور اگر میں نے تمہارا وہ دن (کہ جس دن تمہاری قوم تمہیں مکہ سے نکالے گی) پالیا تو تمہاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔"[1]

آغاز نبوت اور نزول وحی کی تاریخ

یہ نبی ﷺ پر پہلی بار وحی اترنے اور آپ کی نبوت شروع ہونے کا واقعہ ہے۔ یہ رمضان کے مہینے میں لیلۃ القدر کے اندر پیش آیا۔ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْءَانُ﴾ (البقرۃ ۲/ ۱۸۵)

"رمضان کا مہینہ ہی (وہ مہینہ ہے) جس میں قرآن اتارا گیا۔"

نیز ارشاد ہے:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝١﴾ (القدر ۹۷/ ۱)

"ہم نے قرآن کو عزت والی رات میں اتارا۔"

صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ واقعہ رات کے پچھلے پہر سوموار کی فجر طلوع ہونے سے پہلے پیش آیا، چونکہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کسی طاق رات میں ہوا کرتی ہے اور اس سال سوموار ۲۱ رمضان کو پڑا تھا اس لئے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ (ﷺ) کی نبوت آپ کی پیدائش کے اکتالیسویں سال ۲۱ رمضان سوموار کی رات شروع ہوئی۔[2] اس روز اگست کی دس تاریخ تھی اور ۶۱۰ عیسوی۔ قمری حساب سے اس وقت آپ ﷺ کی عمر "چالیس سال چھ مہینے بارہ دن" تھی اور شمسی حساب سے "انتالیس سال تین مہینے بائیس دن" لہٰذا آپ کی بعثت چالیس سال شمسی کے سرے پر ہوئی۔[3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی، حدیث: ۳، نیز تفسیر اور رؤیا، احادیث: ۳۳۹۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۵، ۴۹۵۶، ۴۹۵۷، ۶۹۸۲، صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث: ۱۶۰

[2] ایک صحیح حدیث کے مطابق نزول قرآن کی تاریخ ۲۴ رمضان المبارک (۲۵ ویں رات) ہے۔ (مسند احمد، ۴/ ۱۰۷)

[3] صحیح مسلم، ۱/ ۳۶۸ (ہندی)۔ مسند احمد، ۵/ ۲۹۷، ۲۹۹۔ بیہقی ۴/ ۲۸۶۔ حاکم، ۲/ ۶۰۲۔

وحی کی بندش اور دوبارہ نزول

جیسا کہ بتایا گیا غار حرا میں پہلی وحی اتر کر بند ہو گئی تھی' یہ بندش کئی روز تک قائم رہی۔ [1] اس کی وجہ سے نبی ﷺ کو سخت رنج وملال ہوا لیکن مصلحت الٰہی اسی میں تھی' کیونکہ اس طرح خوف جاتا رہا' معاملے کی نوعیت کو سمجھنے کا موقع ملا' اور دوبارہ وحی کی مشقت جھیلنے کے لئے صرف یہی نہیں کہ طبیعت آمادہ ہو گئی' بلکہ ایک گونہ شوق وطلب بھی پیدا ہوئی اور آپ ﷺ دوبارہ وحی آنے کا انتظار فرمانے لگے۔

ادھر گوشہ نشینی کی بقیہ مدت پوری کرنے کے لئے آپ ﷺ ورقہ کے پاس سے پلٹ کر دوبارہ غار حرا میں تشریف لا چکے تھے' پھر جب ماہ رمضان ختم ہو گیا اور آپ کی مدت اعتکاف پوری ہو گئی تو حسب عادت پہلی شوال کی صبح حرا سے اتر کر مکہ روانہ ہوئے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

"کہ میں پہاڑ سے اتر کر میدان میں پہنچا تو مجھے پکارا گیا۔ میں نے دائیں دیکھا تو وہاں کچھ دکھائی نہ دیا' بائیں دیکھا تو وہاں بھی کچھ دکھائی نہ دیا' پھر آگے دیکھا تو وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا' پھر پیچھے دیکھا تو وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا۔ اس کے بعد میں نے سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جو فرشتہ حرا میں میرے پاس آیا تھا وہی آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر میرا پورا وجود اس کے رعب سے بھر گیا' یہاں تک کہ میں زمین کی طرف جا جھکا۔ پھر میں خدیجہ کے پاس آیا اور کہا مجھے چادر اوڑھا دو' مجھے چادر اوڑھا دو' مجھ پر کمبل ڈال دو' اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارو!" انہوں نے کمبل اوڑھا دیا' اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ قُمْ فَأَنذِرْ ﴿٢﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾ وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ ﴿٥﴾ ﴾ (المدثر ۷۴/ ۱-۵)

"اے کمبل پوش! اٹھ اور (لوگوں کو ان کی بد عملی کے نتائج سے) ڈرا۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر' اور اپنے کپڑے پاک رکھ' اور گندگی سے الگ تھلگ رہ۔"

---

[1] طبقات ابن سعد ۱۹۶/۱

یہ واقعہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا ہے' اس کے بعد وحی میں گرمی آگئی' چنانچہ پے درپے وحی آنے لگی۔ [1] ان آیات سے آپ کی رسالت شروع ہوئی' آپ کی یہ رسالت آپ کی نبوت کے اتنے دنوں بعد شروع ہوئی جتنے دنوں وحی بند تھی۔ ان آیات میں آپ ﷺ کو دو طرح کے کام سونپے گئے ہیں' اور دونوں کے نتائج بھی بتا دیئے گئے ہیں۔

ایک کام یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کا حکم بتائیں اور بد عملی کے نتائج سے ڈرائیں۔ آپ کو یہ حکم ﴿ قُمْ فَأَنذِرْ ﴾ "اٹھ اور ڈرا" کے ذریعے دیا گیا ہے' کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو یہ بتلا اور سمجھا دیں کہ وہ جس طرح کی گمراہی و بد عملی میں مبتلا ہیں اور غیر اللہ کی پوجا' اور اللہ کی بعض صفات و افعال اور حقوق میں دوسروں کو شریک ٹھہرانے کا جو کام کر رہے ہیں' اللہ تعالیٰ اس پر ان کو عذاب دے گا۔

دوسرا کام یہ ہے کہ آپ خود اپنے اوپر اللہ کے احکام لاگو کریں' تاکہ آپ کو اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہو اور آپ دوسروں کے لئے نمونہ بھی ٹھہریں۔ یہ حکم بقیہ آیات میں دیا گیا ہے۔

چنانچہ ﴿ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑائی اور کبریائی کے لئے اللہ ہی کو خاص کر لیں۔ اس میں کسی اور کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔

اور ﴿ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴾ کا بظاہر معنی یہ ہے کہ کپڑے اور جسم پاک رکھیں' کیونکہ اللہ کے سامنے نجاست اور گندگی کے ساتھ کھڑے ہونا ٹھیک نہیں' مگر محققین کے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ اپنی روح کو پاک اور منزہ رکھیں۔

اور ﴿ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی ناراضی وعذاب کے اسباب سے اور قوم کی بداعمالیوں' گندگیوں اور آلودگیوں سے الگ ہو جائیں۔

اور ﴿ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴾ "زیادہ چاہنے کے لئے احسان نہ کر" کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں احسان کے بدلے کی خواہش اور امید نہ رکھیں۔ بلکہ یہ سمجھ لیں کہ یہ

---

[1] صحیح بخاری' تفسیر سورۂ مدثر' حدیث: ۴۹۲۲' ۴۹۲۴' ۴۹۲۵' ۴۹۲۶' صحیح مسلم کتاب الایمان' حدیث: ۲۵۷ (۱/۱۴۴)

مشکلات اور آزمائشوں کا راستہ ہے۔ لہٰذا اپنی قوم کا دین چھوڑنے اور ایک اللہ کی طرف بلانے پر تکالیف اور دشواریاں سہنے کے لئے تیار رہیں۔

اور ﴿ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴾ "اپنے رب کے لئے صبر کر۔"

تبلیغ کا آغاز

ان آیات کے اترنے کے بعد نبی ﷺ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگ گئے۔ چونکہ آپ کی قوم اکھڑ اور بت پرست تھی' باپ دادا سے جو کچھ ہوتا آیا تھا اسی کو حق سمجھتی تھی' اس میں اکڑ اور تکبر بھی بہت تھا نیز وہ اپنے معاملات کے فیصلے تلوار سے کیا کرتی تھی' اس لئے اللہ نے آپ ﷺ کے لئے یہ راستہ چنا کہ تبلیغ کا کام خاموشی اور راز داری سے کریں اور صرف اسی کو مخاطب کریں جو بھلا' حق پسند اور قابل اطمینان ہو اور ان میں بھی سب سے پہلے اپنے گھر' کنبے قبیلے اور دوست واحباب کو دعوت دیں۔

پہلے پہل ایمان لانے والے

اس پروگرام کے مطابق نبی ﷺ نے دعوت و تبلیغ شروع کی تو کئی خوش قسمت لوگوں نے اسے لپک کر قبول کیا' اور آپ پر ایمان لے آئے۔

﴿۱﴾ ان میں سب سے پہلا نام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ وہ آپ کی بیوی ہونے کی وجہ سے آپ کے بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کو سب سے اچھی طرح جانتی تھیں۔ انہیں یہ بھی پتہ تھا کہ ایک آخری نبی کی آمد ابھی باقی ہے۔ وہ آپ کے تعلق سے کچھ معجزانہ حالات و واقعات بھی سن چکی تھیں اور آپ ﷺ میں نبوت و رسالت کی جھلک بھی دیکھ چکی تھیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ ورقہ جیسے صاحب علم وبصیرت نے بتایا تھا کہ حرا میں جو فرشتہ آپ کے پاس آیا تھا وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور جو کچھ لائے تھے وہ وحی الٰہی تھی اور سب سے آخری بات یہ کہ سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات جب اتر رہی تھیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنفس نفیس وہاں موجود تھیں۔ اس لئے یہ بالکل فطری بات تھی کہ وہ سب سے پہلے ایمان لاتیں۔

﴿۲﴾ ادھر ان آیات کے اترتے ہی نبی ﷺ اپنے جگری دوست ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور

انہیں اپنی نبوت و رسالت سے آگاہ کرتے ہوئے ایمان لانے کی دعوت دی۔ انہوں نے بے کھٹک ایمان قبول کیا اور فوراً تصدیق کرتے ہوئے حق کی شہادت دی۔ چنانچہ وہ اس امت کے سب سے پہلے مومن ہیں۔ وہ آپ سے دو سال چھوٹے تھے اور آپ کا کھلا چھپا سب کچھ جانتے تھے' لہٰذا ان کا ایمان لانا آپ ﷺ کی سچائی کا بہترین ثبوت ہے۔

﴿۳﴾ پہلے پہل ایمان لانے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ وہ نبی ﷺ کے زیر کفالت تھے۔ آپ ہی کے پاس رہتے تھے اور آپ ہی ان کے کھانے پینے کا بندوبست اور ان کی دیکھ بھال کرتے تھے' کیونکہ قریش قحط سالی سے دو چار تھے اور ابو طالب کے پاس مال کم اور اولاد زیادہ تھی' لہٰذا ان کے بیٹے جعفر کو حضرت عباس پال رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے پالا تھا۔ وہ آپ کے بچوں کی طرح آپ کے یہاں رہتے تھے اور آغاز نبوت کے وقت بلوغت کے قریب پہنچ چکے تھے اور ایک قول کے مطابق ابھی دس سال کے تھے۔ جو کچھ آپ ﷺ کرتے وہی وہ بھی کرتے تھے' لہٰذا جب آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گئے اور وہ بچوں میں سب سے پہلے مومن تھے۔

﴿۴﴾ اسی طرح پہلے پہل ایمان لانے والوں میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی تھے۔ یہ دور جاہلیت میں گرفتار کر کے بیچ دیئے گئے تھے۔ پھر انہیں حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا اور حضرت خدیجہ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا تھا۔ جب ان کے والد اور چچا کو ان کی موجودگی کا علم ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیں اور فدیہ لینے میں بھی احسان فرمائیں۔ آپ نے زید کو بلایا اور اختیار دیا کہ چاہے آپ کے پاس رہیں چاہے والد اور چچا کے ساتھ چلے جائیں۔ انہوں نے آپ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ آپ نے اسی وقت قریش کے مجمع میں جا کر اعلان فرمایا کہ ''آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ وہ میرا وارث ہو گا اور میں

اس کا وارث ہوں گا" اور اسی دن سے ان کو "زید بن محمد" کہا جانے لگا۔ والد اور چچا یہ منظر دیکھ کر بخوشی واپس چلے گئے۔

یہ سارا واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے' اسلام آیا تو اس نے منہ بولے بیٹے کا رواج ختم کر دیا اور حضرت زید کو زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔

یہ چاروں حضرات اس دن ایمان لائے تھے' جس دن سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں۔ کہنے والوں نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق کہا ہے کہ سب سے پہلے وہی ایمان لائے۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی تبلیغ میں سرگرم ہو گئے اور حق رسالت کی ادائیگی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں بازو بن گئے۔ وہ بڑے پاک دامن' پسندیدہ' نرم مزاج' شریف' دریا دل اور معزز تھے' عرب کے انساب و واقعات سب سے زیادہ جانتے تھے۔ ان کے کردار واخلاق' جود وسخا' علم وفضل' لین دین اور میل جول کی خوبیوں کی وجہ سے ان کے پاس ہر قسم کے لوگوں کی آمد و رفت برابر رہا کرتی تھی۔ اب جس کو وہ بھلا اور بھروسا کے لائق محسوس کرتے اسے اسلام کی دعوت دے دیتے۔ اس طرح فضلاء صحابہ کی ایک جماعت نے ان کے ذریعہ اسلام قبول کیا۔

جن میں سرفہرست عثمان بن عفان اموی' زبیر بن عوام اسدی' عبد الرحمٰن بن عوف زہری' سعد بن ابی وقاص زہری اور طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ عنہم کے نام آتے ہیں۔ ان سب سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی حقیقت بیان کی' اور انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تو ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔

ان کے بعد مندرجہ ذیل لوگوں نے اسلام قبول کیا:

امین الامت ابو عبیدہ عامر بن جراح' ابو سلمہ بن عبد الاسد' ان کی بیوی ام سلمہ' ارقم بن ابی الارقم' عثمان بن مظعون اور ان کے بھائی قدامہ بن مظعون اور عبد اللہ بن مظعون' عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف' سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت خطاب' خباب بن ارت' جعفر بن ابی طالب اور ان کی بیوی

اسماء بنت عمیس، خالد بن سعید بن عاص اور ان کی بیوی امینہ بنت خلف، پھر ان کے بھائی عمرو بن سعید بن عاص، حاطب بن حارث اور ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل اور ان کے بھائی خطاب بن حارث اور ان کی بیوی فکیھہ بنت یسار، نیز ان کا ایک اور بھائی معمر بن حارث، مطلب بن ازہر اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف اور نعیم بن عبد اللہ بن نحام رضی اللہ عنہم۔

یہ سب لوگ قریشی تھے، اور قریش کی مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس ابتدائی دور میں قریش کے علاوہ دوسرے قبائل سے جو لوگ اسلام لائے ان کے نام یہ ہیں:

عبد اللہ بن مسعود ہذلی، مسعود بن ربیعہ قاری، عبد اللہ بن جحش، اور ان کے بھائی ابو احمد بن جحش، صہیب بن سنان رومی، عمار بن یاسر عنسی اور ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم۔

اوپر ذکر کی گئی خواتین کے علاوہ جن عورتوں نے اسلام کی طرف سبقت کی ان کے نام یہ ہیں:

ام ایمن برکہ حبشیہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں گود کھلایا کرتی تھیں اور آپ کے والد کی لونڈی تھیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل لبابہ الکبریٰ بنت حارث ہلالیہ اور اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عَنْهُمْ وَ عَنْهُنَّ اَجْمَعِيْن۔ (۱)

یہ لوگ اور ان کے ساتھ مزید جو لوگ اسلام لائے انہیں سابقین اولین کہا جاتا ہے۔ تلاش و جستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کو قدیم الاسلام یا سابقین اولین کہا گیا ہے ان کی تعداد تقریباً ایک سو تیس تک پہنچ جاتی ہے، لیکن ان میں سے ہر ایک کے اسلام لانے کا وقت ٹھیک معلوم نہیں ہو سکا۔ غالباً اس میں ایسے صحابہ بھی ہیں جنھوں نے کھلم کھلا اسلام کی دعوت شروع ہونے کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔

اہل ایمان کی عبادت و تربیت

جیسا کہ گزر چکا ہے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کے بعد وحی پے درپے آتی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی وہ سورۂ فاتحہ ہے۔ اس میں اہل ایمان کو حمد اور دعا

---

(۱) تفصیل سیرت، بن ہشام ۱/۲۴۵، ۲۶۲ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اللہ کی ہستی کی چند جامع صفات بیان کر کے اس کا ٹھیک تصور دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ اس دنیا میں اچھے یا برے جیسے کام کرو گے ٹھیک ویسا ہی نتیجہ اور بدلا پاؤ گے۔ اور یہ بدلا آگے ایک دوسری دنیا میں ملے گا۔ اس کے علاوہ کامیابی اور سعادت کے راستے کی پہچان بھی بتائی گئی ہے۔ اس طرح دین حق کا سارا ما حصل اس سورت کے چند سادے بول میں آگیا ہے اور حمد اور دعا کی شکل میں بندے کو اس کی تعلیم دی گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ رسالت شروع ہونے کے بعد سب سے پہلے جو حکم دیا گیا وہ نماز کا حکم تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے تشریف لاکر نماز اور وضو کا طریقہ بتایا اور صبح وشام دو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ (۱)

یوں مکمل طہارت اہل ایمان کی علامت ٹھہری' وضو کو نماز کی شرط قرار دیا گیا' سورۂ فاتحہ نماز کی اصل اور حمد و تسبیح نماز کے اوراد و وظائف قرار پائے۔ اب نماز ہی اہل ایمان کی اصل عبادت تھی' جو انہیں قائم کرنی تھی' اس کے لئے وہ نظروں سے دور جگہوں کا انتخاب کرتے اور کبھی کبھی وادیوں اور گھاٹیوں میں بھی چلے جاتے تھے۔ (۲)

اسلام کے ابتدائی دنوں میں نماز کے علاوہ کسی عبادت یا امر و نہی کا پتہ نہیں چلتا۔ وحی آتی تھی' توحید کے مختلف گوشوں کو بیان کرتی تھی' صحابہ رضی اللہ عنہم کو نفس کی صفائی کی ترغیب دیتی تھی' مکارم اخلاق پر ابھارتی تھی' جنت و جہنم کے حالات بیان کرتی تھی اور ایسی زبر دست نصیحتیں لے کر آتی تھی کہ ان سے سینے کھل جاتے تھے اور روح کو غذا ملتی تھی۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کتاب وحکمت کی تعلیم کے ذریعہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پاک وصاف کرتے تھے۔ انہیں دلوں کی صفائی' اخلاق کی پاکیزگی' معاملات کی سچائی اور نفس کی عفت کی تربیت دیتے تھے۔ تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتے تھے۔ صحیح راستہ بتاتے تھے اور اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑنے' اس کی رسی کو اچھی طرح تھامنے اور اس کے

(۱) شیخ عبداللہ نے اسے مختصر السیرۃ ص: ۸۸ میں حارث بن اسامہ اور ابن ماجہ سے ذکر کیا ہے۔
(۲) سیرت ابن ہشام ۱/ ۲۴۷' مسند ابو داود طیالسی ص: ۲۶

معاملے میں ثابت قدم رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔

یوں تین برس گزر گئے' اور صرف افراد کو دعوت دی جاتی رہی۔ مجلسوں اور محفلوں میں کہیں اعلانیہ تبلیغ نہیں کی گئی۔ لیکن قریش کو اس کا علم ہو گیا اور بعض نے اس پر نکیر بھی کی۔ بعض اہل ایمان پر کچھ زیادتیاں کی گئیں' لیکن عمومی طور پر قریش نے اب تک اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ ادھر نبی ﷺ نے بھی ان کے دین سے کوئی تعرض نہیں کیا اور نہ ان کے معبودوں کے بارے میں کوئی بات کہی۔

اسلام کی علانیہ تبلیغ

قرابت داروں میں تبلیغ جب اکا دکا افراد کو خاموشی سے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے تین برس گزر گئے' قریش اور دوسرے قبیلوں کے کچھ اچھے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور یوں اسلام کی علانیہ تبلیغ کے لئے حالات میں تھوڑی سی گنجائش ہو چلی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ:

"اب آپ اپنے نزدیکی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔ پھر جو ایمان لائیں اور آپ کے پیروکار بن جائیں ان کے لئے اپنا بازو جھکائے رکھیں اور جو آپ کی بات نہ مانیں ان سے آپ اپنی لاتعلقی کا اعلان کر دیں۔"

اس حکم پر نبی ﷺ نے اپنے سب سے نزدیکی قرابت داروں یعنی بنو ہاشم کو اکٹھا کیا۔ ان کے ساتھ بنو مطلب کے بھی کچھ آدمی تھے۔ آپ نے ان کے سامنے اللہ کی حمد و ثنا کی۔ اس کی وحدانیت کی شہادت دی' پھر بڑے اچھے انداز میں ان کے لئے اپنے اخلاص کا اظہار کیا اور اللہ وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر بتلایا کہ میں تمہارے لئے خصوصاً اور تمام انسانوں کے لئے عموماً اللہ کا رسول ہوں۔ اور اللہ کی قسم! تم لوگ اسی طرح مر جاؤ گے جیسے سوتے ہو' پھر اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے جاگتے ہو۔ اس کے بعد تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور بھلائی کا بدلہ بھلائی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا' پھر یا تو ہمیشہ کے لئے جنت ہو گی یا ہمیشہ کے لئے جہنم۔

نبی ﷺ کی باتیں سن کر سب نے نرمی سے گفتگو کی۔ صرف آپ کے چچا ابو لہب نے کہا کہ:

"اس کا ہاتھ اس سے پہلے پکڑ لو کہ عرب اس کے خلاف اکٹھا ہوں۔ ورنہ اس وقت اگر اس کو ان کے حوالہ کرو گے تو ذلت اٹھاؤ گے اور اگر اسے بچانا چاہو گے تو مارے جاؤ گے۔"

مگر آپ کے چچا ابو طالب نے کہا کہ "تمہیں جو حکم ملا ہے' اسے کر گزرو۔ واللہ میں مسلسل تمہاری حفاظت اور تمہارا بچاؤ کرتا رہوں گا' البتہ میرا جی نہیں چاہتا کہ میں اپنے والد عبد المطلب کا دین چھوڑ دوں۔" [1]

صفا کی پہاڑی پر ان ہی دنوں اللہ نے ایک اور حکم اتارا کہ:

"تمہیں جس بات کا حکم دیا جا رہا ہے اسے کھلم کھلا بیان کر دو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو"

اس حکم کے آنے کے بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور سب سے اونچے پتھر پر چڑھ کر صدا لگائی کہ (یَا صَبَا حَاہ) "ہائے صبح!"

یہ پکار اس بات کی علامت ہوا کرتی تھی کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے یا کوئی بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے قریش کے ایک ایک خاندان اور کنبے کو نام بنام پکارنا شروع کیا کہ:

"اے بنی فہر! اے بنی عدی! اے بنی فلان! اے بنی عبد مناف! اے بنی عبد المطلب!"۔

جب لوگوں نے یہ آواز سنی تو کہا یہ کون پکار رہا ہے؟ کچھ لوگوں نے بتایا کہ محمد (ﷺ)۔ اس پر ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑے یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی خود نہ آسکا تو اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیج دیا کہ دیکھ کر آئے کیا بات ہے؟

یوں جب سب اکٹھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

"یہ بتاؤ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے وادی میں گھڑ سواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟"

لوگوں نے کہا "ہاں ہاں! ہم نے کبھی آپ کو جھوٹا نہیں پایا۔ ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا ہی پایا ہے۔

---

[1] الکامل از ابن الاثیر ۱/ ۵۸۴' ۵۸۵

تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

"اچھا تو میں ایک سخت عذاب سے پہلے تمہیں ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میری اور تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ کسی آدمی نے دشمن کو دیکھ لیا اور جھٹ پٹ دوڑا کہ گھر والوں کی حفاظت کا بندوبست کرے۔ لیکن اس نے خطرہ محسوس کیا کہ دشمن اس سے پہلے انہیں آدبوچے گا۔ لہٰذا وہ زور زور سے پکارنے لگا۔ ((یَا صَبَاحَاہ)) ہائے صبح!"

اس کے بعد نبی ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا سچے دل سے اقرار کریں اور بتلایا کہ یہی کلمہ دنیا کی کامیابی اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے اور سمجھایا کہ اگر وہ اپنے شرک پر جمے رہے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں پر ایمان نہ لائے تو اللہ کا عذاب انہیں اپنی گرفت میں لے لے گا اور آپ رسول ہونے کے باوجود انہیں نہ عذاب سے بچا سکیں گے' نہ اللہ سے چھڑا سکیں گے۔ آپ نے یہ ڈراوا عام لوگوں کو بھی سنایا اور خاص لوگوں کو بھی' چنانچہ فرمایا:

- اے قریش کے لوگو! جہنم سے نجات کے بدلے میں اللہ سے اپنی جانوں کا سودا کر لو کیونکہ میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک نہیں اور نہ تمہیں اللہ سے بچانے کے لئے کچھ کام آسکتا ہوں۔"
- اے بنی کعب بن لوی! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو کیونکہ میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک نہیں۔
- اے بنی مرہ بن کعب! اپنے آپکو جہنم سے بچالو۔
- اے بنی قصی! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔ میں تمہارے نفع نقصان کا مالک نہیں۔
- اے بنی عبد شمس! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔
- اے بنی عبد مناف! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو کیونکہ میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک نہیں۔
- اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔

- اے بنی عبد المطلب! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو' کیونکہ میں تمہارے نفع و نقصان کا مالک نہیں اور تمہیں اللہ سے بالکل نہیں بچا سکتا۔ میرے مال میں سے جتنا چاہو مانگ لو مگر میں تمہیں اللہ سے بچانے کے لئے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔
- اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ سے بچانے کے لئے تمہارے بھی کچھ کام نہیں آسکتا۔
- اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ بنت عبد المطلب! میں اللہ سے بچانے کے لئے تمہارے بھی کچھ کام نہیں آسکتا۔
- اے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ! جو مال چاہو مانگ لو مگر اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ میں تمہیں بھی اللہ سے بچانے کے لئے کچھ کام نہیں آسکتا۔
- ہاں تم لوگوں سے نسب و قرابت کا تعلق ہے' جسے اس کی تری کے مطابق تر کروں گا۔ یعنی حق رشتہ داری نبھاؤں گا۔

اس ڈراوے کے بعد لوگ ادھر ادھر بکھر گئے اور ایسا کوئی بیان نہیں ملتا کہ فوری طور پر لوگوں نے کسی قسم کی مخالفت یا تائید کی ہو۔ البتہ ابو لہب بد سلوکی سے پیش آیا۔ اس نے کہا تو سارے دن غارت ہو۔ تو نے اسی لئے ہم کو اکٹھا کیا تھا؟ اس کے جواب میں سورۃ ﴿ تَبَّتْ يَدَآ أَبِىْ لَهَبٍ ﴾ نازل ہوئی۔ اور بتایا گیا کہ وہ اور اس کی بیوی اور اس کا مال سب غارت ہو جائیں گے اور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ [1]

جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے تو لگتا ہے کہ وہ یہ ڈراوا سن کر حیرت اور تعجب میں پڑ گئے اور فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے' لیکن جب گھروں کو واپس ہوئے' اور پھر طبیعتوں کو قرار آیا' حیرت و تعجب ختم ہوا اور مطمئن ہو گئے تو متکبرانہ خیالات نے اپنی راہ بنائی اور انہوں نے اس تبلیغ اور ڈراوے کو حقارت اور مذاق کی نظر سے دیکھا' چنانچہ نبی ﷺ جب ان کے بڑوں کے پاس سے گزرتے تو وہ اس طرح کی باتیں کہتے کہ:

---

[1] از مجموعہ روایات صحیح بخاری' حدیث: ۲۷۵۳' ۳۵۲۵' ۳۵۲۶' ۳۵۲۷' صحیح مسلم ۱/ ۱۱۴' ۱۱۱' ترمذی' تفسیر سورۃ الشعراء' حدیث: ۳۱۸۴' ۳۱۸۵ (۵/ ۳۱۶' ۳۱۷) وغیرہ

''یہی ہے جسے اللہ نے رسول بنا دیا ہے؟ ابو کبشہ کا یہ لڑکا آسمان سے مُخَاطَب کیا جاتا ہے؟''

ابو کبشہ نبی ﷺ کے ننھیالی نسب میں پڑتا ہے۔ اس نے قریش کا دین چھوڑ کر نصرانیت اختیار کر لی تھی' اس لئے جب نبی ﷺ نے ان سے الگ دین کا اعلان کیا تو انہوں نے آپ کو تحقیر اور طعنہ زنی کی نیت سے ابو کبشہ کی طرف منسوب کیا اور اس کے مثل قرار دیا۔

بہرحال نبی ﷺ اپنی تبلیغ میں لگے رہے اور مجمعوں اور محفلوں میں اس کا اظہار شروع کر دیا۔ آپ کتاب اللہ کی آیتیں پڑھتے اور پچھلے رسولوں نے جو پیغام سنایا تھا' وہی پیغام سناتے کہ:

﴿ يَـٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَـٰهٍ غَيْرُهُۥ﴾ (الأعراف٧/ ٨٥)

''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔''

اس کے ساتھ ہی آپ نے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے کھلم کھلا اللہ کی عبادت شروع کر دی' چنانچہ آپ دن دہاڑے سارے لوگوں کے سامنے کعبہ کے صحن میں نماز پڑھتے۔

آپ کی تبلیغ دھیرے دھیرے کامیاب ہوتی گئی' ایک ایک کر کے بہت سے لوگ مسلمان ہوتے گئے اور جو مسلمان ہوئے ان میں اور ان کے گھر کے دوسرے لوگوں میں دوری اور نفرت بھی پیدا ہوتی گئی۔

حاجیوں کی آگاہی کے لئے قریش کے مشورے

قریش اس پوری صورت حال کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے اور ابھی اس پر تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حج کا وقت آگیا اور انہیں حاجیوں کے بارے میں تشویش نے آگھیرا' چنانچہ ان کی ایک جماعت ولید بن مغیرہ کے پاس آئی' یہ ان میں عمر رسیدہ اور مرتبے کا آدمی تھا۔ اس نے کہا:

''دیکھو! حج کا وقت آگیا ہے۔ اب ہر طرف سے لوگ تمہارے پاس آئیں گے اور وہ ان صاحب کا معاملہ سن ہی چکے ہیں' لہٰذا کوئی ایک رائے طے کر لو اور مختلف باتیں نہ کہنا ورنہ ایک دوسرے کو جھٹلا بیٹھو گے۔''

لوگوں نے کہا "آپ ہی کہیں اور ہمارے لئے کوئی رائے طے کر دیں۔"

اس نے کہا "نہیں بلکہ تم لوگ کہو میں سنوں گا۔"

لوگوں نے کہا "اچھا تو ہم کہیں گے وہ کاہن ہے۔"

اس نے کہا "وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ (اس میں) نہ ان کی سی گنگناہٹ ہے نہ تک بندی۔"

لوگوں نے کہا "تب ہم کہیں گے کہ وہ پاگل ہے۔"

اس نے کہا "وہ پاگل بھی نہیں ہے۔ ہم پاگل پن کو بھی جانتے پہچانتے ہیں۔ اس میں نہ پاگلوں کی سی گھٹن ہے' نہ الٹی سیدھی حرکتیں' نہ بہکی بہکی باتیں۔"

لوگوں نے کہا "تب ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔"

اس نے کہا "وہ شاعر بھی نہیں ہے۔ ہمیں شعر و شاعری کی تمام قسمیں معلوم ہیں۔ وہ شاعر نہیں ہے۔"

لوگوں نے کہا "اچھا تو ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔"

اس نے کہا "وہ جادوگر بھی نہیں ہے۔ ہم نے جادو اور جادوگر سب دیکھے ہیں' اس میں نہ ان کی سی جھاڑ پھونک ہے نہ گرہ بندی۔"

لوگوں نے کہا "تب ہم کیا کہیں گے؟"

اس نے کہا:

"واللہ! اس کی بات میں مٹھاس اور رونق و تازگی ہے۔ اس کی جڑ پائیدار اور اس کی شاخ پھلدار ہے۔ تم جو بھی کہو واضح ہو جائے گا کہ وہ باطل ہے۔ ویسے زیادہ مناسب یہی ہے کہ وہ جادوگر ہے اور اس کی بات میں جادو ہے۔ وہ اس کے ذریعہ باپ بیٹے میں' بھائی بھائی میں' میاں بیوی میں' اور آدمی اور اس کے خاندان میں تفرقہ ڈال دیتا ہے۔"

یہ بات طے کر کے لوگ وہاں سے اٹھے اور انہوں نے حج کے لئے آنے والوں کی راہ میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ اب جو بھی ان کے پاس سے گزرتا اس سے آپ کی بات ذکر کرتے

اور ڈراتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے آپ کو دیکھنے اور سننے سے پہلے ہی آپ کا معاملہ جان لیا۔ [1]

اس کے بعد جب حج کے دن آگئے تو نبی ﷺ نے حاجیوں کے مجمعوں اور ڈیروں میں جا جاکر انہیں اسلام کی طرف بلانا شروع کیا۔ آپ فرماتے کہ لوگو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو کامیاب رہو گے۔

ادھر ابو لہب کا یہ حال تھا کہ وہ آپ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ جھٹلاتا جاتا اور تکلیف بھی پہنچاتا، [2] اس طرح اس حج سے جب حجاج واپس ہوئے تو پورے عرب میں نبی ﷺ کا چرچا پھیل گیا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۱۷۱، بیہقی، ابو نعیم (دلائل) وغیرہ

[2] مسند احمد، ۳/۴۹۲، ۴/۳۴۱، البدایہ والنہایہ ۵/۷۵، کنزالعمال ۱۲/۴۴۹، ۴۵۰

مقابلے کی مختلف تدبیریں

حج کے بعد جب قریش اپنے گھروں کو واپس آکر مطمئن ہو چکے تو انہوں نے اس مسئلے کے مکمل حل کی طرف توجہ دی اور غور وفکر اور باہمی رائے مشورے سے کئی تدبیریں طے کیں، جن کے متعلق ان کا اندازہ تھا کہ ان سے اسلامی دعوت کا کام تمام کیا جا سکتا ہے۔ یہ تدبیریں مختصراً یہ ہیں:

(ا) ہنسی اڑانا اور تحقیر واستہزاء کی روش اپنانا

اس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے بارے میں کہتے کہ:

"اس پر جادو کر دیا گیا ہے، شاعر ہے، پاگل ہے، کاہن ہے، اس کے پاس شیطان آتا ہے، جادوگر ہے، جھوٹا ہے، گھڑ نیتا ہے، بناوٹی ہے۔ وغیرہ.... اور جب آپ کو آتے جاتے دیکھتے تو غصے اور انتقام کی نظر سے یوں دیکھتے گویا کھا جائیں گے اور حقارت آمیز لہجے میں کہتے۔ "یہی ہے جو تمہارے خداؤں پر انگلی اٹھاتا ہے؟"

کمزور صحابہ کو دیکھتے تو کہتے کہ:

"یہ لو، تمہارے پاس زمین کے بادشاہ آگئے۔ ارے یہی ہیں جن پر اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر احسان کر دیا۔"

ان کا نقشہ اللہ نے یوں کھینچا ہے کہ:

"مجرم، ایمان لانے والوں کی ہنسی اڑاتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو آنکھیں مارتے تھے اور جب اپنے گھروں کو پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے تھے اور جب انہیں دیکھتے تو کہتے کہ یہی لوگ گمراہ ہیں، حالانکہ انہیں ان کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔"

مشرکین نے اس ہنسی' مذاق' ٹھٹھا اور طعنہ زنی کی اتنی کثرت کی کہ خود نبی ﷺ کی طبیعت اس سے متاثر ہوئی جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ ﴾ (الحجر ١٥/ ٩٧)

"ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا سینہ تنگ ہو رہا ہے۔"۔

پھر بتایا کہ اس کا اثر کیسے جائے گا اور ثابت قدمی کیسے آئے گی؟ چنانچہ فرمایا کہ:

﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَٱعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ ٱلْيَقِينُ ﴿٩٩﴾ ﴾ (الحجر ١٥/ ٩٨-٩٩)

"تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ موت آجائے۔"

اس سے پہلے آپ کو تسلی بھی دی گئی:

﴿ إِنَّا كَفَيْنَٰكَ ٱلْمُسْتَهْزِءِينَ ﴿٩٥﴾ ٱلَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ ﴾ (الحجر ١٥/ ٩٥-٩٦)

"کہ ہم آپ سے استہزاء کرنے والوں کو کافی ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود ٹھہراتے ہیں' انہیں بہت جلد نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔"

اور آپ کو یہ بھی بتایا گیا کہ ان کی حرکت ان کے لئے باعث وبال ہو گی۔ چنانچہ فرمایا کہ!
"آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا جا چکا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ رہا ہے کہ خود ان مذاق اڑانے والوں کو ان کے استہزاء نے گھیر لیا۔"

لوگوں کو آپ ﷺ کی بات سننے سے روکنا

چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ جب نبی ﷺ کو دیکھو کہ وہ لوگوں کے درمیان دعوت و تبلیغ کے لئے اٹھنا چاہتے ہیں تو خوب شور مچاؤ اور لوگوں کو وہاں سے بھگا دو تاکہ انہیں اپنی بات بیان کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ مشرکین نے اس تجویز پر عمل کرنے کی ایک دوسرے کو خوب تاکید کی اور بڑی سختی اور پختگی سے اس پر عمل بھی کیا۔ چنانچہ ان کے مجمع عام میں نبی ﷺ کو تلاوت قرآن کا جو پہلا موقع مل سکا وہ نبوت کے پانچویں برس

رمضان کے مہینے میں ملا۔ اس موقع پر آپ نے "سورۂ نجم" تلاوت فرمائی تھی۔

معاملہ اس قدر سخت تھا کہ نبی ﷺ جب نماز میں قرآن کی تلاوت فرماتے اور یہ تلاوت زیادہ تر رات کو تہجد کی نماز میں ہوا کرتی تو یہ لوگ قرآن کو' اس کے اتارنے والے کو اور اسے لانے والے کو گالیاں دیتے۔ چنانچہ اللہ نے حکم دیا کہ:

﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ ﴾

(الإسراء١٧/ ١١٠)

"اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو نہ بالکل دھیمی آواز سے' بلکہ بیچ کا راستہ اپناؤ۔"

اسی تدبیر کا ایک حصہ یہ تھا کہ نضر بن حارث حیرہ اور شام گیا اور وہاں سے لوک کہانیاں' داراو سکندر اور رستم واسفندیار کے قصے سیکھ کر آیا اور جہاں مجلس جمتی' داستان شروع کر دیتا اور لوگوں کو موقع نہ دیتا کہ نبی ﷺ کی بات سن سکیں۔ اگر پتہ چلتا کہ کسی مجلس میں بیٹھ کر آپ نے کچھ وعظ و نصیحت کی ہے تو آپ کے ہٹتے ہی ٹپک پڑتا اور قصے کہانیاں سنا کر کہتا کہ آخر محمد کی بات کیونکر مجھ سے اچھی ہے۔ [1]

اس کے بعد اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا' گانے بجانے والی لونڈیاں خریدیں اور جس کے متعلق سنتا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہے تو اسے کسی لونڈی کے پاس لے جا کر اس لونڈی سے کہتا کہ اسے کھلاؤ پلاؤ اور گانے سناؤ اور اس شخص کو سمجھاؤ کہ "محمد جس بات کی طرف بلا رہے ہیں یہ اس سے بہتر ہے۔" اللہ نے اسی بارے میں یہ آیت نازل کی کہ:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٦﴾ ﴾ (لقمان٣١/ ٦)

"بعض لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں تاکہ علم کے بغیر اللہ کی راہ سے گمراہ کریں اور اسے مذاق بنائیں۔ ایسے لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔" [2]

---

[1] سیرت ابن ہشام ١/٢٩٩' ٣٠٠' ٣٥٨

[2] الدر المنثور' تفسیر سورۂ لقمان: ٦ (٣٠٧/٥)

(۳) شکوک وشبہات پیدا کرنا اور پروپیگنڈے کرنا

اس میدان میں قریش نے بڑی سرگرمی دکھائی اور بڑا تفنن اختیار کیا۔ چنانچہ وہ قرآن کے بارے میں کبھی کہتے کہ یہ محض اوٹ پٹانگ خواب ہے جسے محمد رات میں دیکھتے ہیں اور دن میں تلاوت کرنے لگتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ انہوں نے خود اپنی طرف سے گھڑلیا ہے۔ کبھی کہتے کہ انہیں ایک انسان سکھاتا ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ محض جھوٹ ہے جسے کچھ لوگوں کی مدد سے انہوں نے گھڑا ہے۔ یعنی سب مل جل کر گھڑتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ یہ تو پہلوں کے افسانے ہیں جسے انہوں نے لکھوا لیا ہے اور اب یہ ان پر صبح وشام تلاوت کئے جاتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ ان کے پاس ایک جن یا شیطان ہے جو اسی طرح قرآن لے کر اترتا ہے جیسے کاہنوں پر جن و شیطان اترا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:

﴿ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ ٱلشَّيَـٰطِينُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾ ﴾
(الشعراء۲۶/ ۲۲۱-۲۲۲)

"تم کہو! میں بتاؤں کس پر شیطان اترتے ہیں' وہ ایسے لوگوں پر اترتے ہیں جو پکے جھوٹے اور گناہ گار ہوں۔"

یعنی شیطان صرف ایسے ہی انسانوں پر اترتے ہیں جو جھوٹے ہوں' بدکار ہوں' گناہوں میں لت پت ہوں۔ جب کہ میں ایسا انسان ہوں کہ تم نے کبھی مجھ کو جھوٹ بولتے نہیں سنا اور نہ مجھ میں کسی طرح کی کوئی برائی وبدکاری پائی۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ قرآن شیطان کا اتارا ہوا ہو۔

کبھی کہتے کہ نبی ﷺ کو ایک قسم کا جنون ہو گیا ہے' جس کے اثر سے وہ عجیب وغریب قسم کے معانی ومطالب سوچتے ہیں اور انہیں نہایت عمدہ قسم کے الفاظ میں ڈھال دیتے ہیں۔ جیسے شعراء اپنے اشعار ڈھالا کرتے ہیں' لہٰذا وہ شاعر ہیں اور ان کا کلام شعر ہے۔ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا:

﴿ وَٱلشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ ٱلْغَاوُۥنَ ﴿٢٢٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِى كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٢٥﴾

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٢٦﴾ (الشعراء٢٦/ ٢٢٤_٢٢٦)

"شعراء کی پیروی بھٹکے ہوئے لوگ کرتے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں' اور ایسی باتیں کہتے ہیں جنہیں کرتے نہیں۔"

مطلب یہ کہ یہ تین باتیں شعراء کی خصوصیات میں داخل ہیں' اور ان میں سے کوئی بات بھی نبی ﷺ میں نہیں پائی جاتی' چنانچہ جو لوگ آپ کے پیروکار ہیں وہ اپنے دین میں' اپنے اخلاق میں' اپنے کردار میں' اپنے تصرفات میں' اپنے معاملات میں غرض ہر بات میں صحیح راستے پر ہیں' راست باز ہیں' پرہیز گار ہیں' اور نیکو کار ہیں۔ ان کو کسی معاملے میں بہکاوا اور گمراہی چھو کر بھی نہیں گئی ہے۔ پھر نبی ﷺ شاعروں کی طرح ہر وادی میں ہاتھ پاؤں بھی نہیں مارتے پھر رہے۔ بلکہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا ایک خاص میدان ہے۔ آپ ﷺ ایک اللہ' ایک دین اور ایک راستے کی طرف بلا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ وہی بات کہتے ہیں جسے کرتے بھی ہیں اور وہی کام کرتے ہیں جسے کہتے بھی ہیں' لہٰذا آپ کو شعرو شاعری سے کیا نسبت؟ اور شعروشاعری کو آپ سے کیا نسبت؟

(۴) بحث اور کٹ حجتی مشرکین کو تین باتوں پر بہت اچنبھا تھا اور درحقیقت یہی تین باتیں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان دینی اختلاف کی جڑ تھیں ایک توحید' دوسرے رسالت اور تیسرے موت کے بعد اٹھایا جانا۔

تیسری اور آخری بات یعنی موت کے بعد اٹھائے جانے کے معاملے میں ان کے پاس تعجب' اچنبھے اور عقل کی کمی کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ:

"بھلا جب ہم مرکر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں اٹھایا جائے گا؟ بھلا ہمارے پچھلے باپ دادا بھی زندہ کئے جائیں گے؟ یہ واپسی تو بعید از عقل لگ رہی ہے۔" وہ یہ بھی کہتے تھے کہ "آؤ ہم تمہیں ایک آدمی کا پتہ بتائیں جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ایک دم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر نئے سرے سے پیدا کر دیئے جاؤ گے۔ (سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اللہ پر جھوٹ گھڑ رہا ہے یا پاگل ہے۔"

ان کے ایک کہنے والے نے یہ بھی کہا:

أَمَوْتٌ ثُمَّ بَعْثٌ ثُمَّ حَشْرٌ حَدِيْثُ خُرَافَةٍ يَا أُمَّ عَمْرٍو

''کیا موت آئے گی' پھر اٹھائے جائیں گے' پھر حشر ہو گا؟ اے ام عمرو! یہ تو خرافات ہیں۔''

اللہ نے ان باتوں کا کئی طرح سے جواب دیا ہے۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو دنیا میں ظالم اپنے ظلم کی سزا پائے بغیر اور مظلوم ظالم سے اپنا حق وصول کئے بغیر گزر جاتا ہے' اسی طرح احسان کرنے والا نیکو کار اپنے احسان اور نیکی کا بدلہ پانے سے پہلے اور برائی کرنے والا بدکردار اپنی برائی وبدکرداری کی سزا پانے سے پہلے مر جاتا ہے۔ اب اگر موت کے بعد کوئی ایسا دن نہ ہو جس میں لوگوں کو زندہ کر کے ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیا جائے اور احسان کرنے والے نیکو کار کو انعام اور فاجر وبدکردار کو سزا دی جائے تو پھر دونوں طرح کے لوگ برابر ٹھہرے' دونوں میں کوئی فرق نہ ہوا' بلکہ ظالم وبدکردار تو مظلوم اور محسن وپرہیز گار سے کہیں خوش قسمت ٹھہرا۔ حالانکہ یہ بات قطعاً نامعقول ہے' عدل وانصاف سے اسے کوئی واسطہ نہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ اپنی خلقت کا نظام ایسی اندھیر نگری اور ظلم وفساد پر رکھے گا۔ اسی لئے اس نے فرمایا:

﴿ أَفَنَجْعَلُ ٱلْمُسْلِمِينَ كَٱلْمُجْرِمِينَ ۝٣٥ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝٣٦ ﴾(القلم٦٨/ ٣٥-٣٦)

''کیا ہم مسلمانوں (یعنی اپنے اطاعت شعاروں اور فرمانبرداروں) کو مجرموں جیسا ٹھہرائیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ أَمْ نَجْعَلُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ كَٱلْمُفْسِدِينَ فِى ٱلْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ ٱلْمُتَّقِينَ كَٱلْفُجَّارِ ۝٢٨ ﴾ (ص: ٣٨/ ٢٨)

''کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد مچانے والوں جیسا ٹھہرائیں گے؟ یا کیا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں جیسا قرار دیں گے؟''۔

نیز فرمایا:

﴿ أَمْ حَسِبَ ٱلَّذِينَ ٱجْتَرَحُوا۟ ٱلسَّيِّـَٔاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟

ٱلصَّٰلِحَٰتِ سَوَآءً مَّحۡيَاهُمۡ وَمَمَاتُهُمۡۚ سَآءَ مَا يَحۡكُمُونَ ﴿٢١﴾

(الجاثية٤٥/ ٢١)

"کیا جن لوگوں نے برائیاں کما رکھی ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں جیسا ٹھہرائیں گے؟ کہ ان سب کا جینا مرنا یکساں ہو گا؟ برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں"۔

جہاں تک عقلی استبعاد کا معاملہ ہے تو اللہ نے اس کی یوں تردید فرمائی کہ:

﴿ ءَأَنتُمۡ أَشَدُّ خَلۡقًا أَمِ ٱلسَّمَآءُۚ بَنَىٰهَا ﴿٢٧﴾ ﴾ (النازعات٧٩/ ٢٧)

"کیا تمہاری پیدائش زیادہ سخت ہے یا آسمان کی؟"۔

نیز فرمایا:

﴿ أَوَلَمۡ يَرَوۡاْ أَنَّ ٱللَّهَ ٱلَّذِي خَلَقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضَ وَلَمۡ يَعۡيَ بِخَلۡقِهِنَّ بِقَٰدِرٍ عَلَىٰٓ أَن يُحۡـِۧيَ ٱلۡمَوۡتَىٰۚ بَلَىٰٓۚ إِنَّهُۥ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٞ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الأحقاف٤٦/ ٣٣)

"کیا انہیں یہ دکھائی نہیں دیتا کہ جس اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور انہیں پیدا کر کے نہیں تھکا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔ کیوں نہیں؟ یقیناً وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔"

یہ بھی فرمایا:

﴿ وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ ٱلنَّشۡأَةَ ٱلۡأُولَىٰ فَلَوۡلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ ﴾ (الواقعه٥٦/ ٦٢)

"تم پہلی بار کی پیدائش کو تو جانتے ہی ہو پھر بات کیوں نہیں سمجھتے؟"

اور بتلایا کہ دیکھو:

﴿ كَمَا بَدَأۡنَآ أَوَّلَ خَلۡقٖ نُّعِيدُهُۥۚ وَعۡدًا عَلَيۡنَآۚ إِنَّا كُنَّا فَٰعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ ﴾

(الأنبياء٢١/ ١٠٤)

"ہم نے جس طرح پہلی بار شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پلٹا کر بھی پیدا کریں گے۔ ہمارے ذمے یہ وعدہ ہے اور ہم اسے کر کے رہیں گے۔"

اللہ نے یہ بھی یاد دلایا کہ یہ بات تمہارے عام مشاہدے میں ہے کہ کسی کام کو دوبارہ

کرنا پہلی بار سے زیادہ سہل ہوتا ہے۔ اور پوچھا کہ:

﴿ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ﴾ (ق: ۵۰/ ۱۵)

("اس آسمان وزمین' درخت اور پودوں اور ساری کائنات کو) پہلی بار پیدا کر کے کیا ہم تھک گئے ہیں (کہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے؟")

﴿ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾ ﴾ (ق: ۵۰/ ۱۵)

"بلکہ (حقیقت صرف اتنی ہے کہ) وہ نئی پیدائش کے سلسلے میں التباس کا شکار ہیں۔"

جہاں تک دوسری بات یعنی نبی ﷺ کی رسالت کا معاملہ ہے تو اگرچہ قریش نبی ﷺ کو انتہائی سچا' امانت دار' نیکو کار اور پرہیز گار تسلیم کرتے تھے مگر پھر بھی ان کے کچھ شبہات تھے' جن کی بنا پر وہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت تسلیم نہیں کر رہے تھے۔

ان کا ایک بہت بڑا گمان یہ تھا کہ وہ نبوت و رسالت کے مرتبے اور مقام کو اس سے کہیں بڑا اور اونچا سمجھتے تھے کہ وہ کسی انسان کو دیا جائے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسان رسول نہیں ہو سکتا اور نہ رسول انسان ہو سکتا ہے' اس لئے جب نبی ﷺ نے اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کیا اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی تو مشرکین کو حیرت و تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا:

﴿ مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ﴾

(الفرقان ۲۵/ ۷)

"یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی خام خیالی کا مزید نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:

﴿ بَلْ عَجِبُوا أَن جَاءَهُم مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَٰذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿٢﴾ ﴾

(ق: ۵۰/ ۲)

"انہیں تعجب ہوا کہ ان کے پاس خود ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا' چنانچہ ان کافروں نے کہا یہ تو عجیب چیز ہے۔"

انہوں نے یہ بھی کہا:

﴿ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ ﴾ (الأنعام٦/ ٩١)

''اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری ہے۔''

اللہ نے ان کے اس عقیدے کو باطل ٹھہرایا اور اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ قُلْ مَنْ أَنزَلَ ٱلْكِتَـٰبَ ٱلَّذِى جَآءَ بِهِۦ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ ﴾ (الأنعام٦/ ٩١)

''کہہ دو وہ کتاب کس نے اتاری جسے موسیٰ لے کر آئے تھے؟ اور جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی۔''

اسی طرح اللہ نے انہیں دوسرے انبیاء کے واقعات بھی سناتے ہوئے بتلایا کہ ان کی قوموں نے بھی ان کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے یہی کہا تھا:

﴿ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ﴾ (إبراهيم١٤/ ١٠)

''کہ تم لوگ بھی تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو۔''

اور اس کے جواب میں پیغمبروں نے یہی کہا کہ:

﴿ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَـٰكِنَّ ٱللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ ﴾ (إبراهيم١٤/ ١١)

''جی ہاں! ہم بھی تمہارے جیسے بشر ہی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کر دیتا ہے۔''

مطلب یہ کہ جتنے انبیاء اور رسول گزرے ہیں وہ سب بشر ہی تھے اور اگر بشر کے بجائے فرشتے کو رسول بنا دیا جاتا تو رسالت کا مقصد ہی پورا نہ ہوتا کیونکہ انسان فرشتوں کے نقش قدم پر چلنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ مشرکین کا شبہ بھی جوں کا توں رہتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ:

﴿ وَلَوْ جَعَلْنَـٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَـٰهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٩)

''اگر ہم فرشتہ کو رسول بناتے تو بھی ہم اسے انسان ہی بناتے۔ اور جو شبہ (اب) کرتے

ہیں' اسی شبہے میں انہیں پھر ڈال دیتے۔"

لہٰذا جب نہ رسالت کا مقصد حاصل ہو' نہ لوگوں کا شبہ دور ہو تو فرشتے کو رسول بنانے کا فائدہ؟

اب چونکہ مشرکین تسلیم کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم' حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ علیہم السلام پیغمبر تھے اور بشر بھی تھے' اس لئے انہیں اس شبہے پر جمنے اور اڑنے کی گنجائش نہ مل سکی' لہٰذا انہوں نے ایک دوسرا شبہ ظاہر کیا۔ کہنے لگے کہ:

"کیا اللہ کو اپنی پیغمبری کے لئے یہی یتیم ولاچار انسان ملا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قریش اور ثقیف کے بڑے بڑے لوگوں کو تو چھوڑ دے اور اس مسکین کو اپنا پیغمبر بنا لے۔"

﴿ لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ ٱلْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿٣١﴾ ﴾ (الزخرف٤٣/ ٣١)

"یہ قرآن (مکہ اور طائف کی) دونوں آبادیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا؟"

اللہ تعالیٰ نے اس کا بڑا مختصر جواب دیا۔ فرمایا:

﴿ أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ﴾ (الزخرف٤٣/ ٣٢)

"کہ کیا تمہارے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کریں گے؟۔"

یعنی وحی' قرآن' نبوت اور رسالت سب کی سب اللہ کی رحمت ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اپنی رحمت کیسے تقسیم کرے۔ کس کو دے اور کس کو نہ دے' چنانچہ فرمایا:

﴿ ٱللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُۥ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢٤)

"اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے (یعنی کس کو دے)۔"

چونکہ اس جواب کے آگے ان کا کوئی عذر چل نہیں سکتا تھا' اس لئے انہوں نے ایک اور شبہ پیش کیا۔ کہا کہ:

"ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کا ایلچی ہوتا ہے اس

کے لئے بادشاہ کی طرف سے جاہ وحشمت کے تمام لوازمات یعنی خدم و حشم، مال وجاگیر، اور جاہ وجلال کے تمام وسائل فراہم کئے جاتے ہیں۔ وہ جب چلتا ہے تو اس کے جلو میں اردلی، پاسبان اور بڑے بڑے معزز لوگ ہوتے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ محمد اللہ کا ایلچی ہوتے ہوئے "لقمۂ زندگی" کے لئے بازاروں میں دھکے کھاتا پھرتا ہے؟"

﴿ لَوْلَآ أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُۥ نَذِيرًا ۝٧ أَوْ يُلْقَىٰٓ إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُۥ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ ٱلظَّـٰلِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۝٨ ﴾ (الفرقان ۲۵/ ۷-۸)

"آخر اس کے اوپر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا جو اس کے ساتھ ڈراوے کا کام کرتا، یا اس کی جانب کوئی خزانہ کیوں نہ اتار دیا گیا، یا اس کے پاس کوئی ایسا باغ کیوں نہ ہوا جس سے وہ کھاتا رہتا؟ چنانچہ ان ظالموں نے کہا کہ تم لوگ محض ایک ایسے آدمی کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔"

یہ تھا مشرکین کا اعتراض، لیکن معلوم ہے کہ نبی ﷺ چھوٹے، بڑے، کمزور، طاقتور، غریب، مالدار، نیچے، اونچے، غلام، آزاد، ہر طرح کے لوگوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اب اگر آپ جاہ وجلال کے ساتھ، خدم و حشم اور بڑے بڑے لوگوں کے جلو میں چلتے پھرتے تو آخر کمزور اور چھوٹے لوگ آپ تک کیسے پہنچ سکتے اور آپ سے کیسے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ جب کہ اکثریت انہی کی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نبوت ورسالت بے فائدہ ہو کر رہ جاتی ہے، اس لئے مشرکین کے اس اعتراض کا صرف ایک ہی لفظ میں جواب دیا گیا کہ:

"محمد ﷺ رسول ہیں۔"

یعنی تمہارے اعتراض کا صرف اتنا ہی جواب کافی ہے کہ وہ رسول ہیں، کیونکہ تم نے ان کے لئے جاہ وحشمت اور مال ودولت کا جو مطالبہ کیا ہے اس کے ہوتے ہوئے عام لوگوں میں رسالت کی تبلیغ ہو ہی نہیں سکتی۔ جب کہ عام لوگ ہی رسالت کا اصل مقصود ہیں۔

اس شبہے کا جواب پاکر انہوں نے ایک اور پہلو بدلا' اور معجزات اور نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ جس کا مقصد محض یہ تھا کہ وہ آپ کو نبی نہ ماننے کی اپنی ضد پر قائم رہیں' اور آپ کو مجبور و بے بس کر دیں۔ اس معاملے میں مشرکین اور نبی ﷺ کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس کا کچھ حصہ ہم آگے چل کر ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

اب رہ جاتا ہے پہلا معاملہ یعنی توحید کا' جو سارے اختلافات کی اصل بنیاد تھی' تو اس کی شکل یہ تھی کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور اکثر صفات و افعال میں ایک مانتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ:

"صرف اللہ ہی خالق ہے۔ جس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور صرف وہی مالک بھی ہے۔ اسی کے ہاتھ میں آسمان و زمین اور ان کے بیچ کی ساری چیزوں کی ملکیت ہے اور صرف وہی رازق ہے جو انسان' حیوان' چوپائے' درندے' پرندے' غرض ہر زندہ چیز کو روزی دیتا ہے اور صرف وہی مدبر ہے جو آسمان اور زمین تک کا سارا نظام چلاتا ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز یہاں تک کہ چیونٹی اور ذرے تک کے معاملات کا انتظام کرتا ہے اور صرف وہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے اور ہر چیز کا رب ہے۔ اسی نے سورج' چاند' ستارے' پہاڑ' درخت' چوپائے' جن' انسان اور فرشتے سب کو اپنے تابع فرمان کر رکھا ہے اور سب کے سب اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ وہ جس کو چاہے پناہ دے کوئی پکڑ نہیں سکتا' اور جس کو چاہے پکڑ لے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ وہی زندہ کرتا ہے' وہی مارتا ہے' جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو حکم چاہے لگاتا ہے۔ نہ کوئی اس کا حکم روک سکتا ہے' نہ اس کا فیصلہ بدل سکتا ہے۔"

یہ ساری باتیں مشرکین تسلیم کرتے تھے اور ان سب میں وہ اللہ کو ایک' اکیلا اور یکتا مانتے تھے۔ وہ اللہ کی ذات اور مذکورہ صفات و افعال میں کسی کو شریک نہیں مانتے تھے' البتہ ان سب باتوں میں اللہ کو ایک ماننے کے بعد وہ کہتے تھے کہ:

"اللہ نے اپنے بعض مقرب اور مقبول بندوں مثلاً پیغمبروں اور نبیوں کو' اولیائے کرام اور بزرگان دین کو' اچھے اور نیکو کار لوگوں کو اس دنیا کے بعض کاموں میں کچھ تصرف کرنے کا اختیار دے دیا ہے اور وہ اللہ کے دیئے ہوئے اس اختیار کی بنا پر تصرف کرتے ہیں۔ مثلاً اولاد دے دیتے ہیں۔ مصیبت دور کر دیتے ہیں۔ بیمار کو شفا دے دیتے ہیں اور بعض دیگر ضرورتیں پوری کر دیتے ہیں اور اللہ نے انہیں یہ اختیار اس لئے دیا ہے کہ وہ اللہ کے مقرب ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کا خاص مرتبہ ومقام ہے اور چونکہ اللہ نے ان کو یہ تصرف واختیار دے رکھا ہے' اس لئے وہ بندوں کی ضرورتیں غیبی طریقے سے پوری کر دیتے ہیں' چنانچہ بعض مصیبتیں دور کر دیتے ہیں' بعض بلائیں ٹال دیتے ہیں اور جس سے خوش ہو جاتے ہیں اسے اللہ کا مقرب بنا دیتے ہیں اور اللہ سے اس کی سفارش کر دیتے ہیں۔"

مشرکین نے اپنے ان خیالات کی بناء پر ان انبیاء عظام' اولیائے کرام' بزرگان دین اور نیکو کار لوگوں کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنایا اور ایسے ایسے اعمال ایجاد کیے' جن کے ذریعہ ان لوگوں کا قرب اور ان کی رضا مندی حاصل ہو سکے' چنانچہ وہ مشرکین پہلے ان اعمال کو بجالاتے' پھر عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر ان ہستیوں سے فریاد کرتے اور کہتے کہ:

"ہماری ضرورت پوری کر دو' ہماری مصیبت ٹال دو اور ہمارا خطرہ دور کر دو۔"

اب رہا یہ سوال کہ وہ کیا اعمال تھے جنہیں مشرکین نے ان ہستیوں کی رضامندی اور تقرب کے لئے ایجاد کیا تھا' تو وہ اعمال یہ تھے کہ انہوں نے ان انبیاء' اولیاء اور بزرگان دین کے نام سے بعض مخصوص جگہوں پر آستانے بنا کر وہاں ان کی اصلی یا خیالی تصویریں یا مورتیاں سجا رکھی تھیں اور کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ ان کے خیال میں بعض اولیائے کرام یا بزرگان دین کی قبریں مل گئیں تو مورتی تراشنے کے بجائے انہی قبروں ہی پر آستانے بنا دیئے۔ (1) اس کے بعد یہ لوگ ان آستانوں پر جاتے اور مورتیوں یا قبروں کو چھو کر ان سے برکت حاصل کرتے' ان کے گرد چکر لگاتے' تعظیم کے طور پر ان کے سامنے کھڑے ہوتے'

---

(1) دیکھئے سیرت ابن ہشام ۱/۸۳' صحیح بخاری' حدیث: ۱۶۱۰ اور اس کے اطراف۔

نذر ونیاز پیش کرتے' چڑھاوے چڑھاتے اور ان طریقوں سے ان کی قربت اور ان کا فضل چاہتے۔ نیز نذر ونیاز اور چڑھاوے کے طور پر یہ لوگ اپنی کوئی بھی چیز پیش کر دیتے تھے۔ کھیتی سے حاصل ہونے والے غلے' کھانے پینے کی چیزیں' جانور' چوپائے' سونا چاندی' مال واسباب غرض جس سے جو ہو سکتا تھا نذر کر دیتا تھا۔

کھیتی' غلے اور کھانے پینے کی چیزیں' سونا چاندی اور مال اسباب چڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ ان آستانوں پر کچھ مجاور اور درباری ہوا کرتے تھے۔ مشرکین یہ چیزیں ان مجاوروں کو پیش کرتے اور وہ مجاور انہیں قبروں اور مورتیوں پر چڑھا دیتے تھے۔ عام طور پر ان کے بغیر براہ راست کوئی چیز نہیں چڑھائی جاتی تھی۔ [1]

البتہ جانوروں اور چوپایوں کو چڑھانے کا طریقہ علیحدہ تھا اور اس کی بھی کئی شکلیں تھیں۔ چنانچہ وہ کبھی ایسا کرتے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگان دین کی رضامندی کے لئے جانور کو ان کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ وہ جہاں چاہتا چرتا اور گھومتا پھرتا' کوئی اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچاتا' بلکہ تقدس کی نظر سے دیکھا جاتا اور کبھی ایسا کرتے کہ جانور کو ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانے پر لیجا کر ذبح کر دیتے اور کبھی ایسا کرتے کہ آستانے کے بجائے گھر ہی پر ذبح کر لیتے' لیکن کسی ولی یا بزرگ کے نام پر ذبح کرتے۔ [2]

ان کاموں کے علاوہ مشرکین کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانوں پر میلہ لگاتے۔ اس کے لئے خاص تاریخوں میں ہر طرف سے لوگ اکٹھا ہوتے اور اوپر ان کی جو حرکتیں ذکر کی گئیں ہیں وہ سب کرتے۔ یعنی آستانوں کو چھو کر برکت حاصل کرتے' ان کا طواف کرتے' نذر ونیاز پیش کرتے' چڑھاوے چڑھاتے' جانور قربان کرتے وغیرہ۔ یہ سالانہ عرس یا میلہ ایسا اہم ہوتا کہ اس میں دور' نزدیک سے چھوٹے بڑے ہر طرح کے لوگ حاضر ہو کر اپنی نیاز پیش کرتے اور اپنا مقصد

---

[1] دیکھئے قرآن' سورۃ الانعام' آیت: ۱۳۶ اور اس کی تفسیر

[2] دیکھئے' سورۃ المائدہ' آیت: ۳' ۱۳۰' سورۃ الانعام' آیت: ۱۲۱' ۱۳۸' صحیح بخاری' حدیث: ۴۶۲۳' سیرت ابن ہشام ۸۹/۱' ۹۰' المنمق' ص: ۳۲۸' ۳۲۹۔

حاصل ہونے کی امید رکھتے۔

پھر یہ سارا کام مشرکین اس غرض سے کرتے تھے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگان دین کا تقرب اور ان کی خوشنودی حاصل کرکے انہیں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنائیں اور ان کا دامن پکڑ کر اللہ تک پہنچ جائیں' کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اولیائے کرام اور بزرگان دین انہیں اللہ کے قریب پہنچا دیں گے اور ان کی ضرورتوں کے لئے اللہ سے سفارش کر دیں گے' چنانچہ یہ ساری نذر ونیاز پیش کرنے کے بعد ان ولیوں اور بزرگوں کو پکارتے کہ:

"اے بابا! میرا فلاں کام بن جائے اور فلاں مصیبت ٹل جائے۔"

اور سمجھتے تھے کہ وہ ان کی باتیں سنتے ہیں اور جو مراد مانگی جائے وہ پوری کرتے ہیں' بگڑی بناتے ہیں' مصیبتیں ٹالتے ہیں اور ایسا یا تو خود اللہ کے دیئے ہوئے تصرف واختیار کے ماتحت کر لیتے ہیں یا اللہ سے سفارش کرکے کرا لیتے ہیں۔ (۱)

تو یہ تھا مشرکین کا شرک' اور یہ تھی غیراللہ کے لئے ان کی عبادت اور یہ تھا اللہ کے ماسوا کو معبود بنانا اور شریک ٹھہرانا اور یہ تھے انبیاء عظام' اولیائے کرام' بزرگان دین اور نیکوکار صالحین جن کو مشرکین نے معبود بنا رکھا تھا۔

اب نبی کریم ﷺ جو توحید کی دعوت لے کر اٹھے اور اللہ کے سوا ہر معبود کو چھوڑنے کا مطالبہ کیا تو مشرکین پر یہ بات بہت گراں گزری اور انہیں یہ مطالبہ بہت بھاری اور غلط محسوس ہوا۔ انہوں نے کہا:

"یہ کوئی سازش ہے جو اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ اور ہے۔"

﴿ أَجَعَلَ ٱلْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾ وَٱنطَلَقَ ٱلْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ ٱمْشُوا۟ وَٱصْبِرُوا۟ عَلَىٰٓ ءَالِهَتِكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ﴿٦﴾ مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِى ٱلْمِلَّةِ ٱلْءَاخِرَةِ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا ٱخْتِلَٰقٌ ﴿٧﴾ ﴾ (صٓ: ۳۸/ ۵۔۷)

---

(۱) سورۂ یونس' آیت: ۱۸' سورۃ الزمر' آیت: ۳' سورۃ الرعد' آیت: ۱۴' سورۂ فاطر' آیت: ۱۳' سورۃ الاعراف' آیت ۱۹۴' وغیرہ۔

"یہ کیا ٹھک ہے کہ اس نے سارے معبودوں کی جگہ ایک معبود بنا ڈالا؟ یہ تو عجیب چیز ہے اور ان کے بڑوں کا ایک گروہ اٹھا کہ چلو اور اپنے معبودوں پر ڈٹ جاؤ۔ یقیناً یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ ہم نے تو ایسی بات کسی اور ملت میں سنی ہی نہیں' ہو نہ ہو یہ گھڑی ہوئی بات ہے۔"

اس کے بعد جب دعوت و تبلیغ کا کام مزید آگے بڑھا اور ادھر مشرکین بھی اپنے شرک کو بچانے' اسلام کی تبلیغ روکنے اور مسلمانوں سے اسلام کا اثر دھونے کے لئے حجت و بحث کے میدان میں اتر پڑے تو ان پر مختلف پہلوؤں سے دلیل قائم کی گئی۔ ان سے کہا گیا کہ آخر تمہیں یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ اللہ نے اپنے مقرب اور مقبول بندوں کو اس دنیا میں تصرف کرنے کی قوت دے رکھی ہے اور وہ ضرورتیں پوری کرنے اور مصیبتیں ٹالنے پر قدرت رکھتے ہیں؟ اس کی تو صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

① یا تو تمہیں غیب معلوم ہو گیا ہو۔

② یا پھر پچھلے انبیاء نے کوئی کتاب چھوڑی ہو اور اس میں تمہیں یہ بات لکھی ہوئی مل گئی ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَمْ عِندَهُمُ ٱلْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾ ﴾ (القلم٦٨/ ٤٧)

"کیا ان کے پاس غیب ہے جسے وہ لکھتے ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ ٱئْتُونِى بِكِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ هَٰذَآ أَوْ أَثَٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿٤﴾ ﴾ (الأحقاف٤٦/ ٤)

"میرے پاس پہلے کی کوئی کتاب لاؤ' یا علم الٰہی کا کوئی بقیہ لاؤ' اگر تم لوگ سچے ہو۔"

اور فرمایا:

﴿ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَآ ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٨)

"(اے پیغمبر)! ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس کچھ علم ہے؟ اگر ہے تو ہمارے سامنے

لاؤ' ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ تم لوگ محض گمان کی پیروی کرتے ہو اور ادھر ادھر کے اٹکل پچو لگاتے ہو۔"

چونکہ یہ بات مشرکین بھی تسلیم کرتے تھے کہ انہیں نہ تو غیب کا کوئی علم ہے اور نہ انبیاء کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں انہیں یہ بات ملی ہے' اس لئے انہوں نے نہایت صفائی سے کہا:

﴿ بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ ﴾ (لقمان ٣١/ ٢١)

"کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو جس بات پر پایا ہے' اسی کی پیروی کر رہے ہیں۔"

اور یہ کہ:

﴿ إِنَّا وَجَدْنَآ ءَابَآءَنَا عَلَىٰٓ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾ ﴾ (الزخرف ٤٣/ ٢٢)

"ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک امت (طریقہ) پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی کی ڈگر پر چل رہے ہیں۔"

اس جواب سے جب مشرکین کی جہالت اور بے بسی کھل گئی تو ان سے کہا گیا کہ دیکھو:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٧٤﴾ ﴾ (النحل ١٦/ ٧٤)

"تم لوگوں کو تو نہیں معلوم' لیکن اللہ جانتا ہے۔"

اس لئے اس کی بات سنو' وہ تمہارے ان شرکاء کی حقیقت بتلاتا ہے' کہتا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ﴾ (الأعراف ٧/ ١٩٤)

"بے شک اللہ کے ماسوا جن کو تم لوگ پکارتے ہو وہ تمہارے جیسے بندے ہی ہیں۔"

یعنی جو چیزیں اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں ان پر جس طرح تم کو قدرت حاصل نہیں' اسی طرح تمہارے ان شرکاء کو بھی ان پر قدرت حاصل نہیں۔ پس تم اور وہ دونوں بے بس ہونے اور قدرت نہ رکھنے میں یکساں اور برابر ہو' اسی لئے اللہ نے ان کو چیلنج کیا۔

﴿ فَٱدْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا۟ لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ﴿١٩٤﴾ ﴾ (الأعراف ٧/ ١٩٤)

"پھر اگر تم سچے ہو تو ذرا ان کو پکارو اور وہ تمہاری مراد پوری کر کے دکھا دیں۔"

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتلایا کہ:

﴿ وَٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِۦ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ ﴿١٣﴾ ﴾

(فاطر ۳۵/ ۱۳)

"تم لوگ اللہ کے ماسوا جن کو پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔"

﴿ إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا۟ دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا۟ مَا ٱسْتَجَابُوا۟ لَكُمْ ۖ وَيَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾ ﴾ (فاطر ۳۵/ ۱۴)

"اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں گے اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو جواب نہ دے سکیں گے اور قیامت کے دن تمہارے اس شرک کا انکار کر دیں گے اور ایک خبر رکھنے والے جیسی خبر تمہیں کوئی اور نہیں دے سکتا۔"

یعنی اللہ جانتا ہے اور ہر چیز کی خبر رکھتا ہے' لہٰذا اس نے جو یہ بات بتائی ہے تو یہی صحیح ہے' کوئی اس کے بجائے کچھ اور بتائے تو وہ غلط ہے۔ نیز فرمایا:

﴿ وَٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْوَٰتٌ غَيْرُ أَحْيَآءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾ ﴾ (النحل ۱۶/ ۲۰-۲۱)

"اللہ کے ماسوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے' بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں زندہ نہیں ہیں اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔"

اور فرمایا:

﴿ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ ﴾ (الأعراف ۷/ ۱۹۱-۱۹۲)

"کیا یہ ایسے لوگوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے' بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں اور نہ ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد آپ کر سکتے

ہیں۔"

اور فرمایا:

﴿ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً لَّا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ﴿٣﴾ ﴾

(الفرقان ۲۵/ ۳)

"اور ان لوگوں نے اللہ کے ماسوا ایسے لوگوں کو معبود بنا رکھا ہے جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے' بلکہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور جو اپنے لئے بھی نفع اور نقصان کے مالک نہیں اور نہ موت اور زندگی اور مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کا اختیار رکھتے ہیں۔"

پھر جب اللہ نے ان شرکاء کی بے بسی اور لاچاری بیان کر ڈالی اور بتلا دیا کہ مشرکین کی وہ کسی بھی گمان کردہ چیز پر قدرت نہیں رکھتے' تو اس کا نتیجہ بھی بتلایا کہ ان کو اپنی ضرورت کے لئے پکارنا اور ان سے کوئی امید رکھنا بالکل باطل اور فضول ہے' اس کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ نے اس کے لئے بعض بہت ہی دلچسپ مثالیں بیان کیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿١٤﴾ ﴾ (الرعد ۱۳/ ۱۴)

"اور یہ لوگ اللہ کے ماسوا جن کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا قطعاً کوئی جواب نہیں دے سکتے' مگر جیسے کوئی شخص پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا دے کہ وہ پانی اس کے منہ میں آجائے' حالانکہ وہ منہ میں آہی نہیں سکتا۔ (پس اسی طرح) ان کافروں کی پکار سوائے بھٹکنے (صدا بصحرا) کے اور کچھ نہیں۔"

یہ بات بیان کر کے مشرکین سے ذرا سوچنے کے لئے کہا گیا۔ چونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ان کے معبودوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور نہ وہ کچھ پیدا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں' بلکہ وہ خود اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں' اس لئے ان سے کہا گیا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کو' جو خالق اور قادر ہے اور اپنے ان شرکاء کو جو مخلوق اور بے بس ہیں یکساں اور برابر کر دیا؟ آخر یہ کیا بات ہوئی کہ تم اللہ کو بھی پوجتے ہو اور ان شرکاء کو

بھی پوجتے ہو' اللہ کو بھی پکارتے ہو اور ان کو بھی پکارتے ہو۔ آخر عبادت اور پکار کے معاملے میں تم نے دونوں کو برابر کیسے کر دیا۔

﴿ أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾ ﴾ (النحل ١٦/ ١٧)

"کیا جو پیدا کرتا ہے وہ پیدا نہ کرنے والے کی طرح ہے؟ تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں؟"

جب یہ سوال ان کے سامنے رکھا گیا تو وہ بالکل بھونچکا رہ گئے۔ ان کی ساری حجت بحث جاتی رہی۔ وہ شرمندہ ہو کر چپ ہو رہے۔ پھر انہیں ایک غلط بات سجھائی دی۔ وہ کہنے لگے کہ:

"دیکھو ہمارے باپ دادا سارے انسانوں سے زیادہ عقل مند تھے۔ لوگوں کے درمیان ان کی عقل مندی کا شہرہ تھا اور دور دور تک لوگ اس بات کو تسلیم کرتے تھے اور ان سب لوگوں کا دین وہی تھا جو ہمارا ہے۔ لہٰذا کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ دین باطل اور گمراہی والا دین ہو؟ خود نبی ﷺ کے باپ دادا اور مسلمانوں کے باپ دادا بھی اسی دین پر تھے۔"

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ لوگ ہدایت پر نہ تھے' کیونکہ انہوں نے حق کا راستہ نہیں پہچانا اور نہ اس کو اختیار ہی کیا جس کے نتیجہ میں وہ گمراہ ہو گئے' کیونکہ وہ کچھ سمجھتے نہ تھے۔ یہ مطلب کبھی اشاروں کنایوں میں بیان کر دیا جاتا تھا اور کبھی کبھی کھلم کھلا بھی کہہ دیا جاتا تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾ ﴾
(الصافات ٣٧/ ٦٩-٧٠)

"انہوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا تو خود بھی انہی کے نقش قدم پر دوڑے جا رہے ہیں۔"

اسی کے ساتھ ایک بات یہ بھی چل رہی تھی کہ مشرکین' نبی ﷺ اور مسلمانوں کو اپنے خداؤں سے ڈرایا کرتے تھے' کہتے تھے کہ:

"تم لوگ ہمارے معبودوں کو بے بس کہہ کر ان کی شان میں گستاخی کر رہے ہو' لہٰذا

بہت جلد ان کا غضب تم پر نازل ہو گا اور وہ تمہیں بھسم کر دیں گے یا تمہیں خبطی بنا کر رکھ دیں گے۔"

یہ دھمکی ٹھیک ویسی ہی تھی جیسے پچھلے لوگ اپنے نبیوں کو دیا کرتے تھے کہ:

﴿ إِن نَّقُولُ إِلَّا ٱعْتَرَىٰكَ بَعْضُ ءَالِهَتِنَا بِسُوٓءٍ ﴾ (هود۱۱/ ٥٤)

"ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تمہیں ہمارے بعض معبودوں کی بد دعا لگ گئی ہے۔"

اس کے جواب میں مشرکین کو وہ حقیقت یاد دلائی گئی جسے وہ خود رات دن دیکھتے رہتے تھے کہ ان کے یہ معبود نہ تو اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں نہ ذرا آگے پیچھے ہو سکتے ہیں۔ نہ خود اپنے اوپر سے کوئی تکلیف دفع کر سکتے ہیں تو بھلا یہ مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچائیں گے یا بھسم کریں گے؟

﴿ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ ءَاذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ٱدْعُوا۟ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ﴿١٩٥﴾ ﴾ (الأعراف۷/ ۱۹۵)

"کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے یہ چل سکتے ہیں یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑ سکتے ہیں یا آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکتے ہیں یا کان ہیں جن سے سن سکتے ہیں؟ اے نبی! کہہ دو کہ تم لوگ اپنے شرکاء کو پکارو پھر میرے اوپر اپنا داؤ چلاؤ اور مجھے مہلت نہ دو۔"

اسی قسم کے موقع پر ایک کھلی مثال بیان کی گئی۔ کہا گیا کہ:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَٱسْتَمِعُوا۟ لَهُۥٓ ۚ إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ لَن يَخْلُقُوا۟ ذُبَابًا وَلَوِ ٱجْتَمَعُوا۟ لَهُۥ ۖ وَإِن يَسْلُبْهُمُ ٱلذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ ٱلطَّالِبُ وَٱلْمَطْلُوبُ ﴿٧٣﴾ ﴾ (الحج۲۲/ ۷۳)

"لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے، غور سے سنو! اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ کسی طرح ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ خواہ اس کے لئے سب کے سب جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ چھڑا بھی نہیں سکتے۔ طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں۔"

اور فرمایا گیا:

﴿ مَثَلُ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ مِن دُونِ ٱللَّهِ أَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ ٱلْعَنكَبُوتِ ٱتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ ٱلْبُيُوتِ لَبَيْتُ ٱلْعَنكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُواْ يَعْلَمُونَ ۝٤١ ﴾ (العنکبوت٢٩/ ٤١)

"ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اللہ کے ماسوا کو اولیاء بنالیا ہے' اس مکڑی جیسی ہے جس نے گھر بنایا اور یقیناً سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔"

ان کے خداؤں کی اس بے بسی کو بعض مسلمانوں نے بھی بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا۔ کہا:

أَرَبٌّ يَبُوْلُ الثُّعْلُبَانُ بِرَأْسِهِ لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ

"بھلا ایسا بھی پروردگار (ہو سکتا ہے) کہ جس کے سر پر لومڑی پیشاب کرے؟ یقیناً جس کے سر پر لومڑیاں پیشاب کریں وہ ذلیل ہے۔"

لیکن جب نوبت اس کھلم کھلا نقد و تبصرے تک پہنچ گئی تو مشرکین بھڑک اٹھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو بھی گالیاں دیں اور ان کے پروردگار کو بھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ٹوکا کہ دوبارہ اس طرح کی بات نہ کہیں۔ فرمایا:

﴿ وَلَا تَسُبُّواْ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّواْ ٱللَّهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾

(الأنعام٦/ ١٠٨)

"اور (مشرکین) اللہ کے ماسوا جن کو پکارتے ہیں تم انہیں برا بھلا نہ کہو' ورنہ وہ (مشرکین) بھی دشمنی کے جوش اور نادانی میں اللہ کو گالیاں دیں گے۔"

بہرحال جب بحث و حجت سے کام بنتا نظر نہ آیا تو مشرکین نے طے کیا کہ اسلام کی دعوت کو بزور طاقت کچل دیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک دیں۔ چنانچہ بڑے لوگوں اور قبائل کے سرداروں نے اپنے اپنے قبیلے کے مسلمانوں کو اذیتیں دینی شروع کیں اور ان کا ایک وفد ابو طالب کے پاس گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اسلام کی تبلیغ سے منع کریں۔

مسلمانوں کو تعذیب

اس منصوبے کے تحت مسلمانوں کو ایسی ایسی تکلیفیں دی گئیں کہ ان کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل شق ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

- حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیہ ان کے گلے میں رسی ڈال کر بچوں کے حوالے کر دیتا اور وہ انہیں کھینچتے پھرتے۔ اس دوران بلال رضی اللہ عنہ اَحد اَحد کہتے رہتے۔ اس کے علاوہ امیہ ان کو دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں لے جاکر جلتی ریت یا پتھر پر ڈال کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا پھر کہتا کہ "یا تو محمد کے ساتھ کفر کر اور لات وعزیٰ کی پوجا کر یا اسی حالت میں پڑا پڑا مرجا۔" بلال کہتے "اَحد اَحد۔"

  ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے اور انہیں اسی طرح کی اذیت دی جارہی تھی تو انہیں خرید کر اللہ کے لئے آزاد کر دیا۔ [1]
- عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا جاتا اور اذیت دی جاتی کہ ان کی عقل جاتی رہتی اور انہیں کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ [2]
- ابو فکیہہ رضی اللہ عنہ جن کا نام افلح تھا، اور جو قبیلہ اَزد کے رہنے والے اور قبیلہ بنو عبدالدار کے غلام تھے۔ ان کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں پہنا کر دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں نکالتے اور کپڑے اتار کر جلتی ریت یا پتھر پر لٹا دیتے اور اوپر سے اتنا بھاری پتھر رکھ دیتے کہ ہل نہ سکیں اور اتنی دیر تک اسی حالت میں چھوڑے رکھتے کہ عقل کھو جاتی۔ انہیں مسلسل اسی طرح اذیتیں دی جاتی رہیں یہاں تک کہ دوسری ہجرت حبشہ میں وہ بھی ہجرت کر گئے۔ ایک بار اسی طرح ان کا بازو رسی سے

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۳۱۷، ۳۱۸، تلقیح ابن جوزی ص: ۶۱، ابن کثیر، تفسیر سورۃ النحل، آیت: ۱۰۶

[2] طبقات ابن سعد ۴/۲۴۸

باندھ کر گھسیٹتے ہوئے لے جایا گیا اور جلتی زمین پر ڈال کر اس طرح ان کا گلا گھونٹ دیا گیا کہ لگتا تھا مرگئے ہیں۔ اسی دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو انہیں بھی خرید کر اللہ کے لئے آزاد کر دیا۔ (۱)

- مشہور صحابی خباب بن ارت زمانۂ جاہلیت میں قید ہو کر آئے تھے۔ انہیں بنو خزاعہ کی ایک عورت ام انمار بنت سباع نے خرید لیا تھا۔ یہ لوہار تھے۔ جب مسلمان ہوئے تو ان کی مالکن لوہے کا جلتا ہوا ٹکڑا لے کر آتی اور پیٹھ پر ڈال دیتی تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کریں، مگر اس سے ان کا ایمان کچھ اور ہی بڑھ جاتا۔ انہیں مشرکین بھی سزائیں دیتے۔ کبھی گردن مروڑتے، کبھی بال نوچتے اور کئی بار تو جلتے ہوئے کوئلوں پر ڈال دیا جنہیں ان کی پیٹھ کی چربی ہی نے بجھایا۔ (۲)

- حضرت زنیرہ - بروزن صدیقہ۔ رضی اللہ عنہا ایک رومی لونڈی تھیں وہ مسلمان ہوئیں تو انہیں اللہ کی راہ میں اس قدر تکلیفیں دی گئیں کہ وہ اندھی ہو گئیں۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ تمہیں لات وعزیٰ کی مار پڑ گئی ہے۔ انہوں نے کہا نہیں واللہ! انہوں نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر وہ چاہے تو اسے دور کر سکتا ہے۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو واقعی اللہ نے ان کی بصارت بحال کر دی تھی۔ اس پر مشرکین کہنے لگے یہ تو محمد کا ایک جادو ہے۔ (۳)

- ام عبیس رضی اللہ عنہا بنو زہرہ کی ایک لونڈی تھیں۔ ان کا مالک اسود بن عبد یغوث انہیں ستایا کرتا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا کٹر دشمن تھا اور آپ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ (۴)

- بنو عدی کے عمرو بن مؤمل کی ایک لونڈی مسلمان ہوئیں تو انہیں عمر بن خطاب ستایا کرتے تھے۔ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ انہیں اتنا مارتے کہ تھک

---

(۱) اسد الغابہ ۵/۲۴۸، الاصابہ ۷/۸/۱۲۵ وغیرہ

(۲) اسد الغابہ ۱/۵۹۱، ۵۹۲، تلقیح، ص: ۶۰ وغیرہ

(۳) طبقات ابن سعد ۸/۲۵۶، سیرت ابن ہشام ۱/۳۱۸

(۴) الاصابہ ۷/۸/۲۵۸

جاتے۔ پھر چھوڑ کر کہتے کہ میں نے کسی مروت کی بنا پر نہیں' بلکہ مارتے مارتے اکتا گیا ہوں اس لئے چھوڑ دیا ہے۔ وہ کہتیں "تیرا رب بھی تیرے ساتھ ایسا ہی کرے گا۔" (۱)

اور جو جو لونڈیاں مسلمان ہوئیں اور انہیں ستایا گیا ان میں نہدیہ اور ان کی صاحبزادی رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں بنو عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔ (۲)

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال' عامر بن فہیرہ اور ابو فکیہہ رضی اللہ عنہم کی طرح ان سب لونڈیوں کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر ان کے والد ابو قحافہ نے بطور عتاب کہا میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور گردنیں آزاد کر رہے ہو' اگر طاقتور مردوں کو آزاد کرتے تو وہ تمہارا بچاؤ بھی کر سکتے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"میں اللہ کی رضا چاہتا ہوں۔"

اس پر اللہ نے ان کی تعریف اور ان کے دشمنوں کی مذمت میں قرآن اتارا' فرمایا:

﴿ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿٢١﴾ ﴾ (اللیل ۹۲/ ۱۴-۲۱)

"میں نے تم کو ڈرا دیا ہے ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے جس میں وہی بد بخت داخل ہو گا' جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ (یعنی امیہ بن خلف اور اس جیسے کام کرنے والے دوسرے لوگ) اور اس سے وہ پرہیز گار بچالیا جائے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کیلئے دیتا ہے۔ اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے کہ اسکا بدلہ دیا جارہا ہو' بلکہ اسکا مقصد محض اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اور وہ یقیناً راضی ہو جائے گا۔"

اور یہ ہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ' (۳) اللہ ان سے بھی راضی ہو' اور انہوں نے جن غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کیا ان سے بھی اور تمام صحابہ کرام سے بھی۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۳۱۹/۱' طبقات ابن سعد ۲۵۶/۸

(۲) سیرت ابن ہشام ۳۱۸/۱' ۳۱۹

(۳) سیرت ابن ہشام ۳۱۸/۱' ۳۱۹' طبقات ابن سعد ۲۵۶/۸' کتب تفسیر' تفسیر آیات مذکورہ۔

❀ ان کے علاوہ حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والدین رضی اللہ عنہم کو بھی سزائیں دی گئیں۔ یہ لوگ بنو مخزوم کے حلیف تھے' جن کا ایک سردار ابو جہل تھا۔ چنانچہ اس کی سرکردگی میں قبیلہ والے ان لوگوں کو سخت دھوپ کے وقت ابطح میں لے جاتے اور اس کی گرمی میں تپاتے۔ ایسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو فرماتے:

"آل یاسر! صبر کرنا' تمہارا ٹھکانا جنت ہے۔ اے اللہ! آل یاسر کو بخش دے"۔

اسی طرح عذاب سہتے سہتے یاسر اس دنیا سے چل بسے۔ وہ قبیلہ مذحج کی ایک شاخ عنس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کا نام عامر اور دادا کا نام مالک تھا۔

❀ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سُمَیَّہ بنت خیاط تھا -- رضی اللہ عنہا -- وہ ابو حذیفہ مخزومی کی لونڈی تھیں' بہت بوڑھی اور کمزور ہو چکی تھیں۔ انہیں کم بخت ابو جہل نے شرمگاہ میں نیزہ مارا جس سے وہ شہید ہو گئیں۔ اور یہ اسلام کی سب سے پہلی شہید ہیں۔

❀ باقی رہے عمار رضی اللہ عنہ تو عذاب ان کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ مشرکین سخت گرمی کے دنوں میں کبھی انہیں لوہے کی زرہ پہنا دیتے' کبھی سینے پر سرخ بھاری پتھر رکھ دیتے' کبھی پانی میں ڈبو دیتے' یہاں تک کہ ایک روز انہوں نے مجبوراً ان کے مطلب کی بات کہہ دی۔ لیکن دل ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ مَن كَفَرَ بِٱللَّهِ مِنۢ بَعۡدِ إِيمَٰنِهِۦٓ إِلَّا مَنۡ أُكۡرِهَ وَقَلۡبُهُۥ مُطۡمَئِنُّۢ بِٱلۡإِيمَٰنِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِٱلۡكُفۡرِ صَدۡرٗا فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٞ مِّنَ ٱللَّهِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٞ ﴿١٠٦﴾ ﴾ (النحل ١٦/ ١٠٦)

"جس شخص کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا' لیکن اس کے سوا جس کسی نے اللہ کے ساتھ کفر کیا' یعنی کھلے دل کے ساتھ کفر قبول کر لیا تو اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس کے لئے زبردست عذاب ہے۔"[1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ۳۱۹/۱' ۳۲۰' طبقات ابن سعد ۲۴۸/۳' ۲۴۹' تفسیر ابن کثیر' آیت مذکورہ' الدر المنثور' سورۃ النحل' تفسیر آیت: ۱۰۶

- اللہ کی راہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی اذیتیں دی گئیں۔ وہ بڑی ناز و نعمت میں پلے بڑھے تھے۔ اسلام لائے تو ان کی ماں نے ان کا کھانا پانی بند کر دیا' اور گھر سے نکال دیا۔ چنانچہ سانپ کی کچلی کی طرح ان کی چمڑی ادھڑ گئی۔ [۱]
- حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کو اس قدر تکلیف دی گئی کہ وہ اپنی عقل کھو بیٹھے۔ انہیں پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ [۲]
- حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو طرح طرح سے ستایا گیا۔ ان کا چچا ان کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھونی دیتا۔ [۳]
- ابوبکر اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما کو بھی ستایا گیا۔ نوفل بن خویلد نے اور کہا جاتا ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ کے بھائی عثمان بن عبیداللہ نے دونوں کو پکڑ کر ایک ہی رسی میں باندھ دیا۔ تاکہ نماز کی ادائیگی اور دین پر عمل پیرا ہونے سے باز رہیں مگر ان دونوں حضرات نے اس کی بات نہ مانی۔ پھر وہ حیرت سے دیکھتا ہے کہ دونوں کھلے ہوئے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ چونکہ دونوں ایک ساتھ رسی میں باندھے گئے تھے' اس لئے انہیں قرین کہا جاتا ہے۔ قرین کے معنی ہیں "ایک ساتھ ملائے گئے۔" [۴]

ابو جہل کا حال یہ تھا کہ وہ جب کسی باا ثر اور بچاؤ کی طاقت رکھنے والے آدمی کے اسلام لانے کی خبر سنتا تو اسے ڈانٹتا پھٹکارتا اور دھمکیاں دیتا کہ مال و عزت کو سخت نقصان پہنچاؤں گا اور اگر کمزور آدمی اسلام لاتا تو اسے خود بھی مارتا اور دوسروں کو بھی شہ دیتا۔ [۵] غرض جس کسی کے بھی مسلمان ہونے کا پتہ چلتا مشرکین اس کے درپے آزار ہو جاتے اور جہاں تک بس چلتا ستاتے اور تکلیفیں دیتے۔

---

[۱] اسد الغابہ ۴/۴۰۶' تلقیح' ص: ۶۰

[۲] الاصابہ ۳' ۴/۲۵۵' ابن سعد ۳/۲۴۸

[۳] رحمۃ للعالمین' ۱/۵۷

[۴] اسد الغابہ ۲/۴۶۸

[۵] سیرت ابن ہشام ۱/۳۲۰

یہ زیادتیاں تو کمزور اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہو رہی تھیں' لیکن بڑوں اور معزز لوگوں میں سے کوئی مسلمان ہوتا تو مشرکین کو بھی ہاتھ اٹھانے سے پہلے بار بار سوچنا پڑتا' چنانچہ ایسے مسلمان سے اس کے ہم پلہ لوگ ہی حد درجہ احتیاط اور سوچ وبچار کے بعد ٹکرانے کی جرأت کرتے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشرکین کا رویہ

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا رعب اور شرف و وقار دے رکھا تھا کہ لوگ زیادتی کی جرأت نہ کرپاتے تھے۔ مزید برآں کہ آپ کو ابو طالب کی حمایت وحفاظت بھی حاصل تھی۔ وہ قریش کے ایک عظیم سردار تھے' جن کی بات مانی جاتی تھی۔ اور ان کی ذمہ داری کا احترام کیا جاتا تھا۔ اسے توڑنے کی جرأت کسی میں نہ تھی۔ یہ بنو عبد مناف کے چوٹی کے انسان تھے اور قریش بلکہ سارا عرب اس خاندان کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتا تھا' اس لئے آپ کے اس تعلق سے مشرکین مجبور تھے کہ کوئی پر امن قدم اٹھائیں۔ چنانچہ انہوں نے ابو طالب سے گفت وشنید کا راستہ اپنایا' مگر کسی قدر سختی اور چیلنج لئے ہوئے۔

قریش اور ابو طالب کے درمیان گفتگو

قریش کے اشراف ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے کہا:

> "آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے ہمارے دین پر عیب لگاتا ہے' ہمیں بیوقوف ٹھہراتا ہے اور ہمارے باپ دادوں کو گمراہ کہتا ہے' لہٰذا یا تو آپ اسے روکیں یا ہمارے اور اس کے بیچ سے ہٹ جائیں' کیونکہ آپ بھی تو ہماری ہی طرح اس سے الگ دین پر ہیں' ہم اس سے نمٹ لیں گے۔"

جواب میں ابو طالب نے نرمی سے بات کی اور انہیں خوش اسلوبی سے واپس کر دیا' چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور رسول ﷺ اللہ کے دین پر کھلم کھلا کاربند رہ کر اس کی تبلیغ کرتے رہے۔ [1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ۲۶۵/۱

ابو طالب کو قریش کی دھمکی اور چیلنج

مگر جب قریش نے دیکھا کہ نبی ﷺ اپنے کام اور اپنی تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں تو وہ مزید صبر نہ کر سکے۔ انہوں نے باہم بڑی چہ میگوئیاں کیں اور شکوے کیے۔ پھر ابو طالب کے پاس جاکر عرض گزار ہوئے:۔

"ابو طالب! آپ ہم میں عمر رسیدہ ہیں اور شرف و منزلت رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ سے عرض کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو منع کریں' مگر آپ نے منع نہیں کیا۔ ہم بخدا یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے باپ داداوں کو برا بھلا کہا جائے۔ ہمیں بیوقوف قرار دیا جائے اور ہمارے معبودوں پر عیب لگائے جائیں' لہٰذا آپ یا تو انہیں منع کریں یا پھر ہم آپ کے اور اس کے دونوں کے مقابل اتر پڑیں گے اور اس وقت تک نہیں ٹلیں گے' جب تک کہ ایک فریق کا خاتمہ نہ ہو جائے۔"

یہ کہہ کر وہ لوگ واپس چلے گئے۔ ابو طالب کو یہ دھمکی اور چیلنج بڑا بھاری محسوس ہوا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو بلا کر ان کی بات سنائی اور کہا کہ:

"اب مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور میری طاقت سے زیادہ مجھ پر بوجھ نہ ڈالو۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ کمزوری دیکھی تو فرمایا:

"چچا جان! واللہ اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو بھی چھوڑ نہیں سکتا یہاں تک کہ یا تو اللہ اس (دین) کو غالب کر دے یا میں اسی راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔"

اس کے بعد آپ ﷺ کے آنسو نکل آئے اور آپ رو پڑے۔ یہ دیکھ کر ابو طالب کی محبت اور قوت ارادی پلٹ آئی۔ انہوں نے کہا:

"بھتیجے! جاؤ جو کہنا ہو کہو' واللہ! میں تمہیں کبھی کسی بھی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا۔" [1]

قریش کی عجیب و غریب تجویز اور ابو طالب کا دلچسپ جواب

قریش نے دیکھا کہ ان کی دھمکی کارگر

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۲۶۵' ۲۶۶' دلائل النبوۃ للبیہقی' ۲/۱۸۸

نہیں ہوئی' کیونکہ رسول اللہ ﷺ اپنا کام کئے جارہے ہیں اور ابو طالب ان کی مدد پر ڈٹے ہوئے ہیں' جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنے بھتیجے کی مدد کے بدلے قریش کی عداوت اور جدائی منظور ہے اور وہ لڑنے بھڑنے کے لئے تیار ہیں' اس لئے قریش کو ذرا توقف وتامل کرنا پڑا اور وہ دیر تک مشورہ کرتے رہے' آخر انہیں ایک عجیب وغریب تجویز سوجھی۔ قریش میں ایک شخص عمارہ بن ولید تھا۔ بڑا خوبصورت اور بانکا نوجوان اور جونواں کا سردار۔ یہ لوگ اسے ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا کہ:

"ابو طالب! آپ اس نوجوان کو ہم سے لے لیجئے اور اسے اپنا لڑکا قرار دے لیجئے۔ آپ اس کی مدد بھی کیجئے اور دیت بھی لیجئے اور ہمیں اس کے بدلے اپنا بھتیجا دے دیجئے۔ جو آپ کے دین اور آپ کے باپ دادا کے دین کا مخالف ہے اور جس نے آپ کی قوم میں پھوٹ ڈال رکھی ہے اور ان کی عقلوں کو بیوقوف قرار دے رکھا ہے۔ ہم اسے لے جاکر قتل کریں گے۔ بس یہ ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی کا معاملہ ہوا۔"

ابو طالب نے کہا:

"واللہ! تم لوگ انتہائی برا سودا کر رہے ہو۔ مجھے تو تم اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور مجھ سے میرا بیٹا مانگ رہے ہو کہ اس کو قتل کرو؟ اللہ کی قسم! یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" [1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۲۶۶' ۲۶۷

رسول اللہ ﷺ پر دست درازیاں

جب قریش ہر طرح ناکام اور مایوس ہو گئے' نہ ان کی دھمکی کام آئی نہ سودے بازی' تو انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ پر دست درازی شروع کر دی۔ اور مسلمانوں پر جو سختیاں وہ پہلے سے کرتے آرہے تھے ان میں اور اضافہ کر دیا۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ حشمت وعزت اور اکرام واحترام کا بلند مقام رکھتے تھے' اس لئے آپ پر دست درازی کی جرأت صرف بڑے بڑوں اور سرداروں نے کی' چھوٹوں اور عام لوگوں کو یہ جرأت نہ ہو سکی۔

آپ (ﷺ) کو گھر کے اندر جو لوگ تکلیف دیتے تھے ان کے نام یہ ہیں:

"ابو لہب' حکم بن ابی العاص بن امیہ' عقبہ بن ابی معیط' عدی بن حمراء ثقفی' ابن الاصداء ہذلی۔"

یہ سب آپ کے پڑوسی تھے۔ جب آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو ان میں سے کوئی شخص بکری کی بچہ دانی اٹھا کر آپ پر پھینک دیتا اور جب ہانڈی چولہے پر چڑھی ہوتی تو اس ہانڈی میں پھینک دیتا۔ آپ جواب میں صرف اتنا کرتے کہ اسے لکڑی پر اٹھا کر لاتے اور دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے کہ:

"اے بنو عبد مناف! یہ کیسا پڑوس ہے؟" پھر اسے راستے میں پھینک دیتے۔ [1]

❁ امیہ بن خلف جب آپ کو دیکھتا تو طعن وتشنیع کرتا۔ آنکھیں دبا کر ان سے اشارے کرتا اور لوگوں کو ہشکارتا۔ [2] اسی طرح اس کا بھائی ابی بن خلف دھمکیاں دیتا ہوا کہتا کہ:

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۴۱۶

[2] سیرت ابن ہشام ۱/۳۵۶' ۳۵۷

"اے محمد! میرے پاس عود نامی گھوڑا ہے جسے روزانہ تین صاع خوراک کھلاتا ہوں' اسی پر سوار ہو کر تجھے قتل کروں گا۔"

بالآخر آپ ﷺ نے ایک بار فرمایا کہ:

"بلکہ ان شاء اللہ میں تجھے قتل کروں گا۔"

اور ایسا ہی ہوا کہ احد میں آپ ہی نے اسے قتل کیا۔

ایک روز یہی ابی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لایا' اور اسے توڑ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف پھونک دیا۔ [1]

- ایک بار عقبہ بن ابی معیط نے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ کر کچھ سنا' یہ بات اس کے دوست ابی بن خلف کو معلوم ہوئی تو اس نے عتاب کیا اور کہا کہ نبی ﷺ کے چہرے پر جاکر تھوک آؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ [2]
- ابو لہب تو پہلے ہی دن سے آپ کا دشمن تھا اور آپ کے درپے آزار رہا کرتا تھا۔ اس کے دو بیٹے عتبہ اور عتیبہ کے عقد میں نبی ﷺ کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم تھیں۔ ابو لہب نے دونوں بیٹوں سے کہا کہ:

"اگر تم نے محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی تو میرا تمہارا آمنا سامنا حرام ہے۔"

اس کی بیوی نے بھی کہا کہ انہیں طلاق دے دو' کیونکہ وہ بددین ہو گئی ہیں۔

چنانچہ انہوں نے طلاق دیدی۔ [3]

- ابو لہب کی یہ بیوی ام جمیل اروی بنت حرب بھی رسول اللہ ﷺ کی کٹر دشمن تھی۔ وہ کانٹے دار ڈالیاں لاکر رات کو آپ کے راستے میں ڈال دیتی کہ آپ اور آپ کے ساتھی زخمی ہوں۔ [4]

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۳۶۱' ۳۶۲

[2] ایضاً' ایضاً

[3] سیرت ابن ہشام ۱/۶۵۲' طبرانی عن قتادہ--- وغیرہ

[4] سورۃ اللھب کی تفسیریں دیکھئے۔

اسے سورۂ ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ ﴾ کے اترنے کا پتہ چلا تو ہتھیلی میں پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکل پڑی۔ آپ ﷺ خانہ کعبہ کے پاس ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اللہ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ چنانچہ وہ صرف حضرت ابو بکر کو دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی:

تمہارا ساتھی کہاں گیا؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری ہجو کرتا ہے۔ واللہ! اگر اسے پا جاؤں گی تو یہی پتھر اس کے منہ پر دے ماروں گی۔ سن لو میں بھی شاعرہ ہوں' اس کے بعد یہ کہہ کر چلی گئی:

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا وَأَمْرَهُ أَبَيْنَا وَدِيْنَهُ قَلَيْنَا

"ہم نے "مذمم" کی نافرمانی کی اور اس کی بات کا انکار کیا اور اس کے دین کو نفرت سے چھوڑ دیا۔"

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا اس نے آپ کو نہیں دیکھا؟ آپ نے فرمایا: "نہیں۔ نہیں دیکھا۔ اللہ نے اس کی نگاہ پکڑ لی تھی۔" ①

قریش نے نبی ﷺ کو گالی دینے اور برا بھلا کہنے کا ایک طریقہ یہ بھی ایجاد کر رکھا تھا کہ وہ آپ کو محمد ﷺ کی بجائے "مذمم" کہتے تھے۔ جس کا معنی "محمد" کے بالکل الٹ ہے۔ "محمد" کے معنی ہے وہ شخص جس کی خوب تعریف کی گئی ہو۔ اور "مذمم" کے معنی ہے کہ وہ شخص جس کی خوب برائی کی گئی ہو۔ لیکن اللہ نے اسے آپ سے یوں پھیر دیا کہ وہ "مذمم" نامی آدمی کو گالی دیتے تھے جب کہ آپ کا نام "محمد" (ﷺ) تھا۔ ②

- اخنس بن شریق ثقفی بھی رسول اللہ ﷺ پر زیادتیاں کرتا تھا۔
- اور ابو جہل کا تو کہنا ہی کیا' کہ اس نے اللہ کی راہ سے روکنے کا بیڑہ اٹھا رکھا تھا۔ وہ نبی ﷺ کو اپنی باتوں سے اذیت پہنچاتا' نماز سے روکتا اور اپنی حرکتوں پر فخر و تکبر

---

① سیرت ابن ہشام ۱/۳۳۵' ۳۳۶' مستدرک حاکم ۲/۳۶۱' مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱/۴۹۸ حدیث ۱۱۸۱۷' مسند ابی یعلیٰ ۴/۲۴۶' حدیث ۲۳۵۸

② صحیح بخاری' مناقب (فتح الباری ۷/۱۶۲)' مسند احمد ۲/۲۴۴' ۳۴۰' ۳۶۹

کرتا۔ ایک روز نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو سختی پر اتر آیا اور دھمکیاں دینے لگا' بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈانٹ دیا اور گلے کے پاس سے کپڑا پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٥﴾ ﴾ (القیامۃ ۷۵/ ۳۴۔۳۵)

"تیرے لئے خرابی در خرابی ہے۔"

اس نے کہا:

"محمد! مجھے دھمکیاں دے رہے ہو؟ واللہ! تم اور تمہارا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں اس وادی (مکہ) کا سب سے طاقتور آدمی ہوں۔" [1]

ایک روز اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"محمد تمہارے سامنے اپنا چہرہ مٹی پر رکھتا ہے۔"

انہوں نے کہا: "ہاں۔" اس نے کہا: "لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو اس کی گردن روند دوں گا اور اس کا چہرہ مٹی پر رگڑ دوں گا۔"

اس کے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا' اور اس زعم میں چلا کہ آپ کی گردن روند دے گا' لیکن لوگوں نے اچانک کیا دیکھا کہ وہ ایڑی کے بل پلٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھوں سے بچاؤ کر رہا ہے۔ لوگوں نے کہا "ابو الحکم! تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگا "میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور ہولناکیوں اور پروں کے بازو ہیں۔" آپ نے فرمایا:

اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے۔" [2]

❁ ایسی ہی بدبختی عقبہ بن ابی معیط کے حصے میں بھی آئی۔ ایک بار رسول اللہ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے' اور ابو جہل اور اس کے ساتھی بیٹھے تھے۔ اتنے میں بعض نے بعض سے کہا:

---

[1] ترمذی' تفسیر سورۃ اقرأ حدیث ۳۳۴۹ (۵/ ۴۱۴)' تفسیر ابن جریر' ابن کثیر' الدر المنثور' آیت مذکورہ کی تفسیر۔ اور سورۃ اقرأ کی تفسیر۔

[2] صحیح مسلم' کتاب صفات المنافقین واحکامھم' حدیث ۳۸' (۴/ ۲۱۵۴)

”کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور جب محمد سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے؟ اس پر قوم کا بد بخت ترین آدمی عقبہ بن ابی معیط اٹھا‘ اور او جھڑی لا کر انتظار کرنے لگا۔ جب آپ نے سجدہ کیا تو دونوں کندھوں کے بیچ میں ڈال دی۔ پھر وہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ ادھر آپ سجدہ ہی میں رہے‘ سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ کی پیٹھ سے اوجھڑی دور پھینکی‘ تب آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ»

”اے اللہ تو قریش کو پکڑ لے۔“

یہ بد دعا ان پر شاق گزری‘ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ پھر آپ نے ایک ایک شخص کا نام لے لے کر بد دعا کی ”اے اللہ! فلاں کو پکڑ لے اور فلاں کو۔“ اور ہوا بھی یہی کہ وہ سب کے سب آئندہ بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ سے استہزاء کرنے والے پانچ بڑے بڑے لوگ تھے۔ ولید بن مغیرہ مخزومی‘ اسود بن عبد یغوث زہری‘ ابو زمعہ اسود بن عبد المطلب اسدی‘ حارث بن قیس خزاعی اور عاص بن وائل سہمی۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ ان کے شر سے بچاؤ کے لئے تنہا اللہ آپ کو کفایت کرے گا۔ پھر ان میں سے ہر ایک پر ایسی بلا نازل کی جو عبرت و نصیحت سے بھرپور تھی۔

- چنانچہ ولید کو چند سال پہلے سے تیر کی ایک خراش لگی ہوئی تھی جو بالکل معمولی تھی‘ مگر جبریل علیہ السلام نے اس خراش کے نشان کی طرف اشارہ کر دیا اور وہ پھوٹ پڑی اور کئی سال اذیت و تکلیف پہنچانے کے بعد جان لیوا ثابت ہوئی۔
- اسی طرح اسود بن عبد یغوث کے سر کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا تو اس کو پھوڑے نکل آئے۔ اور انہی پھوڑوں سے اس کی موت واقع ہو گئی اور کہا جاتا ہے کہ اسے لو لگ گئی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا‘ جس سے اسے استسقاء کی بیماری ہو گئی اور پیٹ اس قدر

---

(۱) صحیح بخاری‘ حدیث ۲۴۰‘ ۵۲۰‘ ۲۹۳۴‘ ۳۱۸۵‘ ۳۸۵۴‘ ۳۹۶۰

پھول گیا کہ بالآخر اسی سے وہ مر گیا۔

اسود بن عبد المطلب نے جب رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں پہنچا پہنچا کر بہت تنگ کر دیا تو آپ نے بددعا کی کہ:

''اے اللہ! اس کی نگاہ چھین لے اور اسے لڑکے سے محروم کر دے۔''

چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور اس کے چہرے پر کانٹے دار پتے یا ڈالی سے مارا اور اس کی نگاہ جاتی رہی۔ پھر اس کے لڑکے کو مارا اور وہ مر گیا۔

عاص بن وائل ایک کانٹے دار درخت پر بیٹھ گیا۔ اس کا کانٹا پاؤں کے تلوے سے اندر داخل ہو گیا۔ اور زہر سر تک دوڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ اسی سے مر گیا۔ [1]

یہ ان سختیوں کا ایک مختصر سا خاکہ ہے جو کھلم کھلا تبلیغ کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ اس پیچیدہ صورت حال کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے دو قدم اٹھائے۔

دار الارقم

پہلا قدم یہ تھا کہ آپ نے ارقم بن ابی الارقم مخزومی کے گھر کو تبلیغ وعبادت اور تعلیم وتربیت کا خفیہ مرکز بنا دیا کیونکہ وہ بدمعاشوں کی نگاہوں سے دور صفا کے دامن میں واقع تھا۔ چنانچہ وہاں آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خفیہ طور پر اکٹھا ہوتے۔ ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت فرماتے۔ ان کا تزکیہ کرتے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتے۔ اس تدبیر سے بہت سے ایسے حادثات سے بچاؤ ہو گیا کہ اگر آپ کھلے طور پر اکٹھا ہوتے تو ان کے پیش آنے کا غالب امکان تھا۔ باقی جہاں تک نبی ﷺ کی اپنی ذات کا تعلق ہے تو آپ مشرکین کے بیچوں بیچ کھلم کھلا اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے اور اس کے دین کی دعوت بھی دیتے تھے۔ اس سے نہ آپ کو کوئی ظلم وزیادتی روک سکتی تھی نہ مذاق اور استہزاء۔ یہ اللہ کی حکمت تھی تاکہ جو ایمان لائے اسے بھی دعوت پہنچ جائے اور جو ایمان نہ لائے اسے بھی۔ اور اس تبلیغ کے بعد کسی کے لئے اللہ کے خلاف حجت باقی نہ رہ جائے اور قیامت کے روز کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے اور

[1] کتب تفاسیر: ابن جریر، ابن کثیر، الدر المنثور وغیرہ، تفسیر سورۃ الحجر آیت ۹۵ اور اس کے بعد۔

ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔

ہجرت حبشہ

دوسرا قدم یہ تھا کہ آپ نے یہ اچھی طرح معلوم کر لینے کے بعد کہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک انصاف پسند حکمراں ہے اور اس کے پاس کسی پر ظلم نہیں ہوتا' مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں۔ [1]

اس ہدایت کے مطابق رجب سنہ ۵ نبوت میں مسلمانوں کے پہلے قافلے نے ہجرت کی۔ اس میں بارہ مرد چار عورتیں اور ان کے سردار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے' نیز ان کے ساتھ ان کی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں' جو نبی ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور یہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد پہلا گھرانہ تھا جس نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی تھی۔ [2]

یہ لوگ رات کے اندھیرے میں چپکے سے نکلے اور جدہ کے جنوب میں واقع شعیبہ کی بندرگاہ کا رخ کیا۔ قسمت کی بات ہے کہ وہاں دو تجارتی جہاز موجود تھے۔ یہ لوگ ان پر سوار ہو کر حبشہ پہنچ گئے۔

ادھر قریش کو ان کے بھاگنے کا پتہ لگا تو غیظ وغضب سے پھٹ پڑے' فوراً آدمی دوڑائے کہ انہیں پکڑ کر مکہ لایا جائے اور خوب خوب سزا دی جائے' یہاں تک کہ وہ اللہ کا دین چھوڑ دیں۔ لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے مسلمان سمندر میں دور جا چکے تھے' لہٰذا یہ لوگ ساحل تک جاکر نامراد واپس آ گئے۔ [3]

مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کا سجدہ

اس ہجرت کے کوئی دو مہینے بعد رمضان سنہ ۵ نبوت میں ایک روز رسول اللہ ﷺ مسجد حرام تشریف لائے۔ اس وقت کعبہ کے آس پاس قریش کے بہت سارے لوگ جمع تھے۔ ان میں ان کے سردار اور بڑے بڑے لوگ بھی تھے۔ ''سورۂ نجم'' ابھی تازہ بتازہ اتری تھی۔ آپ

---

[1] السنن الکبریٰ' بیہقی ۹/۹

[2] زاد المعاد ۱/۲۴

[3] ایضاً

نے ان کے درمیان اچانک کھڑے ہو کر اس کی تلاوت شروع کر دی۔ ایسا نفیس کلام انہوں نے کبھی سنا نہ تھا۔ اب جو اچانک کانوں سے ٹکرایا تو انہیں بے خود کر گیا۔ وہ دم بخود ہو کر سنتے کے سنتے رہ گئے۔ خاموش' مبہوت' نہ روکنے کا یارا' نہ ٹوکنے کا ہوش۔ بلکہ سورۃ کے آخر میں جب ڈانٹ ڈپٹ والی آیتیں آئیں تو دلوں پر کپکپی طاری ہو گئی۔ ہوش اڑتے محسوس ہوئے۔ اور جیسے ہی آپ نے یہ پڑھ کر سجدہ کیا کہ:

﴿ فَٱسۡجُدُواْ لِلَّهِ وَٱعۡبُدُواْ ۩ ﴿٦٢﴾ ﴾ (النجم٥٣/ ٦٢)

"اللہ کے لئے سجدہ کرو اور عبادت کرو۔"

تو سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے' کسی کو اس حکم ربانی سے سرتابی کا یارا نہ رہا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ "نبی ﷺ نے "سورۂ نجم" پڑھی' پھر سجدہ کیا تو قوم کا کوئی فرد نہ بچا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ ایک آدمی نے ایک مٹھی کنکری یا مٹی لی اور اسے اپنے چہرے کے اوپر تک لے گیا اور کہا میرے لئے یہی کافی ہے۔ بعد میں میں نے دیکھا کہ وہ حالت کفر میں مارا گیا۔ یہ امیہ بن خلف تھا' جو بدر کے روز مارا گیا۔" [1]

مہاجرین کی واپسی

اس واقعہ کی خبر حبشہ پہنچی' لیکن خاصے فرق کے ساتھ۔ یعنی انہیں معلوم ہوا کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں' چنانچہ وہ خوشی خوشی مکہ پلٹے' لیکن جب مکہ سے اتنے قریب آگئے کہ صرف ایک گھڑی کا فاصلہ باقی رہا تو حقیقت حال کا علم ہوا۔ اس کے بعد کچھ لوگ تو وہیں سے حبشہ پلٹ گئے اور کچھ لوگ چھپ چھپا کر یا کسی کی پناہ لے کر مکہ آئے۔ [2]

دوسری ہجرت حبشہ

اس کے بعد مسلمانوں پر قریش کی سختیاں اور بڑھ گئیں کیونکہ ایک طرف انہوں نے بے خودی میں مسلمانوں کے ساتھ جو سجدہ کر دیا تھا اس کا انہیں پچھتاوا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ساتھ نجاشی جو حسن سلوک

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ١٠٦٧' ١٠٧٠' ١٠٧١' ٣٨٥٣' ٣٩٧٢' ٤٨٦٢' ٤٨٦٣

[2] سیرت ابن ہشام ١/ ٣٦٤' زادالمعاد ١/ ٢٤' ٢/ ٤٤

کر رہا تھا اس کی بھی انہیں جلن تھی، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ "وہ دوبارہ حبشہ ہجرت کر جائیں" چنانچہ اب کی بار بیاسی یا تراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے ہجرت کی اور ظاہر ہے کہ یہ ہجرت پہلی ہجرت سے زیادہ پر مشقت تھی، کیونکہ قریش چوکنا تھے اور مسلمانوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے، لیکن مسلمان ان سے کہیں زیادہ چوکنا، باحکمت اور ٹھوس قدم ثابت ہوئے اور ان کی ساری دھر پکڑ کے باوجود حبشہ کو نکل گئے۔

مسلمانوں کی واپسی کے لئے قریش کا حربہ

قریش پر یہ بات بہت گراں گزری کہ مسلمان ان سے چھوٹ کر ایک ایسی محفوظ جگہ جا پہنچے ہیں جہاں ان کی جان اور ایمان کو کوئی خطرہ نہیں، چنانچہ ان کی واپسی کیلئے قریش نے اپنے دو ہوشیار آدمیوں یعنی عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ربیعہ کو حبشہ بھیجا۔ یہ دونوں اس وقت مشرک تھے۔

انہوں نے حبشہ پہنچ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق سب سے پہلے پادریوں سے ملاقاتیں کیں اور انہیں تحفے تحائف پیش کر کے مدلل اور مؤثر انداز میں اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ ان سب نے حامی بھر لی۔ اس کے بعد نجاشی کے پاس آئے اور اسے بھی تحفے تحائف پیش کئے۔ پھر اصل مقصد کے لئے زبان کھولی اور کہا:

"بادشاہ سلامت! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ نا سمجھ نوجوان بھاگ آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے، جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ، اس لئے ہمیں آپ کی خدمت میں ان کی قوم کے اشراف یعنی ان کے والدین، چچاؤں اور کنبے قبیلے کے لوگوں نے بھیجا ہے تاکہ آپ انہیں واپس بھیج دیں، کیونکہ وہ لوگ ان پر سب سے اونچی نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی خامی اور خرابی کو سب سے اچھی طرح سمجھتے ہیں۔"

جب ان کی یہ بات پوری ہو چکی تو پادریوں نے بھی منصوبے کے مطابق ان کی تائید کی۔ لیکن نجاشی نے احتیاط برتی اور سوچا کہ دونوں فریق کی بات سننی چاہئے تبھی حق واضح

ہو سکے گا' چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلایا اور پوچھا کہ "یہ کیا دین ہے جس کی وجہ سے تم اپنی قوم سے الگ ہو گئے ہو' لیکن نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ ان ملتوں ہی میں سے کسی کے دین میں داخل ہوئے ہو؟

اس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر بن ابو طالب نے بات کی۔ انہوں نے کہا:

"بادشاہ! ہم جاہلیت والی قوم تھے۔ بت پوجتے تھے' مردار کھاتے تھے' برائیاں کرتے تھے' قرابت داروں سے تعلق توڑتے تھے' پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے' ہمارا طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا' ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ ہم اس کی عالی نسبی' سچائی' امانت اور پاک دامنی کو جانتے تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اسے ایک مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے' امانت ادا کرنے' قرابت جوڑنے' پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے اور حرام کاری وخون ریزی سے باز رہنے کا حکم دیا اور بے حیائی کے کاموں سے' جھوٹ بولنے سے' یتیم کا مال کھانے سے اور پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز اور زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے اور بہت سے احکام بھی گنوائے۔ پھر کہا کہ ہم نے اس پیغمبر کو سچا مانا' اس پر ایمان لائے' اس کی پیروی کی اور اس کے لائے ہوئے دین الٰہی میں اس کا اتباع کیا۔ چنانچہ ہم نے صرف ایک اللہ کی عبادت کی' اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جو چیزیں اس نے حرام بتائیں انہیں حرام مانا' اور جو چیزیں حلال بتائیں انہیں حلال مانا۔ اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی۔ اس نے ہم پر ظلم وستم کیا اور ہمیں دین سے پھیرنے کے لئے فتنوں اور سزاؤں سے دوچار کیا' تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بت پرستی کی طرف پلٹ جائیں اور جن گندی چیزوں کو حلال سمجھتے تھے انہیں

پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انہوں نے ہم پر بہت قہر و ظلم کیا' زمین تنگ کر دی' ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی اور آپ کو دوسروں پر ترجیح دی اور آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کے پاس ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔"

نجاشی نے یہ بات سنی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کچھ قرآن پڑھنے کی فرمائش کی۔ انہوں نے "کھیعص" یعنی سورۂ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ اس پر نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی اور تمام پادری بھی اس قدر روئے کہ ان کے صحیفے تر ہو گئے۔ پھر نجاشی نے کہا "یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے' دونوں ایک طاق شمع سے نکلے ہوئے ہیں۔"

اس کے بعد قریش کے دونوں نمائندوں کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم لوگ چلے جاؤ۔ واللہ! میں ان کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا اور نہ ان کے خلاف کوئی چال چلی جا سکتی ہے۔

دوسرے دن عمرو بن عاص نے ایک خطرناک تدبیر اختیار کی۔ نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک بڑی بات کہتے ہیں۔

اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلوایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ہم ان کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو نبی ﷺ لے کر آئے ہیں یعنی وہ اللہ کے بندے ہیں' اس کے رسول' اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری' پاک دامن مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا تھا۔"

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا:

"اللہ کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے اس سے عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے برابر بھی بڑھ کر نہ تھے۔ جاؤ' تم لوگ میرے قلمرو میں امن و امان سے رہو۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ جو تمہیں گالی دے گا اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ جو تمہیں گالی

دے گا اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ مجھے سونے کا پہاڑ ملے تو بھی گوارا نہیں کہ تم میں سے کسی کو ستاؤں۔"

اس کے بعد حکم دیا کہ قریش کے نمائندوں کو ان کے تحفے تحائف واپس کر دیئے جائیں' چنانچہ یہ دونوں صاحبان منہ لٹکائے مکہ واپس لوٹے اور مسلمانوں نے اچھے دیار میں اچھے ہمسائے کے ساتھ قیام کیا۔ (۱)

مشرکین کی حیرت

اس ناکامی پر مشرکین نے بہت پیچ و تاب کھایا اور چاہا کہ باقی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ بالخصوص وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ نبی ﷺ اپنی تبلیغ کا کام کیے جا رہے ہیں' لیکن وہ یہ دیکھ کر الجھن میں پڑ جاتے تھے کہ سخت سے سخت دھمکی کے باوجود ابو طالب آپ کی مدد پر کمربستہ ہیں اور ان سے ٹکرانا آسان نہیں' اس لئے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں۔ کبھی خونخواری کا جذبہ غالب آتا اور نبی ﷺ کو اور بچے کھچے مسلمانوں کو سزائیں دینے لگتے' تو کبھی بحث و مناظرہ کا دروازہ کھول دیتے۔ کبھی دنیا کی پرکشش چیزوں کی پیشکش کرتے تو کبھی کچھ لو کچھ دو کے اصول پر سودے بازی کرتے اور کبھی سوچتے کہ نبی ﷺ کا صفایا کر کے اسلام کا چراغ گل کر دیں' مگر ان میں سے کوئی بات بن نہ سکی اور کسی طرح مراد پوری نہ ہو سکی' بلکہ ان ساری کوششوں کا نتیجہ ناکامی و نامرادی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اگلی سطور میں ہر ایک کا مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

تعذیب اور قتل کی کوشش

یہ فطری بات تھی کہ ناکامی کی صورت میں مشرکین کا جذبۂ خونخواری مزید بھڑک اٹھتا' چنانچہ اب صرف یہی نہیں کہ انہوں نے بچے کھچے مسلمانوں پر ظلم وجور کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیئے' بلکہ رسول اللہ ﷺ پر بھی مزید سنگین دست درازیاں کیں۔

- چنانچہ ایک بار عتیبہ بن ابی لہب نبی ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ وہ ﴿ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ﴾ "پھر وہ (جبریل علیہ السلام) نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ بس دو

(۱) سیرت ابن ہشام ۱/۳۳۴' ۳۳۸

کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا' بلکہ اس سے بھی کم۔" والے کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہو گیا۔ آپ کا کرتا پھاڑ دیا اور آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا' البتہ تھوک خود اسی پر پلٹ آیا۔ آپ نے فرمایا: "یا اللہ! تو اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا چھوڑ دے۔"

اس کے بعد وہ ایک قافلے کے ساتھ ملک شام گیا۔ جب قافلے نے راستے میں ملک شام کے مقام زرقاء پر پڑاؤ ڈالا تو ایک شیر نے ان کا چکر لگایا۔ عتیبہ کہنے لگا "یہ واللہ! مجھے کھا جائے گا' جیسا کہ محمد نے مجھ پر بد دعا کی ہے۔ میں شام میں ہوں' وہ مکہ میں ہے' لیکن اس نے مجھے مار ڈالا۔" چنانچہ جب وہ لوگ سونے لگے تو عتیبہ کو اپنے بیچوں بیچ سلایا۔ پھر بھی شیر نے اونٹوں اور انسانوں کو پھلانگتے ہوئے ٹھیک اسی کا سر آ دبوچا اور اسے مار ڈالا۔ (۱)

- اسی طرح ایک بار نبی ﷺ سجدہ فرما تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آ کر آپ کی گردن مبارک اپنے پاؤں سے اس زور سے روندی کہ معلوم ہوتا تھا آنکھیں نکل پڑیں گی۔ (۲)

واقعات کی رفتار سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین نے اسلامی دعوت روکنے کی مختلف کوششوں میں ناکامیوں کے بعد سنجیدگی کے ساتھ یہ بھی سوچنا شروع کر دیا تھا کہ نبی ﷺ کو قتل کر دیں' خواہ اس کے نتیجے میں زبردست خونریزی کی نوبت ہی کیوں نہ آجائے اور یہ اس بات سے مترشح ہے کہ ایک روز ابو جہل نے قریش سے کہا کہ:

> "آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ محمد ہمارے دین کو عیب لگانے' ہمارے آباؤ اجداد کی بدگوئی کرنے' ہماری عقلوں کو بیوقوف ٹھہرانے اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے کے علاوہ کوئی بات ماننے کو تیار نہیں' اس لئے میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ایک بھاری بھرکم اور بمشکل اٹھنے والا پتھر لے کر اس کی تاک میں بیٹھوں گا اور جب وہ نماز

---

(۱) الاصابہ' دلائل النبوۃ' مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ ص ۱۳۵

(۲) مختصر السیرۃ ص ۱۱۳

میں سجدے کے اندر جائے گا تو اس سے اس کا سر کچل دوں گا۔ اس کے بعد تم لوگوں کا جی چاہے تو مجھے بچانا ورنہ بے یار و مددگار چھوڑ دینا' بنو عبد مناف سے جو بن پڑے گا کر لیں گے۔" لوگوں نے کہا "واللہ! ہم تمہیں ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔"

اس کے بعد صبح ہوئی تو ابو جہل ویسا ہی ایک پتھر لے کر بیٹھ گیا۔ ادھر نبی ﷺ معمول کے مطابق تشریف لائے اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی۔ قریش بھی اپنی اپنی محفلوں میں آکر انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں ابو جہل کیا کرتا ہے۔ اب ابو جہل نے قدم اٹھائے اور آگے بڑھا' لیکن جوں ہی قریب پہنچا تو اس طرح شکست کھا کر بھاگا کہ رنگ اڑا ہوا' حواس باختہ اور دونوں ہاتھ پتھر پر چپکے ہوئے تھے۔ اس نے پتھر پھینک دیا۔ قریش نے کہا:

"ابو الحکم! تمہیں یہ کیا ہوا؟"

کہنے لگا "میں نے رات جو بات کہی تھی وہی کرنے جا رہا تھا' لیکن ایک اونٹ آڑے آگیا۔ واللہ! میں نے اس جیسی کھوپڑی گردن اور دانت تو کبھی دیکھے ہی نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ مجھے کھا جائے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کہ وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے' اگر وہ قریب آتا تو دھر پکڑتے۔" [1]

اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سنگین حادثہ پیش آیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک روز قریش حطیم میں اکٹھا ہو کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نمودار ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف شروع کر دیا۔ دوران طواف جب ان کے قریب سے گزرے تو انہوں نے طعنہ زنی کی۔ اس کا اثر آپ کے چہرے پر دیکھا گیا۔ جب دوبارہ گزرے تو پھر انہوں نے طعنہ زنی کی' اور اس کا اثر بھی آپ کے چہرے پر دیکھا گیا' اس کے بعد تیسری بار گزرے تو اس بار بھی انہوں نے طعنہ زنی کی۔ اب کی بار آپ نے ٹھہر کر فرمایا:

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱/۲۹۸' ۲۹۹

"قریش کے لوگو! سن رہے ہو؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمہارے پاس ذبح لے کر آیا ہوں۔"

آپ کی اس بات کا ان پر گہرا اثر ہوا کہ سکتہ طاری ہو گیا گویا ان کے سروں پر پرندہ آ بیٹھا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے بارے میں جو سب سے کڑا آدمی تھا وہ بھی اچھی سے اچھی بات کہہ کر آپ کو منانے لگا۔

اگلے دن یہ لوگ پھر اکٹھا ہو کر آپ ہی کی باتیں کر رہے تھے کہ اچانک آپ نمودار ہوئے۔ دیکھتے ہی سب کے سب آپ پر دوڑ پڑے۔ آپ کی چادر سمیٹ کر پکڑ لی اور کہنے لگے:

"تم ہی ہو جو ہم کو ہمارے باپ دادا کے معبودوں سے روکتے ہو؟"

آپ نے فرمایا "ہاں میں ہی ہوں۔" یہ سنتے ہی سب کے سب آپ پر پل پڑے۔ کوئی للکار رہا تھا' کوئی زدوکوب کر رہا تھا اور کوئی کچھ اور۔ عقبہ بن ابی معیط نے لپک کر آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور گلے میں لپیٹ کر بل دیتے ہوئے نہایت سختی سے گلا گھونٹا۔

ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس اطلاع پہنچی کہ اپنے ساتھی کو بچاؤ۔ وہ دوڑ کر آئے۔ عقبہ کو دونوں کندھوں سے پکڑا اور دھکے دے کر نبی ﷺ سے الگ کیا۔ پھر وہ کسی کو مار رہے تھے' کسی سے لڑ رہے تھے اور کہتے جارہے تھے تم پر افسوس! تم ایک آدمی کو اس لئے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے؟ اب کفار نبی ﷺ کو چھوڑ کر ابوبکر پر پلٹ پڑے اور انہیں اس قدر مارا کہ ان کے چہرے اور ناک میں تمیز مشکل ہو گئی۔ ان کے چار چوٹیاں تھیں۔ ان کو چھوا جاتا تو ہاتھ میں آجاتی تھیں' چنانچہ بنو تیم ان کو کپڑے میں لپیٹ کر لے گئے اور گھر میں داخل کر دیا۔ انہیں ان کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا' لیکن سرشام وہ بول پڑے اور بولے تو رسول اللہ ﷺ کا حال پوچھا۔ اس پر بنو تیم نے انہیں ملامت کی اور وہاں سے چلے گئے۔

اس کے بعد ان پر کھانا پانی پیش کیا گیا' لیکن انہوں نے اس وقت تک کھانے پینے سے انکار کر دیا جب تک کہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ نہ لیں۔ چنانچہ جب رات کا سناٹا چھا گیا اور

لوگ پر سکون ہو گئے تو انہیں دار ارقم میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچایا گیا۔ انہوں نے جب آپ ﷺ کو بخیر پایا تو کھانا پینا گوارا کیا۔ [1]

یوں جب ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سختی بہت بڑھ گئی اور زندگی کی راہیں دشوار ہو گئیں تو وہ ہجرت حبشہ کے ارادے سے نکل پڑے۔ بَرْک غِمَاد پہنچے تو قارہ اور احابیش [2] کے سردار مالک بن دغنہ سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے ارادہ دریافت کیا' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا تو کہنے لگا:

"آپ جیسا آدمی نکالا نہیں جا سکتا' آپ خالی ہاتھ والوں کا بندوبست کرتے ہیں' صلہ رحمی کرتے ہیں' بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے (کے سلسلہ میں پیش آنے والے) مصائب میں مدد کرتے ہیں' لہٰذا میں آپ کا ضامن ہوں۔ آپ واپس چلیں اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔"

اس کے بعد دونوں واپس آئے اور ابن دغنہ نے قریش میں اعلان کیا کہ اس نے ابوبکر کو پناہ دی ہے۔ قریش نے اس کی پناہ دہی کا انکار نہ کیا' البتہ یہ کہا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ کھلم کھلا نہیں بلکہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں' کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہماری عورتیں' بچے اور کمزور لوگ فتنے میں نہ پڑ جائیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر کچھ عرصہ اس پر برقرار رہے۔ پھر انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی اور کھلے عام نماز پڑھنے اور قراءت کرنے لگے۔ اس پر ابن دغنہ نے اپنی پناہ دہی یاد دلائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی پناہ واپس کر دی اور فرمایا:

"میں اللہ کی پناہ میں راضی ہوں۔"

ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت رونے والے آدمی تھے' قرآن پڑھتے تو آنکھوں پر قابو نہ رہتا' چنانچہ

---

[1] سیرت ابن ہشام ۲۸۹/۱' ۲۹۰' صحیح بخاری' باب ذکر ما لقی النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم و اصحابہ من المشرکین بمکۃ' مختصر السیرۃ شیخ عبداللّٰہ ص :۱۱۳' الدرالمنثور وغیرہ کتب تفسیر' تفسیر سورۃ المؤمن' آیت: ۲۸

[2] قارہ ایک مشہور قبیلے کا نام ہے اور احابیش چند عرب قبائل کا مجموعہ ہے جنہیں حبشی نامی پہاڑ کے پاس باہمی تعاون کا معاہدہ کرنے کی وجہ سے احابیش کہا جاتا ہے۔

مشرکین کی عورتیں اور بچے ٹوٹ پڑتے' وہ تعجب کرتے اور حیرت سے دیکھتے اور مشرکین اس کی وجہ سے بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ایذائیں پہنچاتے۔ (۱)

انہی سنگین حالات سے رسول اللہ ﷺ اور مسلمان گزر رہے تھے کہ ایسے واقعات پیش آئے جن کے نتیجے میں قریش کے دو جانباز سرفروش مسلمان ہو گئے اور ان کی قوت کے سائے میں مسلمانوں نے بڑی راحت پائی۔ وہ ہیں رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ بن عبد المطلب اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ان کے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہے کہ ایک دن ابو جہل کوہ صفا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو آپ کو ایذا پہنچائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کے سر پر ایک پتھر بھی دے مارا جس سے خون بہہ نکلا۔ پھر وہ خانہ کعبہ کے پاس قریش کی ایک مجلس میں جا بیٹھا۔ عبد اللہ بن جدعان کی ایک لونڈی کوہ صفا پر واقع اپنے مکان سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت حمزہ کمان حمائل کیے شکار سے واپس تشریف لائے تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت حمزہ دوڑتے ہوئے ابو جہل کے سر پر جا سوار ہوئے اور بولے:

"او اپنے چوتڑ سے پاد نکالنے والے! تو میرے بھتیجے کو گالی دیتا ہے' حالانکہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں۔"

اس کے بعد اسے اس زور سے کمان ماری کہ اس کے سر پر بدترین قسم کا زخم آ گیا۔ اس پر دونوں قبیلے بنو مخزوم اور بنو ہاشم ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھے' مگر ابو جہل نے یہ کہہ کر معاملہ ٹھنڈا کر دیا کہ ابو عمارہ یعنی حضرت حمزہ کو جانے دو۔ میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو بہت بری گالی دی تھی۔ (۲)

ظاہر ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام محض حمیت کے طور پر تھا۔ گویا کسی قصد و ارادے کے بغیر زبان سبقت کر گئی تھی' لیکن پھر اللہ نے ان کا سینہ اسلام کے لئے کھول

---

(۱) صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۰۵۔

(۲) سیرت ابن ہشام ۲۹۱/۱' ۲۹۲

دیا۔ وہ قریش کے بڑے معزز اور مضبوط جوان تھے' یہاں تک کہ ان کا لقب اسد اللہ (اللہ کا شیر) پڑ گیا۔ وہ ذی الحجہ سنہ ۶ نبوت میں مسلمان ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین ہی دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے۔ وہ اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے خلاف بہت ہی سخت گیر تھے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھپ کر چند آیتیں سن لیں۔ ان کے دل میں آیا کہ یہ حق ہے'[1] لیکن اپنے عناد پر قائم رہے' حتیٰ کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کرنے کی نیت سے تلوار لے کر نکل پڑے۔ راستے میں ایک آدمی سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے پوچھا عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے:

"محمد کو قتل کرنے جارہا ہوں۔"

اس نے کہا "محمد (ﷺ) کو قتل کر کے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟"

حضرت عمر نے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی بے دین ہو چکے ہو۔"

اس نے کہا "عمر! حیرت کی بات نہ بتاؤں؟ تمہارے بہن بہنوئی بھی تمہارا دین چھوڑ چکے ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ میں بھرے ہوئے سیدھے بہن' بہنوئی کا رخ کیا۔ وہاں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سورۃ طٰہٰ پر مشتمل ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی تو وہ گھر کے اندر چھپ گئے اور ان کی بہن نے صحیفہ چھپا دیا۔ اندر پہنچے تو پوچھا "یہ کیسی بھنبھناہٹ تھی جو میں نے تم لوگوں کے پاس سنی؟"

انہوں نے کہا "کچھ بھی نہیں' بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "غالباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو۔"

بہنوئی نے کہا "اچھا عمر! یہ بتاؤ کہ اگر حق تمہارے دین کے ماسوا میں ہو تو؟"

---

[1] تاریخ عمر بن الخطاب از ابن جوزی ص: ۶' ۹' ۱۰۔ اور اسی کے قریب قریب سیرت ابن ہشام ۳۴۶/۱' ۳۴۸ میں ہے۔

اتنا سننا تھا کہ حضرت عمر اپنے بہنوئی پر چڑھ بیٹھے اور انہیں بری طرح کچل دیا۔ بہن نے لپک کر انہیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو ایسا چانٹا مارا کہ چہرہ خون آلودہ ہو گیا۔ بہن نے جوش غضب میں کہا "عمر! اگر حق تیرے دین کے ماسوا میں ہو تو؟"

أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ

"میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں (ﷺ)۔"

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مایوسی و ندامت ہوئی' انہیں شرم آئی اور انہوں نے کہا:

"تمہارے پاس جو کتاب ہے ذرا مجھے بھی دو' میں بھی پڑھوں۔"

بہن نے کہا "تم ناپاک ہو۔ اور اسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اٹھو! غسل کرو۔"

انہوں نے اٹھ کر غسل کیا' پھر کتاب لی اور "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھی۔ کہنے لگے:

"یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں۔"

اس کے بعد طٰہ سے:

﴿ إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعۡبُدۡنِي وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكۡرِيٓ ﴿١٤﴾ ﴾
(طٰہ ۲۰/ ۱٤)

تک قراءت کی۔ کہنے لگے "یہ تو بڑا عمدہ اور بڑا محترم کلام ہے۔ مجھے محمد کا پتہ بتاؤ۔"

یہ سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ باہر آگئے کہنے لگے:

"عمر! خوش ہو جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعرات کی رات تمہارے متعلق جو دعا کی تھی (کہ اے اللہ! عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام میں سے جو تیرا محبوب ہو اس کے ذریعہ اسلام کو قوت پہنچا) یہ وہی ہے۔"

پھر بتلایا کہ "اس وقت رسول اللہ ﷺ کوہ صفا کے پاس دار ارقم میں ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل کر دار ارقم کے پاس آئے اور دروازہ کو دستک دی۔ ایک آدمی نے دروازہ سے جھانکا تو دیکھا کہ عمر تلوار حمائل کیے موجود ہیں۔ لپک کر رسول اللہ

ﷺ کو اطلاع دی اور سارے لوگ سمٹ کر یکجا ہو گئے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا ''عمر ہیں۔'' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''بس عمر ہے۔ دروازہ کھول دو۔ اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو ہم اسے خیر عطا کریں گے اور اگر کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔''

ادھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف فرما تھے آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو اندر سے بیٹھک میں تشریف لائے اور تلوار کے پر تلے سمیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کپڑا پکڑ کر سختی سے جھٹکتے ہوئے فرمایا:

''عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر بھی ویسی ہی ذلت و رسوائی اور عبرت ناک سزا نازل نہ فرما دے جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے؟ یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ یا اللہ! اس عمر بن خطاب کے ذریعہ اسلام کو عزت و قوت عطا فرما۔''

حضرت عمر نے کہا:

«أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس پر گھر کے اندر سے موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مسجد حرام والوں کو سنائی پڑی۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام پر مشرکین کا رد عمل

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر شہ زور تھے کہ کوئی ان کا رخ نہ کرتا تھا۔ چنانچہ جب وہ مسلمان ہوئے تو قریش کا جو آدمی رسول اللہ ﷺ کی عداوت اور مسلمانوں کی ایذاء رسانی میں سب سے سخت تھا یعنی ابوجہل' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور دروازے کو دستک دی۔ وہ باہر آیا اور دیکھ کر بولا:

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/ ۳۴۳-۳۴۶' تاریخ عمر بن الخطاب ص ۷' ۱۰' ۱۱

«أَهْلاً وَسَهْلاً»

"خوش آمدید۔ کیسے آنا ہوا؟"

بولے: "اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں بتاؤں کہ میں اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں۔"

یہ سنتے ہی اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رخ پر دروازہ بند کر لیا اور کہا: "اللہ تیرا برا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا برا کرے۔" (۱)

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کے پاس گئے اور اسے بتلایا تو وہ گھر کے اندر گھس گیا۔ (۲)

اس کے بعد جمیل بن معمر جمحی کے پاس گئے۔ یہ شخص کسی بات کا ڈھول پیٹنے میں پورے قریش کے اندر سب سے ممتاز تھا۔ اسے بتایا کہ آپ مسلمان ہو گئے ہیں تو اس نے بلند آواز سے چیخ کر کہا کہ "خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ جھوٹ کہتا ہے۔ "میں مسلمان ہو گیا ہوں۔" بہرحال یہ سن کر لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو مار رہے تھے اور لوگ حضرت عمر کو مار رہے تھے۔ یہاں تک کہ سورج سروں پر آ گیا اور حضرت عمر تھک کر بیٹھ گئے۔ (۳)

اس کے بعد جب گھر واپس ہوئے تو مشرکین نے اس ارادے سے اکٹھا ہو کر ان کے گھر کا رخ کیا کہ انہیں جان سے مار ڈالیں۔ ان کا ریلا اتنا زبردست تھا کہ وادی بہہ اٹھی تھی۔ اسی اثنا میں عاص بن وائل سہمی آ گیا۔ بنو سہم حضرت عمر کے قبیلے بنو عدی کے حلیف تھے۔ وہ دھاری دار یمنی چادر کا جوڑا اور ریشمی گوٹے سے آراستہ کرتہ زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت عمر نے کہا "میں مسلمان ہو گیا ہوں" اس لئے آپ

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۳۴۹/۱، ۳۵۰

(۲) تاریخ عمر بن خطاب، ص: ۸

(۳) ابن حبان (مرتب) ۱۶/۹، سیرت ابن ہشام ۳۴۸/۱، ۳۴۹، المعجم الاوسط، طبرانی ۱۷۲/۲ حدیث: ۱۳۱۵، تاریخ عمر بن الخطاب، ص: ۸

کی قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔" عاص نے کہا "یہ ممکن نہیں۔"

اس کے بعد باہر نکلا' دیکھا کہ لوگوں کے ریلے سے وادی بہہ پڑی ہے۔ پوچھا "کہاں کا ارادہ ہے؟ لوگوں نے کہا یہ خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔" عاص نے کہا "اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔" (یعنی تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) یہ سنتے ہی لوگ واپس پلٹ گئے۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے انہوں نے بڑی عزت وقوت محسوس کی۔ اس سے پہلے مسلمان چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ وہ مسلمان ہوئے تو انہوں نے کہا:

اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں خواہ زندہ ہیں خواہ مردہ؟

آپ نے فرمایا "کیوں نہیں؟"

انہوں نے کہا "پھر چھپنا کیسا؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' ہم ضرور نکلیں گے۔"

چنانچہ مسلمان نبی ﷺ کو ہمراہ لے کر دو صفوں میں نکلے' ایک میں حضرت حمزہ اور ایک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ ان کے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا' یہاں تک کہ مسجد حرام میں جا داخل ہوئے۔ قریش نے دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق پڑ گیا۔ [2]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے حضرت عمر نے اسلام قبول کیا ہم برابر طاقتور اور باعزت رہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ہم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے' یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ [3]

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۸۶۴' ۳۸۶۵

[2] تاریخ عمر بن الخطاب' ۶'۷

[3] صحیح بخاری' حدیث: ۳۶۸۴' ۳۸۶۳

"جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اسلام ظاہر ہوا۔ اس کی علانیہ دعوت دی گئی۔ ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے اور اس کا طواف کیا اور جس نے ہم پر سختی کی اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب دیا۔" [1]

پرکشش مرغوبات کی پیشکش

حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مسلمان ہو جانے کے بعد جب مشرکین نے مسلمانوں کی قوت و شوکت دیکھی تو باہم مشورے کے لئے اکٹھے ہوئے' تاکہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے بارے میں مناسب ترین قدم اٹھا سکیں۔ ان سے عتبہ بن ربیعہ نے' جو بنی عبد شمس سے تعلق رکھتا تھا اور اپنی قوم کا سردار و صاحب فرمان تھا' کہا:

"قریش کے لوگو! کیوں نہ میں محمد ﷺ کے پاس جا کر ان سے گفتگو کروں اور ان پر چند باتیں پیش کروں۔ ممکن ہے وہ کوئی چیز قبول کر لیں۔ تو وہ چیز ہم انہیں دے دیں گے اور وہ ہم سے باز رہیں گے۔"

لوگوں نے کہا "ٹھیک ہے ابو الولید! آپ جائیے اور ان سے بات کیجئے۔"

اس کے بعد عتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ مسجد میں تنہا بیٹھے تھے۔ اس نے کہا "بھتیجے! ہماری قوم میں تمہارا جو مرتبہ و مقام ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ تم حسب و نسب کے لحاظ سے ہمارے بہترین آدمی ہو اور اب تم اپنی قوم کے پاس ایک بڑا معاملہ لے کر آئے ہو' جس کی وجہ سے تم نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ ان کی عقلوں کو حماقت زدہ کہا ہے' ان کے معبودوں اور ان کے دین کی عیب چینی کی ہے اور ان کے گزرے ہوئے آباؤ اجداد کو کافر ٹھہرایا ہے' لہٰذا میری بات سنو! میں تم پر چند چیزیں پیش کر رہا ہوں۔ ان پر غور کرو' ہو سکتا ہے ان میں سے کوئی چیز قبول کر لو۔"

آپ ﷺ نے فرمایا "ابو الولید! کہو' میں سنوں گا۔" اس نے کہا "بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تم چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اور اگر تم اعزاز

[1] تاریخ عمر بن الخطاب' ص: ۱۳

و مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں' یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملے کا فیصلہ نہ کریں گے۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔ اور اگر تمہارے اندر خواہش نفس ہے تو قریش کی جو عورت چاہو منتخب کر لو' ہم دس عورتوں سے تمہاری شادی کیئے دیتے ہیں۔ [1] اور اگر یہ جو تمہارے پاس آتا ہے کوئی جن بھوت ہے جسے تم دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمہارے لئے اس کا علاج فراہم کیئے دیتے ہیں۔ اور اس پر اتنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں کہ تم شفا یاب ہو جاؤ' کیونکہ کبھی کبھی جن بھوت انسان پر غالب آجاتا ہے اور اس کا علاج کروانا پڑتا ہے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا "ابو الولید! تم اپنی بات کہہ چکے؟"

اس نے کہا "ہاں۔"

آپ نے فرمایا "اب میری بات سنو!"

اس نے کہا "ٹھیک ہے سنوں گا۔"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

﴿ حمٓ ﴿١﴾ تَنزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٢﴾ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٣﴾ بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٤﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ ﴿٥﴾ ﴾ (فصلت ٤١/ ١-٥)

"شروع اللہ کے نام سے جو مہربان اور رحم کرنے والا ہے ○ حم ○ یہ رحمٰن و رحیم کی

---

[1] ایسی ہی پیش کشوں پر آپ نے فرمایا کہ "اگر وہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج لاکر رکھ دیں اور بائیں پر چاند (یعنی مجھے مال سے لاد دیں) پھر بھی میں اپنا مشن نہیں چھوڑں گا مگر یہاں پیش کشوں کا ذکر ہے' جواب کا نہیں۔

طرف سے نازل کی ہوئی ایسی کتاب ہے' جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی
ہیں۔ عربی قرآن' ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں' بشارت دینے والا اور ڈرانے
والا ہے۔ لیکن اکثر لوگوں نے اعراض کیا اور وہ سنتے نہیں۔ کہتے ہیں کہ جس چیز کی
طرف تم بلاتے ہو اس کے لئے ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور ہمارے کانوں میں
بوجھ ہے۔ اور ہمارے اور تمہارے درمیان روک ہے۔ پس تم کام کئے جاؤ' ہم بھی کام
کئے جا رہے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ آگے پڑھتے گئے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے سنتا رہا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:

﴿ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ﴿١٣﴾ ﴾
(فصلت ۴۱ / ۱۳)

"پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو کہ میں تمہیں عاد و ثمود کی کڑک جیسی ایک
کڑک کے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں۔"

تو عتبہ نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے منہ پر رکھ دیا اور اللہ اور قرابت کا واسطہ دے کر کہا کہ "ایسا نہ کریں۔" اسے ڈر تھا کہ کہیں یہ عذاب آ نہ پڑے۔ اس نے کہا "اتنا کافی ہے۔"

پھر جب رسول اللہ ﷺ آیت سجدہ پر پہنچے تو سجدہ کیا۔ پھر فرمایا "ابو الولید! تم نے سن لیا؟" اس نے کہا "ہاں! میں نے سن لیا۔" آپ نے فرمایا "اب تم ہو اور وہ ہے۔"

عتبہ اٹھا اور سیدھا اپنے ساتھیوں کا رخ کیا۔ انہوں نے آپس میں کہا "واللہ! (عتبہ) تمہارے پاس وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا جو لے کر گیا تھا۔" پھر جب ان کے درمیان آ بیٹھا تو انہوں نے کہا "ابو الولید! پیچھے کی کیا خبر ہے؟ اس نے کہا:

"پیچھے کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے کہ واللہ! میں نے ویسا کلام کبھی
نہیں سنا۔ واللہ! نہ وہ شعر ہے' نہ جادو' نہ کہانت۔ قریش کے لوگو! میری بات مانو! اور
اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ (میری رائے یہ ہے کہ) اس شخص کو اس کے حال پر

چھوڑ کر الگ تھلگ بیٹھ رہو۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کا جو قول سنا ہے اس سے زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ اب اگر اس شخص کو عرب نے مار ڈالا تو تمہارا کام دوسروں کے ذریعہ انجام پا جائے گا۔ اور اگر یہ شخص عرب پر غالب آگیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور اس کا وجود سب سے بڑھ کر تمہارے لئے سعادت کا باعث ہو گا۔"

لوگوں نے کہا "ابو الولید! واللہ! اس نے تم پر بھی جادو کر دیا ہے۔"

اس نے کہا "اس شخص کے بارے میں میری رائے یہی ہے۔ اب تم جو چاہو کرو۔" [1]

سودے بازیاں اور دست برداریاں

تحریص و ترغیب میں اس ناکامی کے بعد مشرکین نے سوچا کہ دین کے بارے میں سودے بازی کی جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے کہا:

"ہم آپ پر ایک بات پیش کرتے ہیں جس میں آپ ہی کی بہتری ہے۔"

آپ نے پوچھا "وہ کیا ہے؟"

انہوں نے کہا "ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ اب اگر ہم حق پر ہیں تو آپ نے اس سے ایک حصہ لے لیا اور اگر آپ حق پر ہیں تو ہم نے اس سے ایک حصہ لے لیا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ ﴿ قل یا ایھا الکافرون ﴾ نازل فرمائی:

آپ کہہ دیں اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو' نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے' اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔"

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/ ۲۹۳' ۲۹۴' المعجم الصغیر طبرانی' ۱/۲۶۵' ابن کثیر' تفسیر سورۂ مذکورہ

اور یہ بھی نازل فرمایا:

﴿ قُلْ أَفَغَيْرَ ٱللَّهِ تَأْمُرُوٓنِّىٓ أَعْبُدُ أَيُّهَا ٱلْجَٰهِلُونَ ﴿٦٤﴾ ﴾ (الزمر٣٩/ ٦٤)

"اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔"

اور یہ بھی نازل فرمایا:

﴿ قُلْ إِنِّى نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ ﴾ (الأنعام٦/ ٥٦)

"آپ کہہ دیں مجھے منع کیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو میں ان کی عبادت کروں۔"[1]

مشرکین اختلاف ختم کرنے کے خواہاں تھے اور عتبہ بن ربیعہ نے جو امید ظاہر کی تھی اس کی توقع بھی رکھتے تھے' لہٰذا انہوں نے مزید دست برداری کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ جو کچھ پیش فرما رہے تھے اسے قبول کرنے کا میلان بھی ظاہر کیا۔ البتہ آپ ﷺ کے پاس جو وحی آئی تھی اس میں قدرے تغیر و تبدل کی شرط لگائی۔ کہا:

﴿ ٱئْتِ بِقُرْءَانٍ غَيْرِ هَٰذَآ أَوْ بَدِّلْهُ ﴾ (یونس١٠/ ١٥)

"اس کے بجائے کوئی اور قرآن لائیے۔ یا اس میں تبدیلی کر دیجئے۔"

اللہ نے آپ کو حکم دیا:

﴿ قُلْ مَا يَكُونُ لِىٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِىٓ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَىَّ ۖ إِنِّىٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّى عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ ﴾

(یونس١٠/ ١٥)

"آپ کہہ دیں مجھے کوئی اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے' اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔"

نیز اللہ نے اس کی سنگینی پر آپ کو متنبہ کیا اور نبی ﷺ کے دل میں بعض خیالات جو گزر

---

[1] سیرت ابن ہشام ١/٣٦٢' تفسیر ابن جریر' سورۃ الزمر' آیت: ٦٤' تفسیر سورۃ الکافرون' الدر المنثور' آیات مذکورہ

رہے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَإِن كَادُوا۟ لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ ٱلَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ عَلَيْنَا غَيْرَهُۥ ۖ وَإِذًا لَّٱتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَآ أَن ثَبَّتْنَٰكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَّأَذَقْنَٰكَ ضِعْفَ ٱلْحَيَوٰةِ وَضِعْفَ ٱلْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ٧٣-٧٥)

"اور بیشک قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو اس چیز کے متعلق فتنے میں ڈال دیتے جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے' اور تب یقیناً یہ لوگ آپ کو گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک گئے ہوتے' لیکن ایسی صورت میں ہم آپ کو زندگی کا دوگنا اور موت کا دوگنا (عذاب) چکھاتے۔ پھر آپ اپنے لئے ہمارے برخلاف کسی کو مددگار نہ پاتے۔"

ان ٹھوس مواقف سے مشرکین پر یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی ﷺ واقعی دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ آپ کوئی تاجر نہیں' جو قیمت کے بارے میں سودے بازی یا دست برداری قبول کر لیتا ہے' لہٰذا انہوں نے چاہا کہ ایک اور طریقے سے اس بات کو مزید پختہ کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے یہود کے پاس نمائندے بھیجے کہ وہ نبی ﷺ کے بارے میں ان سے دریافت کریں۔ علمائے یہود نے کہا "اس سے تین باتیں پوچھو اگر وہ بتا دے تو واقعی نبی مرسل ہے' ورنہ بناوٹی ہے۔"

"اس سے چند جوانوں کے بارے میں پوچھو جو زمانۂ اول میں گزر چکے ہیں کہ ان کا کیا واقعہ ہے؟ کیونکہ ان کا بڑا عجیب واقعہ ہے اور اس سے ایک گردش کرنے والے آدمی کے متعلق پوچھو جو زمین کے مشرق و مغرب تک پہنچا تھا کہ اس کی کیا خبر ہے؟ اور اس سے روح کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیا ہے؟"

چنانچہ سرداران قریش نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ سوالات رکھے۔ جواب میں "سورۂ کہف" نازل ہوئی' جس میں ان جوانوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ اصحاب کہف ہیں۔ اور اس گردش کرنے والے آدمی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ ذو القرنین ہے۔ اس

کے علاوہ "سورۂ اسراء" میں روح کے متعلق سوال کا جواب نازل ہوا' فرمایا گیا:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ٨٥)

"یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمہیں علم سے بہت تھوڑا (حصہ) دیا گیا ہے۔"[1]

یہ امتحان اس بات پر قریش کے مطمئن ہونے کے لئے کافی تھا کہ محمد ﷺ واقعی رسول برحق ہیں بشرطیکہ وہ حق چاہتے' لیکن ان ظالموں نے کفر ہی کی راہ اپنائی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب ان پر حقائق واضح ہو گئے اور حق کھل گیا تو انہوں نے کچھ لچک ظاہر کی۔ چنانچہ انہوں نے نبی ﷺ کی بات سننے پر آمادگی کا اظہار کیا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ ممکن ہے وہ اسے مان لیں اور قبول کر لیں' لیکن یہ شرط لگائی کہ ان کیلئے مخصوص مجلس ہو جس میں کمزور مسلمان حاضر نہ ہوں۔ یعنی وہ غلام اور مساکین وہاں نہ آئیں جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے' کیونکہ اس کا مطالبہ کرنے والے مکہ کے سادات و اشراف تھے اور انہیں گوارا نہ تھا کہ ان مسکینوں کے ساتھ بیٹھیں جو اصحاب ایمان و تقویٰ ہونے کے باوجود کمزور اور غلام تھے۔

اور شاید نبی ﷺ ان کے اس مطالبے کو قبول کرنے پر کسی قدر آمادہ بھی ہوئے کہ ممکن ہے اس طرح وہ ایمان لے آئیں' لیکن اللہ نے آپ کو منع کر دیا اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِٱلْغَدَوٰةِ وَٱلْعَشِىِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُۥ ۖ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَىْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَىْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ ٱلظَّـٰلِمِينَ ﴿٥٢﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ٥٢)

"جو لوگ اپنے رب کی مرضی چاہتے ہوئے اسے صبح و شام پکارتے ہیں' آپ انہیں (اپنی مجلس سے) نہ ہٹائیں۔ آپ پر ان کا کوئی حساب نہیں اور ان پر آپ کا کوئی حساب نہیں' آپ انہیں ہٹائیں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔"[2]

---

[1] سیرت ابن ہشام ۲۹۹/۱' ۳۰۱

[2] تفسیر آیت مذکورہ از ابن جریر' ابن کثیر' الدر المنثور

عذاب کی جلدی

نبی ﷺ نے بعض اوقات مشرکین کو یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر وہ آپ ﷺ کی مخالفت پر مصر رہے تو اللہ کا عذاب بھی آسکتا ہے۔ چنانچہ جب اس عذاب میں تاخیر ہوئی تو انہوں نے مذاق اور ضد کے طور پر عذاب کی جلدی مچانی شروع کی اور اس بات کا مظاہرہ کیا کہ ان پر اس دھمکی کا نہ کوئی اثر ہے اور نہ یہ کبھی پوری ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بھی چند آیات نازل کیں۔ فرمایا:

﴿ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾ ﴾ (الحج ٢٢/ ٤٧)

"یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی مچارہے ہیں اور اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہ کرے گا اور بے شک تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک دن تمہارے حساب کے مطابق ہزار برس کے برابر ہے۔"

نیز فرمایا:

﴿ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٥٤﴾ ﴾ (العنکبوت ٢٩/ ٥٤)

"یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی (کا مطالبہ) کر رہے ہیں' حالانکہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔"

مزید فرمایا:

﴿ أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٧﴾ ﴾ (النحل ١٦/ ٤٥_٤٧)

"کیا جن لوگوں نے برے مکر کئے ہیں وہ اس بات سے نڈر ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے' یا ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آجائے جسے وہ نہیں جانتے' یا ان کو ان کی آمد و رفت کے دوران دھر پکڑے کہ وہ عاجز کرنے والے نہیں ہیں' یا ان کو

ڈراوے کے ساتھ پکڑ لے؟ تو بیشک تمہارا رب نرم خو رحیم ہے۔"

مشرکین کا ایک مخاصمتی حربہ یہ بھی تھا کہ وہ عناد کے طور پر اور عاجز کرنے کی غرض سے معجزات اور خرق عادت نشانیاں طلب کرتے تھے۔ اللہ نے اس بارے میں وحی نازل کر کے اپنی سنت بیان کر دی اور ان کی حجت کا خاتمہ کر دیا۔ آئندہ صفحات میں ان شاء اللہ اس کا بھی کسی قدر بیان آئے گا۔

یہ وہ قسم قسم کی کوششیں تھیں' جن کے ذریعہ مشرکین نے نبی ﷺ کی رسالت اور دعوت کا مقابلہ کیا اور ان سب کو پہلو بہ پہلو آزمایا۔ وہ ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک دور سے دوسرے دور کی طرف پلٹتے رہتے تھے۔ سختی سے نرمی کی طرف تو نرمی سے سختی کی طرف' جھگڑے سے سودے بازی کی طرف تو سودے بازی سے جھگڑے کی طرف' ترہیب سے ترغیب کی طرف تو ترغیب سے تخویف کی طرف' وہ بھڑکتے' پھر ڈھیلے پڑ جاتے' حجت بازی کرتے' پھر روا داری برتتے' خم ٹھونک کر للکارتے پھر کچھ لو کچھ دو پر اتر آتے' دھمکیاں دیتے' پھر مرغوبات پیش کرتے' گویا وہ ایک قدم آگے بڑھتے' ایک قدم پیچھے ہٹتے' نہ انہیں قرار تھا نہ وہ فرار ہی پسند کرتے تھے۔ ان سب کا مقصود یہ تھا کہ اسلام کی دعوت روک دی جائے اور کفر کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر سے جڑ جائے' لیکن وہ ساری کوشش کر کے بھی ناکام ونامراد ہی رہے۔ اب ان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا اور وہ تھی تلوار' لیکن تلوار سے شیرازہ اور منتشر ہی ہوتا' بلکہ ایسی خونریزی شروع ہو سکتی تھی جو ان کی جڑ ہی صاف کر دیتی' اس لئے انہیں حیرت تھی کہ وہ کریں تو کیا کریں؟

جہاں تک ابو طالب کا تعلق ہے' تو ان کے سامنے جب مشرکین کا یہ مطالبہ آیا کہ وہ نبی ﷺ کو قتل کرنے کے لئے ان کے حوالے کر دیں' پھر انہیں مشرکین کی نقل وحرکت سے یہ محسوس ہوا کہ وہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کے عزائم رکھتے ہیں۔ مثلاً ابو جہل' عقبہ بن ابی معیط اور عمر بن خطاب کے اقدامات۔ تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو المطلب کو اکٹھا کر کے انہیں نبی ﷺ کی حفاظت کی دعوت دی۔ جس پر ان کے مسلم وکافر سب نے لبیک کہا اور خانہ کعبہ کے پاس اس کا عہد وپیمان کیا۔ صرف ابو لہب نے اپنی علیحدہ راہ اختیار کی اور

ان سے الگ ہو کر قریش کے ساتھ ہو رہا۔ [1]

مکمل بائیکاٹ

مشرکین کی حیرت اور بڑھ گئی' کیونکہ ان کی ساری تدبیریں ختم ہو گئیں اور انہوں نے یہ دیکھا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب' خواہ کچھ بھی ہو وہ نبی ﷺ کی حفاظت اور بچاؤ کا مصمم عزم کئے ہوئے ہیں' لہٰذا وہ اس صورت حال پر غور کرنے اور اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے خیف بنی کنانہ میں جمع ہوئے اور سر جوڑ کر مشورہ کیا' بالآخر ایک ظالمانہ حل سمجھ میں آگیا اور اسی پر آپس میں عہد وپیمان کر لیا۔ وہ حل یہ تھا کہ:

"وہ لوگ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا بائیکاٹ کریں اور یہ عہد کریں کہ ان کے ساتھ نہ شادی بیاہ کریں گے' نہ ان سے خرید وفروخت کریں گے' نہ ان سے بات چیت کریں گے' نہ کبھی کسی طرح کی کوئی صلح قبول کریں گے' نہ ان کے ساتھ کسی طرح کی مروت برتیں گے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کے لئے ان کے حوالے کر دیں۔"

قریش نے اس قرار داد پر باہم عہد وپیمان کیا اور اس کے متعلق ایک صحیفہ لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔ لکھنے والا بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر بددعا کی اور اس کا ہاتھ یا ہاتھ کی بعض انگلیاں شل ہو گئیں۔ [2]

اس کے بعد ابو لہب کو چھوڑ کر سارے بنو ہاشم اور بنو المطلب' خواہ مسلم ہوں یا کافر' شعب ابی طالب میں سمٹ آئے۔ ان کا چارہ پانی بند کر دیا گیا اور تاجروں کو ان کے ساتھ لین دین سے منع کر دیا گیا۔ چنانچہ یہ لوگ سخت مشقت میں پڑ گئے' یہاں تک کہ درختوں کے پتے اور چمڑے کھائے اور فاقوں پر فاقے کئے' حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کے بھوک سے بلکنے کی آوازیں باہر سے سنی جاتی تھیں۔ ان کے پاس کوئی چیز پہنچ نہیں سکتی تھی۔ اگر پہنچتی بھی تھی تو چھپ چھپا کر' چنانچہ حکیم بن حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے کبھی کبھی گیہوں بھجوا دیتا تھا۔ یہ لوگ گھاٹی سے صرف حرام مہینوں (حرمت کے مہینے) میں ہی

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۲۶۹

[2] زاد المعاد' ۲/۴۶' نیز دیکھئے صحیح بخاری' حدیث: ۱۵۸۹' ۱۵۹۰' ۳۸۸۲' ۴۲۸۴' ۴۲۸۵' ۷۴۷۹

باہر نکلتے اور باہر سے آئے ہوئے قافلوں سے کچھ خرید و فروخت کرتے تھے' لیکن اہل مکہ ان کے سامان کی قیمت اس قدر بڑھا کر لگا دیتے تھے کہ یہ لوگ خرید نہ سکیں۔

ادھر رسول اللہ ﷺ ان ساری سختیوں کے باوجود اللہ کی طرف مسلسل دعوت دے رہے تھے' بالخصوص ایام حج میں جب کہ عرب قبائل ہرچہار جانب سے مکہ آتے تھے۔

صحیفہ چاک اور بائیکاٹ ختم

کوئی تین برس بعد اس ظلم کے خاتمے کا وقت آیا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف پانچ "اشراف قریش" کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ صحیفہ چاک کر کے بائیکاٹ ختم کر دیں اور دوسری طرف دیمک بھیج کر اس صحیفہ میں جو کچھ قطع رحمی اور ظلم و ستم تھا اسے چٹ کرا دیا اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نام اور ذکر باقی رہا۔

پانچ "اشراف قریش" میں سے پہلا ہشام بن عمرو بن حارث تھا جو بنو لؤی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شخص زہیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس گیا' جو نبی ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کا بیٹا تھا۔ پھر مطعم بن عدی کے پاس گیا۔ پھر ابو البختری بن ہشام کے پاس گیا۔ پھر زمعہ بن اسود کے پاس گیا اور ان میں سے ہر ایک کو رشتہ و قرابت یاد دلائی۔ ظلم قبول کرنے پر ملامت کی اور صحیفہ چاک کرنے پر ابھارا۔ لہٰذا یہ سب حجون کے ناکے پر جمع ہوئے اور صحیفہ چاک کرنے کے لئے ایک متفقہ پروگرام طے کیا۔

چنانچہ صبح کو جب قریش کی محفلیں مسجد حرام میں جم گئیں تو زہیر ایک جوڑا زیب تن کئے ہوئے آیا۔ اس نے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا' پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا:

"مکے والو! کیا ہم کھانا کھائیں' کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہوں' نہ وہ بیچ سکیں' نہ خرید سکیں۔ واللہ! میں بیٹھ نہیں سکتا یہاں تک کہ ظالمانہ اور قرابت شکن صحیفے کو چاک کر دیا جائے۔"

ابو جہل نے کہا "تم غلط کہتے ہو' واللہ! اسے چاک نہیں کیا جا سکتا۔"

زمعہ نے کہا: "واللہ! تم زیادہ غلط کہتے ہو۔ یہ جب لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس کے لکھنے پر راضی نہ تھے۔"

اس پر ابو البختری نے کہا "زمعہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے نہ ہم راضی ہیں' نہ اسے ماننے کو تیار ہیں۔"

اب مطعم بن عدی کی باری تھی اس نے کہا "تم دونوں ٹھیک کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ ہم اس صحیفہ سے اور اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے اللہ کے حضور براءت کا اظہار کرتے ہیں۔"

پھر ہشام بن عمرو نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

یہ ماجرا دیکھ کر ابو جہل نے کہا "یہ بات رات میں طے کی گئی ہے اور اس کا مشورہ کہیں اور کیا گیا ہے۔"

اس دوران ابو طالب بھی مسجد کے ایک گوشے میں موجود تھے۔ وہ یہ بتلانے آئے تھے کہ نبی ﷺ نے انہیں خبر دی ہے کہ اللہ نے ان کے صحیفے پر دیمک مسلط کر دی ہے' جس نے ظلم وجور اور قطع رحمی کی ساری باتیں چٹ کر دی ہیں' صرف اللہ کا ذکر باقی چھوڑا ہے۔ اب اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم تمہارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں اور اگر سچے ہیں تو تم ہمارے بائیکاٹ اور ظلم سے باز آؤ۔ قریش نے کہا: "آپ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں۔"

ادھر مطعم بن عدی ابو جہل کا جواب دینے کے بعد اٹھا کہ صحیفہ چاک کرے تو کیا دیکھتا ہے کہ واقعی اسے کیڑوں نے کھالیا ہے۔ صرف "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" اور جہاں جہاں "اللہ" کا نام تھا وہی باقی بچا ہے' لہٰذا نبی ﷺ نے جو خبر دی تھی کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی' جسے مشرکین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا' لیکن وہ اپنی گمراہی کے رویے پر برقرار رہے۔ بہرحال بائیکاٹ ختم ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی گھاٹی سے باہر نکل آئے۔ [1]

قریش کا وفد ابو طالب کے حضور

بائیکاٹ کے خاتمے کے بعد صورت حال معمول پر آگئی' لیکن ابھی چند ہی مہینے گزرے تھے کہ ابوطالب بیمار پڑ گئے اور بیماری دن بہ دن بڑھتی اور سخت ہوتی گئی۔ عمر بھی اسی برس سے

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/۳۵۰' ۳۵۱' ۳۷۷' ۳۷۷' زاد المعاد' ۲/۴۶۔ وغیرہ

تجاوز کر چکی تھی۔ قریش نے محسوس کیا کہ وہ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں گے' لہٰذا آپس میں مشورے کئے اور طے کیا کہ ابو طالب کے پاس چلیں' کہ وہ اپنے بھتیجے کو کسی بات کا پابند کر جائیں اور ہم سے بھی اس کے متعلق عہد لے لیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر بوڑھا مرگیا اور ہم نے محمد ﷺ کے ساتھ کچھ کیا تو عرب ہمیں طعنہ دیں گے۔ کہیں گے کہ اسے چھوڑے رکھا' جب اس کا چچا مرگیا تو اس پر چڑھ دوڑے' چنانچہ یہ لوگ اٹھے اور ابوطالب کے پاس پہنچے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے معبودوں (کی مذمت) سے روکیں اور وہ لوگ بھی آپ سے اور آپ کے معبود سے دست کش رہیں گے۔ اس پر ابوطالب نے آپ کو بلایا اور لوگوں نے جو بات کہی تھی اسے آپ پر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا:

"چچا! میں ان سے صرف ایک بات چاہتا ہوں جس کے وہ قائل ہو جائیں تو عرب ان کے تابع فرمان بن جائیں اور عجم انہیں جزیہ ادا کریں۔ یہ سن کر وہ سٹپٹا گئے' کہنے لگے صرف ایک بات' تیرے باپ کی قسم! ہم ایسی دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ وہ بات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

﴿ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ اس پر وہ اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے:

﴿ أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿٥﴾ ﴾ (صٓ: ۳۸/ ۵)

"کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا ڈالا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" [1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱/ ۴۱۷' ۴۱۹' ترمذی' حدیث: ۳۲۳۲ (۵/ ۳۴۱)' مسند ابی یعلیٰ' حدیث: ۲۵۸۳ (۴/ ۴۵۶)' تفسیر ابن جریر' سورۂ: ص' آیت: ۱-۷

غم کا سال

ابو طالب کی وفات

ابو طالب کا مرض بڑھتا گیا' یہاں تک کہ وقت رحلت آگیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو وہاں ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "چچا جان! "لا الٰہ الا اللہ" کہہ دیجئے۔ بس ایک کلمہ۔ اس کے ذریعہ میں اللہ کے حضور آپ کے لئے حجت پیش کروں گا۔" ان دونوں نے کہا "ابو طالب! کیا عبد المطلب کی ملت سے اعراض کرو گے؟ اور ان سے برابر باتیں کرتے رہے' یہاں تک کہ آخری بات جو انہوں نے کہی یہ کہی کہ "عبد المطلب کی ملت پر۔" (پھر اسی پر ان کا انتقال ہو گیا)

نبی ﷺ نے فرمایا "جب تک (اللہ کی طرف سے) روکا نہ گیا میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا۔" اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَن يَسۡتَغۡفِرُواْ لِلۡمُشۡرِكِينَ وَلَوۡ كَانُوٓاْ أُوْلِي قُرۡبَىٰ مِنۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ أَنَّهُمۡ أَصۡحَٰبُ ٱلۡجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ ﴾

(التوبۃ۹/ ۱۱۳)

"نبی اور اہل ایمان کے لئے درست نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کریں' اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جب کہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔"

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

﴿ إِنَّكَ لَا تَهۡدِي مَنۡ أَحۡبَبۡتَ ﴾ (القصص۲۸/ ۵۶)

"ایسا نہیں کہ آپ جسے پسند کریں ہدایت دیدیں۔"[1]

---

[1] صحیح بخاری' باب قصۃ ابی طالب' حدیث: ۳۸۸۴' نیز ۱۳۶۰' ۴۶۷۵' ۴۷۷۲' ۶۶۸۱

ان کی وفات رجب یا رمضان سنہ ۱۰ نبوت میں شعب ابی طالب سے نکلنے کے چھ یا آٹھ ماہ بعد ہوئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے محافظ' بازو اور ایسا قلعہ تھے جہاں مکہ کے بڑوں اور بیوقوفوں کے حملوں سے بچاؤ کے لئے اسلامی دعوت نے پناہ لے رکھی تھی' مگر وہ خود باپ دادا کی ملت پر قائم رہے' اس لئے پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ اپنے چچا کے کیا کام آسکے؟ کیونکہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لئے (دوسروں پر) بگڑتے تھے۔ آپ نے فرمایا: "وہ جہنم کی ایک اتھلی (سطحی) جگہ میں ہیں' اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے گہرے کھڈ میں ہوتے۔" [1]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رحمت الٰہی کے جوار میں

ابو طالب کی وفات پر نبی ﷺ کا زخم ابھی مندمل نہ ہوا تھا کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی وفات پا گئیں۔ ان کی وفات ابو طالب کی وفات کے دو مہینہ یا صرف تین دن بعد رمضان سنہ ۱۰ نبوت میں ہوئی۔ [2] وہ اسلامی کاز کے لئے رسول اللہ ﷺ کی وزیر صدق تھیں۔ انہوں نے تبلیغ رسالت میں آپ کو قوت پہنچائی' جان ومال سے آپ کی غمگساری کی اور اذیت وغم میں برابر کی شریک رہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا' انہوں نے میری تصدیق کی۔ جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا' انہوں نے مجھے مال میں شریک کیا اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی اور دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی۔" [3]

ان کے فضائل میں آتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۸۸۳' ۶۲۰۸' ۶۵۷۲
[2] تلقیح' ص: ۷ وغیرہ
[3] مسند احمد' ۱۱۸/۶

"یارسول اللہ! یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آرہی ہیں' ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں سالن یا کھانا یا پانی ہے' جب وہ آپ کے پاس آجائیں تو آپ انہیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتی کے ایک محل کی خوشخبری دیں جس میں نہ شور وشغب ہو گا' نہ درماندگی و تکان۔" (۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے' ان کے لئے دعائے رحمت کرتے' اور جب ان کا ذکر فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہو جاتی۔ بکری ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں میں گوشت بھجواتے۔ ان کے بڑے فضائل ومناقب ہیں۔

غم ہی غم

ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مصائب کا طومار بندھ گیا۔ ایک طرف مشرکین کی جسارت بڑھ گئی اور وہ کھل کر اذیت پہنچانے لگے۔ دوسری طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر واقعہ سے شدت کے ساتھ متاثر ہونے لگے' چاہے وہ پچھلے واقعات سے چھوٹا اور معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ قریش کے ایک احمق نے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی' جسے آپ کی ایک صاحبزادی دھوتے ہوئے روتی جارہی تھیں' تو آپ نے ان سے کہا کہ "بیٹی! نہ رو۔ اللہ تمہارے باپ کی حفاظت کرے گا۔" اور اسی دوران آپ یہ بھی فرماتے جارہے تھے کہ:

"قریش نے میرے ساتھ کوئی ایسی بدسلوکی نہ کی جو مجھے ناگوار گزری ہو' یہاں تک کہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔" (۲)

حضرت سودہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تقریباً ایک ماہ بعد شوال سنہ ۱۰ نبوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ وہ پہلے اپنے چچیرے بھائی حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ یہ دونوں سابقین اولین میں سے تھے۔ حبشہ کو ہجرت کی تھی' پھر مکہ پلٹ آئے تھے۔ مکہ ہی

---

(۱) صحیح بخاری' حدیث: ۱۷۹۲' ۳۸۱۶' ۳۸۱۸' ۳۸۱۹' ۳۸۲۰' ۵۲۲۹' ۶۰۰۴' ۷۴۸۴' ۷۴۹۷

(۲) سیرت ابن ہشام ۴۱۶/۱

میں سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ جب ان سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کر لی۔ چند سال بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی۔ [1]

اس کے ایک سال بعد شوال سنہ ۱۱ نبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ یہ شادی بھی مکہ ہی میں ہوئی۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔ تین سال بعد مدینہ پہنچ کر شوال سنہ ۱ ہجری میں انہیں رخصت کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی۔ [2] یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی اور امت کی سب سے فقیہ عورت تھیں۔ ان کے بڑے فضائل و مناقب ہیں۔

---

[1] تلقیح، ص: ۷ نیز صحیح بخاری وغیرہ

[2] صحیح بخاری، حدیث: ۳۸۹۴، ۳۸۹۶، ۵۱۳۳، ۵۱۳۴، ۵۱۵۶، ۵۱۵۸، ۵۱۶۰، صحیح مسلم، تلقیح، ص: ۱۰

رسول اللہ ﷺ طائف میں

ان حالات میں نبی ﷺ نے طائف کا قصد فرمایا کہ ممکن ہے وہاں کے لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیں یا آپ کو پناہ دیں اور آپ کی مدد کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ طائف کے لئے پیدل چل کھڑے ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ راستے میں جس کسی قبیلے سے گزر ہوتا اسے اسلام کی دعوت دیتے۔ یوں طائف پہنچے اور قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کا جو آپس میں بھائی تھے' قصد فرمایا۔ انہیں اسلام کی دعوت دی اور تبلیغ اسلام پر اپنی مدد چاہی' مگر انہوں نے اسے منظور نہ کیا' بلکہ بہت برا جواب دیا۔ آپ نے انہیں چھوڑ کر دوسروں کا قصد کیا اور انہیں بھی اسلام لانے اور اپنی مدد کرنے کی دعوت دی۔ اس مقصد کے لئے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے گفتگو کی اور اس کام میں دس دن گزار دیئے' لیکن کسی نے آپ کی بات نہ مانی' بلکہ یہ کہا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ اور اپنے بچوں' اوباشوں اور غلاموں کو شہ دے دی۔ چنانچہ جب آپ ﷺ نے واپسی کا قصد فرمایا تو انہوں نے آپ کے دونوں جانب لائن لگا کر گالیاں دینی اور بد زبانیاں کرنی شروع کیں۔ پھر پتھر برسانے لگے' جس سے آپ کی ایڑیاں اور پاؤں زخمی ہو گئے۔ جوتے خون سے تر ہو گئے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو آپ کو بچا رہے تھے ان کے سر پر کئی زخم آئے اور حماقت کا یہ سلسلہ یہاں تک جاری رہا کہ آپ کو عتبہ اور شیبہ فرزندان ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ لینی پڑی۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ جب آپ اس باغ میں داخل ہوئے تو بھیڑ واپس چلی گئی۔

نبی ﷺ باغ کے اندر ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی ایک بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ جو کچھ پیش آیا تھا' اس سے دل فگار تھے۔ چنانچہ آپ نے ایک رقت انگیز دعا فرمائی۔ جو "دعائے مستضعفین" کے نام سے مشہور ہے اور وہ یہ ہے:

«اللَّهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِي، وَقِلَّةَ حِيلَتِي، وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ، يَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِينَ، وَأَنْتَ رَبِّي إِلٰى مَنْ تَكِلُنِي؟ إِلٰى بَعِيدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ، أَمْ إِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِي؟ إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلاَ أُبَالِي، وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ أَوْسَعُ لِي، أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، مِنْ أَنْ يَّنْزِلَ بِي غَضَبُكَ، أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبٰى حَتَّى تَرْضٰى وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِكَ»

"بار الٰہا! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے' یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملہ کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو کوئی پروا نہیں' لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں' جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا اور آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔"

ادھر آپ کو ربیعہ کے بیٹوں نے اس حالت میں دیکھا تو ان دونوں کو ترس آگیا اور اپنے ایک عیسائی غلام عداس کے ہاتھ انگور کا خوشہ بھیج دیا۔ نبی ﷺ نے "بسم اللہ" کہہ کر لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کھایا۔ اس پر عداس نے کہا اس علاقے کے لوگ تو یہ کلمہ نہیں بولتے۔

نبی ﷺ نے فرمایا "تم کس علاقے سے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟"

عداس نے کہا "نصرانی ہوں۔ اور نینوٰی کا باشندہ۔"

آپ نے فرمایا "مرد صالح یونس بن متی کی بستی کے؟"

اس نے کہا "آپ کو کیا معلوم یونس بن متی کون ہیں؟"

آپ نے فرمایا "وہ میرے بھائی ہیں' وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں اور قرآن مجید سے اس پر یونس بن متی کا واقعہ تلاوت فرمایا۔ ① کہا جاتا ہے کہ اسے سن کر عداس مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ باغ سے نکلے اور مکہ کی راہ پر آگے بڑھے۔ آپ غم والم سے دل فگار تھے۔ "قرن منازل" پہنچے تو ایک بادل نے سایہ کیا' جس میں حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ تھا۔ آپ ﷺ نے سر اٹھایا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پکارا اور عرض کیا کہ "اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے' آپ اسے جو حکم چاہیں کریں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے سلام کیا اور کہا "اے محمد! بات یہی ہے' اب آپ جو چاہیں۔ اگر چاہیں تو میں انہیں دو پہاڑوں کے درمیان پیس دوں۔ یہاں دو پہاڑوں کے لئے "اَخْشَبَیْن" کا لفظ استعمال ہوا ہے' جو کہ مکہ کے دو پہاڑ ابو قبیس اور اس کے سامنے والے پر بولا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "بلکہ امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔" ②

یہ مدد آئی تو رسول اللہ ﷺ سے غم والم کے بادل چھٹ گئے۔ آپ نے مکہ کے راستے پر مزید پیش رفت فرمائی تا آنکہ نخلہ میں جا فروکش ہوئے اور وہیں چند دن قیام فرمایا۔ اس دوران اللہ نے آپ کے پاس جنوں کی ایک جماعت بھیجی۔ اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس جماعت نے قرآن سنا اور جب قرآن کی تلاوت ختم ہو گئی تو یہ اپنی قوم کے پاس عذاب الٰہی سے ڈرانے والی بن کر واپس گئی' کیونکہ یہ ایمان لا چکی تھی' لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس کے متعلق کچھ علم نہ ہوا' یہاں تک کہ اس بارے میں قرآن نازل ہوا۔ چند آیتیں سورۂ احقاف کی اور چند آیتیں سورۂ جن کی۔ ③

---

① سیرت ابن ہشام' ۴۱۹/۱' ۴۲۱۔
② صحیح بخاری' حدیث: ۳۲۳۱۔ صحیح مسلم' باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین و المنافقین۔
③ صحیح بخاری' حدیث: ۷۷۳' ۴۹۲۱۔

چند روز بعد رسول اللہ ﷺ نخلہ سے نکل کر مکہ روانہ ہوئے۔ آپ کو اللہ کی طرف سے کشادگی و فراخی کی امید تھی اور قریش کی طرف سے شر اور گرفت کا اندیشہ بھی' اس لئے آپ نے احتیاط پسند کی' چنانچہ مکہ کے قریب پہنچ کر حرا میں ٹھہر گئے اور اخنس بن شریق کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ وہ آپ کو پناہ دے دے' مگر اس نے یہ معذرت کی کہ وہ حلیف ہے اور حلیف پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپ نے سہیل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا' مگر اس نے بھی یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ اس کا تعلق بنو عامر بن لؤی سے ہے اور ان کی پناہ بنو کعب بن لؤی پر لاگو نہیں ہوتی۔ اب آپ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ مطعم کا دادا نوفل بن عبد مناف' نبی ﷺ کے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کا بھائی تھا اور عبد مناف قبیلۂ قریش کی سب سے معزز شاخ تھی۔ چنانچہ مطعم نے جواب میں ہاں کہی اور خود اس نے اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار بند ہو کر رسول اللہ ﷺ کو بلوا بھیجا۔ آپ تشریف لائے اور مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی' پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اس دوران مطعم بن عدی اور اس کی اولاد نے مسلح ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھیرے میں لئے رکھا اور مطعم نے قریش میں اعلان کیا کہ اس نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے رکھی ہے اور قریش نے اس کی اس پناہ کو منظور کیا۔ [1]

---

[1] سیرت ابن ہشام ۳۸۱/۱' زاد المعاد ۴۶/۲' ۴۷۔

مشرکین کی طرف سے نشانیوں کی طلب

مشرکین کے تقاضوں میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ عاجز کرنے کے لئے عناد کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے نشانیاں طلب کرتے تھے اور مختلف اوقات میں کئی بار انہوں نے یہ مطالبہ کیا۔ چنانچہ ایک بار وہ مسجد حرام میں جمع ہوئے' باہم مشورہ کیا' پھر نبی ﷺ کو بلا بھیجا کہ آپ کی قوم کے اشراف آپ سے بات کرنے کے لئے اکٹھا ہوئے ہیں۔ چونکہ نبی ﷺ ان کی رشد وہدایت کے بہت زیادہ خواہشمند تھے' جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿ فَلَعَلَّكَ بَٰخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا۟ بِهَٰذَا ٱلْحَدِيثِ أَسَفًا ﴿٦﴾ ﴾ (الکهف۱۸/ ٦)

"اگر وہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے تو شاید آپ ان کی خاطر اپنے آپ کو افسوس کے سبب ہلاک کر ڈالیں گے۔"

چنانچہ آپ ﷺ ان کے اسلام لانے کی امید باندھے جلدی سے تشریف لائے۔ انہوں نے کہا "آپ ہمیں بتلاتے ہیں کہ پیغمبروں کے پاس نشانیاں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے لاٹھی اور صالح علیہ السلام کیلئے اونٹنی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ تو جس طرح پہلے لوگوں کو نشانیوں کے ساتھ بھیجا گیا تھا آپ بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں۔

وہ سمجھتے تھے کہ پیغمبروں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ جب چاہیں اس طرح کے خرق عادت معجزات لانے پر اسی طرح قدرت رکھتے ہیں' جس طرح عام لوگ اپنے طبعی اعمال پر قدرت رکھتے ہیں۔ [1] چنانچہ انہوں نے اس مذکورہ مطالبہ کے ساتھ ہی یہ تجویز بھی پیش کی کہ آپ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیں یا پہاڑوں کو کہیں اور لے جائیں اور اس علاقے کو مُسَطّح زمین میں تبدیل کر دیں اور اس میں نہر جاری کر دیں یا ہمارے جو آباؤ اجداد گزر چکے ہیں

---

[1] جیسا کہ اولیاء کے بارے میں آج بھی لوگوں کا یہی عقیدہ ہے۔

انہیں زندہ کردیں تاکہ وہ شہادت دیں کہ آپ رسول ہیں۔

﴿ وَقَالُواْ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ ٱلْأَرْضِ يَنۢبُوعًا ﴿٩٠﴾ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ ٱلْأَنْهَـٰرَ خِلَـٰلَهَا تَفْجِيرًا ﴿٩١﴾ أَوْ تُسْقِطَ ٱلسَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِٱللَّهِ وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةِ قَبِيلًا ﴿٩٢﴾ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِى ٱلسَّمَآءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَـٰبًا نَّقْرَؤُهُۥ ﴾ (الإسراء١٧/ ٩٠-٩٣)

"اور انہوں نے کہا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے' یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کر دیں' یا آپ کے لئے کھجور اور انگور کا باغ ہو جس کے درمیان آپ نہریں بہادیں' یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں ہمارے اوپر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کرکے گرا دیں' یا اللہ اور فرشتوں کو (ہمارے) رو برو حاضر کر دیں' یا آپ کے لئے زینت (سونے) کا گھر ہو' یا آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم محض آپ کے چڑھنے کو بھی تسلیم نہیں کریں گے' یہاں تک کہ آپ ہم پر ایک کتاب اتاریں جسے ہم پڑھیں۔"

انہوں نے اس مطالبے کے ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ اگر نبی ﷺ ان کی یہ خواہش پوری کر دیں تو وہ اسلام لانے کے لئے تیار ہیں۔

﴿ وَأَقْسَمُواْ بِٱللَّهِ جَهْدَ أَيْمَـٰنِهِمْ لَئِن جَآءَتْهُمْ ءَايَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ﴾ (الأنعام٦/ ١٠٩)

"انہوں نے اپنی بھرپور قسموں کے ساتھ اللہ کی یہ قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے۔"

چنانچہ نبی ﷺ نے اللہ سے دعا کی کہ یہ جو طلب کر رہے ہیں اسے دکھلا دے اور امید باندھی کہ یہ مسلمان ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کو یہ اختیار دیا کہ آپ ایک بات چن لیں۔ جو کچھ یہ لوگ طلب کرتے ہیں انہیں دکھلا دیا جائے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے بعد اگر کسی نے کفر کیا تو اسے عذاب دیا جائے گا کہ پوری دنیا والوں میں سے کسی کو اس جیسا عذاب نہیں دیا جائے گا یا پھر ان کے لئے توبہ

ورحمت کا دروازہ کھول دیا جائے (اور ان کی مطلوبہ چیز نہ دکھائی جائے) آپ نے فرمایا "توبہ اور رحمت کا دروازہ ہی کھولا جائے۔" (1)

جب نبی ﷺ نے یہ پہلو اختیار کر لیا تو ان کی تجاویز کا جواب نازل ہوا۔

﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴿٩٣﴾ ﴾ (الإسراء١٧/ ٩٣)

"آپ کہہ دیں میرا رب پاک ہے 'میں تو اسکے سوا کچھ نہیں کہ ایک بشر رسول ہوں۔"

مطلب یہ ہے کہ میں خوارق اور معجزات لانے پر قادر نہیں ہوں' کیونکہ اس کی قدرت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی قدرت میں کوئی اس کا شریک ہو' اور میں تو محض تم جیسا بشر ہوں' لہٰذا مجھے ان معجزات کے لانے کی قدرت نہیں۔ ہاں تمہارے درمیان مجھے جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ میں رسول ہوں۔ میرے پاس وحی آتی ہے اور تم لوگ نہ رسول ہو' نہ تمہارے پاس وحی آتی ہے۔ پس جو نشانیاں تم لوگوں نے مجھ سے طلب کی ہیں نہ وہ میرے ہاتھ میں ہیں' نہ میرے اختیار میں' بلکہ ان کا معاملہ اللہ عزوجل کی طرف ہے۔ اگر وہ چاہے تو انہیں تمہارے لئے ظاہر فرما دے اور ان کے ذریعہ تمہارے درمیان میری تائید کر دے اور اگر چاہے تو انہیں مؤخر کر دے اور تم لوگوں کی بہتری و مصلحت بہرحال اسی میں ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اسی مطلب کی سورۂ انعام میں بھی تاکید کی۔ فرمایا:

﴿ قُلْ إِنَّمَا ٱلْآيَٰتُ عِندَ ٱللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَآ إِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾ ﴾

(الأنعام٦/ ١٠٩)

"آپ کہہ دیں کہ نشانیاں تو بس اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا خبر کہ جب وہ آجائیں گی تو یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔"

یعنی انبیاء و رسل' خوارق و معجزات برپا نہیں کرتے' بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ برپا کرتا ہے' البتہ وہ انبیاء و رسل کی تکریم و تائید اور ان کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لئے ان کے ہاتھ پر معجزات کا اظہار فرماتا ہے۔

---

(1) مسند احمد ۱/ ۲۴۲' ۳۴۵

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بات بیان فرمائی کہ یہ لوگ اگرچہ اپنی پوری قوت کے ساتھ قسم کھاتے ہیں کہ اگر انہوں نے نشانی دیکھ لی تو ضرور ایمان لائیں گے' حالانکہ اگر اللہ ان کو ان کی طلب کردہ نشانیاں دکھلا بھی دے تو وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

ارشادِ باری ہے:

﴿ ۞ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَآ إِلَيْهِمُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ ٱلْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا۟ لِيُؤْمِنُوٓا۟ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿١١١﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١١١)

"اگر ہم ان کے پاس فرشتے اتار دیں اور ان سے مُردے باتیں کریں اور ہم ان کے روبرو ہر چیز اکٹھا کر لائیں تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے' لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْ أَنَّ قُرْءَانًا سُيِّرَتْ بِهِ ٱلْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ ٱلْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ ٱلْمَوْتَىٰ ۗ بَل لِّلَّهِ ٱلْأَمْرُ جَمِيعًا ۗ أَفَلَمْ يَا۟يْـَٔسِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَن لَّوْ يَشَآءُ ٱللَّهُ لَهَدَى ٱلنَّاسَ جَمِيعًا ۗ ﴾ (الرعد١٣/ ٣١)

"اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا کہ جس سے پہاڑ چلائے جاتے یا جس سے زمین کاٹ دی جاتی یا جس کے ذریعہ مُردوں سے کلام کیا جاتا (تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے) حقیقت یہ ہے کہ سارے معاملات اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں انہوں نے (ابھی تک) یہ نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دیتا؟"

ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات میں اللہ نے اپنی ایک سنت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ:

"کوئی قوم جب کوئی معین نشانی طلب کرے اور وہ نشانی دکھلا دی جائے' پھر بھی ایمان نہ لائے' تو پھر اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور مہلت نہیں دی جاتی اور اللہ کی سنت میں تغیر وتبدل نہیں ہے اور اللہ کو معلوم ہے کہ بیشتر قریش نشانی دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے' اس لئے اللہ نے ان کی تجویز کردہ نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں دکھلائی۔"

شق القمر (چاند کا دو ٹکڑے ہونا)

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طلب کردہ مخصوص نشانیوں میں سے کوئی بھی نشانی پیش نہیں کی' تو انہوں نے سمجھا کہ آپ کو عاجز اور خاموش کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ آپ سے نشانی طلب کی جائے۔ اس سے عوام کو بھی باور کرایا جا سکتا ہے کہ آپ رسول نہیں' بلکہ سخن ساز ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور طے کیا کہ آپ سے بلا تعین کوئی بھی نشانی طلب کی جائے' تاکہ لوگوں پر آپ کی بے بسی واضح ہو جائے اور وہ آپ پر ایمان نہ لائیں۔ چنانچہ وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہا:

"آخر کوئی بھی نشانی ہے جس سے ہم جان سکیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ انہیں کوئی بھی نشانی دکھلا دیں۔ چنانچہ اللہ نے یہ نشانی دکھلائی کہ "چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔" ایک ٹکڑا جبل ابو قُبَیس کے اوپر اور ایک اس سے نیچے' یہاں تک کہ لوگوں نے حرا پہاڑ کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "گواہ رہو!" [۱]

قریش نے یہ نشانی کھلم کھلا واضح طور پر طویل دورانیے تک کے لئے دیکھی۔ چنانچہ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور وہ بھوچکا رہ گئے' لیکن ایمان نہیں لائے۔ کہنے لگے:

"یہ ابو کبشہ کے بیٹے کا جادو ہے۔ ہم پر محمد نے جادو کر دیا ہے۔"

ایک آدمی نے کہا کہ "اگر اس نے تم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر نہیں کر سکتا' مسافروں کا انتظار کرو۔" مسافر آئے' ان سے پوچھا گیا' تو انہوں نے کہا کہ "ہاں! ہم نے بھی دیکھا ہے۔" [۲] لیکن قریش اپنے کفر پر مصر رہے اور اپنی خواہشات ہی کی پیروی کی۔

اور غالباً "شق قمر" کا یہ واقعہ اس سے بھی بڑے اور اہم واقعے "اسراء اور معراج" کی تمہید تھا' کیونکہ یوں کھلی آنکھوں چاند کو پھٹا دیکھ لینے سے "اسراء و معراج" کا امکان بھی عام ذہن کے لئے قابل قبول ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[۱] صحیح بخاری' حدیث: ۳۶۳۶' ۳۶۳۷' ۳۶۳۸' ۳۸۶۸' ۳۸۶۹' ۳۸۷۰' ۴۸۶۴' ۴۸۶۵' ۴۸۶۶' ۴۸۶۷' ۴۸۶۸

[۲] تفسیر ابن جریر' ابن کثیر' الدر المنثور' آیت نمبر: ۱' سورۃ القمر

اسراء اور معراج

"اسراء" سے مراد ہے "راتوں رات نبی ﷺ کا مکہ سے بیت المقدس تشریف لے جانا" اور "معراج" سے مراد ہے "عالم بالا میں تشریف لے جانا"۔ یہ واقعہ جسم اور روح سمیت پیش آیا تھا۔

"اسراء" کا ذکر قرآن مجید کے اندر اللہ کے اس ارشاد میں آتا ہے:

﴿ سُبْحَٰنَ ٱلَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ إِلَى ٱلْمَسْجِدِ ٱلْأَقْصَا ٱلَّذِى بَٰرَكْنَا حَوْلَهُۥ لِنُرِيَهُۥ مِنْ ءَايَٰتِنَآ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ۝١ ﴾

(الإسراء ۱۷/ ۱)

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی، جس کے گرد ہم نے برکت دے رکھی ہے، تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھلائیں۔ بیشک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔"

"معراج" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ "سورۂ نجم" کی ساتویں آیت سے لے کر اٹھارہویں آیت تک میں مذکور ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان آیات میں جو کچھ مذکور ہے وہ "معراج" کے ماسوا ہے۔

اسراء اور معراج کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ جس سال آپ کی بعثت ہوئی، اسی سال یہ واقعہ پیش آیا۔ ایک قول یہ ہے کہ سنہ ۵ نبوت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ ۲۷ رجب سنہ ۱۰ نبوت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ ۱۷ رمضان سنہ ۱۲ نبوت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ محرم اور ایک قول یہ ہے کہ ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۳ نبوت میں۔ [1]

---

[1] اختلاف اس سے بھی زیادہ ہے۔ دیکھئے فتح الباری، ۷/۲۴۲، طبع دوم سلفیہ، شرح باب المعراج، نیز زاد المعاد، ۲/۴۹

واقعہ کی تفصیل کے متعلق صحیح روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"حضرت جبریل علیہ السلام براق لے کر تشریف لائے۔ یہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ایک جانور ہے جو اپنا کھر اپنی نگاہ کے آخری مقام پر رکھتا ہے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تھے۔ آپ اس جانور پر سوار ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں بیت المقدس تشریف لائے اور وہاں جس حلقے میں انبیاء اپنی سواریاں باندھتے تھے' اسی میں براق کو باندھ دیا۔ پھر مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں انبیاء کی امامت فرمائی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس تین برتن لائے۔ ایک شراب کا دوسرا دودھ کا اور تیسرا شہد کا' [1] آپ نے دودھ پسند فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: "آپ نے فطرت پائی' آپ کو بھی ہدایت نصیب ہوئی اور آپ کی امت کو بھی۔ اگر آپ نے شراب پسند فرمائی ہوتی تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔"

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس سے آسمان دنیا تک لے جایا گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ کے لئے دروازہ کھولا گیا۔ آپ نے وہاں انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا' مرحبا کہا' اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ ان کے دائیں ایک گروہ تھا جب انہیں دیکھتے تو مسکراتے۔ یہ سعادت مندوں کی روحیں تھیں اور ان کے بائیں ایک گروہ تھا' جب انہیں دیکھتے تو روتے۔ یہ بدبختوں کی روحیں تھیں۔

پھر آپ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ کے لئے دروازہ کھولا گیا۔ آپ نے اس میں دو خالہ زاد بھائیوں حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ دونوں نے جواب دیا' مرحبا کہا اور نبوت کا اقرار کیا۔

پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا وہاں آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا' انہیں آدھا حسن دیا گیا تھا۔ آپ نے انہیں بھی سلام کیا' انہوں نے جواب دیا' مرحبا کہا

---

[1] مسند احمد ۲۰۸/۴

اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ کو چوتھے آسمان پر لے جایا گیا' وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا' انہوں نے جواب دیا' مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا' وہاں ہارون علیہ السلام کو دیکھا اور انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا' مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا' مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر جب آپ وہاں سے آگے بڑھے تو وہ رونے لگے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے کہا "میں اس لئے رو رہا ہوں کہ ایک جوان میرے بعد مبعوث کیا گیا۔ اس کی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت کے اندر داخل ہو گی۔"

اس کے بعد ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا' مرحبا کہا' اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ وہ اپنی پشت بیت المعمور سے لگائے ہوئے تھے' جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوبارہ ان کے پلٹنے کی باری نہیں آتی۔

پھر آپ کو "سدرۃ المنتہیٰ" تک لے جایا گیا۔ اس کے پتے ہاتھی کے کان جیسے تھے اور پھل بڑے کونڈوں یا ٹھلیوں جیسے۔ پھر اس پر سونے کے پتنگے چھا گئے اور اللہ کے حکم میں سے جو کچھ چھانا تھا' چھا گیا۔ اس سے وہ سدرہ (بیری کا درخت) تبدیل ہو کر اتنا خوبصورت ہو گیا کہ اللہ کی کوئی مخلوق اس کا حسن بیان کرنے کی تاب نہیں رکھتی۔

پھر آپ کو "جبار جل جلالہ" کے حضور لے جایا گیا اور آپ اس کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت اللہ نے اپنے بندے پر وحی فرمائی' جو کچھ وحی فرمائی اور آپ پر اور آپ کی امت پر دن رات میں پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں۔ پھر آپ موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے گزرے تو انہوں نے

پوچھا "آپ کے رب نے آپ کو کس بات کا حکم دیا ہے؟" آپ نے فرمایا "پچاس نمازوں کا۔" انہوں نے کہا "آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور اس سے تخفیف کا سوال کیجئے۔" آپ نے جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ ہاں! اگر آپ چاہیں۔ چنانچہ آپ واپس ہوئے' اللہ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر پوچھا۔ آپ نے بتلایا تو انہوں نے پھر تخفیف کے سوال کا مشورہ دیا۔ یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ جل جلالہ کے درمیان آپ کی آمد و رفت جاری رہی' یہاں تک کہ اللہ نے پانچ نمازیں کر دیں۔ اس کے بعد آپ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے' تو انہوں نے پھر واپس جا کر تخفیف کے سوال کا مشورہ دیا اور کہا کہ میں نے اس سے کم پر بنو اسرائیل کو بلایا لیکن وہ اس کی ادائیگی سے قاصر رہے اور اسے چھوڑ دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اب مجھے اپنے رب سے شرم آرہی ہے۔ میں اسی پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔" پھر جب آپ مزید کچھ دور تشریف لے گئے' تو ندا آئی کہ میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔ وہ پانچ نمازیں ہیں اور ثواب میں پچاس ہیں۔ میرے نزدیک بات نہیں بدلی جاتی۔"[1]

پھر اسی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے۔ جب صبح ہوئی اور آپ نے اپنی قوم کو ان بڑی بڑی نشانیوں کی خبر دی۔ جو اللہ عزوجل نے آپ کو دکھلائی تھیں' تو قوم کی تکذیب اور اذیت و ضرر رسانی میں شدت آگئی۔ کسی نے تالیاں بجائیں اور کسی نے تعجب و انکار سے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑے آئے اور انہیں خبر دی' انہوں نے کہا "اگر یہ بات آپ نے کہی ہے' تو سچ کہی ہے۔" لوگوں نے کہا "آپ بھی ان کی تصدیق کرتے ہیں؟"

انہوں نے کہا "میں تو اس سے بھی دور کی بات پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔ آسمان سے صبح یا شام جو خبر آتی ہے میں اس میں بھی آپ کو سچا مانتا ہوں۔" اس پر آپ کا لقب صدیق

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۴۹' ۱۶۳۶' ۳۲۰۷' ۳۳۴۲' ۳۳۹۳' ۳۴۳۰' ۳۸۸۷' ۴۷۰۹' ۷۵۱۷

پڑ گیا۔ رضی اللہ عنہ۔ ⦗۱⦘

پھر کفار نے اٹھ کر آپ کا امتحان لیا۔ پوچھا کہ آپ بیت المقدس کے اوصاف بیان کریں۔ آپ نے اس سے پہلے بیت المقدس دیکھا نہ تھا اور نہ اس رات اس کی نشانیاں ضبط کی تھیں' لیکن اللہ نے اسے آپ کے لئے روشن کر دیا اور آپ اس کی نشانیاں بتاتے گئے۔ آپ نے ایک ایک دروازہ اور ایک ایک جگہ بتلائی اور وہ آپ کی کوئی تردید نہ کر سکے' بلکہ یہ کہا کہ جہاں تک اوصاف کا تعلق ہے تو آپ نے بالکل ٹھیک بیان کئے ہیں۔ ⦗۲⦘

انہوں نے اپنے ایک قافلے کے متعلق بھی سوال کیا جو ملک شام سے آرہا تھا۔ آپ نے اس قافلے کے اونٹوں کی تعداد' قافلے کے احوال' اس کے پہنچنے کا وقت' اور جو اونٹ آگے آگے آرہا تھا' ان سب کی خبر دی اور جیسے آپ نے بتلایا تھا ویسا ہی ہوا۔ ⦗۳⦘ لیکن ان ظالموں نے کفر ہی پر اصرار کیا۔

"اسراء" کی صبح حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچوں نمازوں کی کیفیت اور ان کے اوقات سکھلائے۔ اس سے پہلے نماز صرف دو رکعت صبح اور دو رکعت شام میں تھی۔

⦗۱⦘ سیرت ابن ہشام ۳۹۹/۱

⦗۲⦘ صحیح بخاری' حدیث: ۳۸۸۶' ۴۷۰/۱

⦗۳⦘ سیرت ابن ہشام' ۴۰۲/۱

قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت

جب سے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھلم کھلا دعوت و تبلیغ کا حکم دیا تھا' آپ کا طریقہ یہ تھا کہ حج کے موسم اور عرب کے بازاروں کے ایام میں آپ قبائل کے خیموں اور ٹھکانوں پر تشریف لے جاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

جاہلیت میں عرب کے مشہور اور مکہ سے قریب ترین بازار تین تھے۔ عُکاظ' مِجَنّۃ اور ذُوالمَجاز۔ عُکاظ' نخلہ اور طائف کے درمیان ایک بستی تھی جہاں پہلی ذِی القعد سے بیس ذی القعدہ تک بازار لگتا تھا۔ اس کے بعد لوگ مِجَنّۃ منتقل ہو جاتے تھے اور وہاں ذی القعد کے خاتمے تک بازار لگاتے تھے۔ مِجَنّۃ' مکہ سے نیچے وادی مَرُّالظَّہران میں ایک مقام کا نام ہے۔ ذُوالمَجاز' جبل عرفہ یعنی جبل رحمت کے پیچھے ہے۔ وہاں پہلی ذِی الحج سے آٹھ ذی الحج تک بازار لگتا تھا۔ اس کے بعد لوگ مناسک حج کی ادائیگی کے لئے فارغ ہو جاتے تھے۔

جن قبائل کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی اور اس مقصد کے لئے اپنے آپ کو ان پر پیش کیا کہ وہ آپ کو پناہ دیں اور آپ کی مدد کریں وہ یہ ہیں:

بنو عامر بن صَعصَعَہ' بنو محارب بن خصفہ' بنو فزارہ' غسان اور مرہ' بنو حنیفہ' بنو سلیم' بنو عبس' بنو نصر' بنو البکاء' کندہ اور کلب' بنو الحارث بن کعب' عذرہ اور حضارمہ

ان میں سے کسی نے بھی آپ کی دعوت اور پیش کش قبول نہ کی'[1] لیکن ان کے جوابات اور انداز مختلف تھے۔ کسی نے بہترین جواب دیا۔ کسی نے آپ کے بعد اپنے لئے سرداری کی شرط لگائی۔ کسی نے کہا:

"آپ کا خاندان اور قبیلہ آپ کو بہتر جانتا ہے کہ اس نے آپ کی پیروی نہیں کی۔"

کسی نے برا جواب دیا۔ اور ان میں سے سب سے برا جواب مسیلمہ کذاب کے گروہ

[1] طبقات ابن سعد' ۲۱۶/۱۔

بنو حنیفہ کا تھا۔ (۱)

ایمان کی شعاعیں مکہ سے باہر

جس زمانے میں اسلامی دعوت مکہ کے اندر مشکل ترین مرحلے سے گزر رہی تھی' اللہ نے مقدر کر رکھا تھا کہ اسی زمانے میں مکہ سے باہر کچھ لوگ ایمان لائیں۔ یوں ان کی حیثیت امید کی چنگاری کی تھی' جو مایوسی کی تاریکیوں میں چمکی۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

(۱) سوید بن صامت رضی اللہ عنہ: یہ شاعر تھے' گہری سوجھ بوجھ کے حامل اور یثرب کے باشندے۔ ان کے شرف و شعر گوئی کی وجہ سے انہیں کامل کہا جاتا تھا۔ یہ حج یا عمرہ کے لئے مکہ تشریف لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے آپ پر حکمت لقمان پیش کی۔ آپ نے ان پر قرآن پیش کیا' اور وہ مسلمان ہو گئے۔ کہنے لگے یہ بہترین قول ہے۔ پھر وہ بُعاث کی جنگ سے پہلے اَوس وخَزرَج کے درمیان ایک لڑائی میں قتل ہو گئے۔ (۲)

(۲) اِیاس بن معاذ رضی اللہ عنہ: یہ یثرب کے باشندے تھے' نو خیز نوجوان۔ سنہ ۱۱ نبوت کے اوائل میں اَوس کے ایک وفد کے ہمراہ مکہ تشریف لائے' جو قریش سے خزرج کے خلاف حلف وتعاون چاہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ ایاس نے کہا:

"یہ واللہ! اس سے بہتر ہے' جس کے لئے آپ لوگ تشریف لائے ہیں۔"

اس پر وفد کے ایک رکن ابوالحَیسر نے بطحاء کی کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر دے ماریں اور کہا:

"یہ بات چھوڑو! یہاں ہم دوسرے مقصد سے آئے ہیں۔"

چنانچہ وہ خاموش ہو رہے اور یثرب واپس آ کر جلد ہی وفات پا گئے۔ وفات کے وقت وہ تہلیل و تکبیر اور حمد و تسبیح کر رہے تھے' اس لئے ان کی قوم کو کوئی شبہ نہیں

---

(۱) سیرت ابن ہشام ۱/ ۴۲۴' ۴۲۵۔

(۲) سیرت ابن ہشام ۱/ ۴۲۵۔ ۴۲۷' الاستیعاب ۲/ ۶۷۷' اسد الغابہ ۲/ ۳۳۷۔

کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی۔ [1]

(۳) ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ : انہیں نبی ﷺ کی بعثت کی اطلاع سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہما سے ہوئی۔ انہوں نے پتہ لگانے کے لئے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا۔ وہ گئے اور واپس آئے، لیکن تسلی نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ خود نکلے اور مکہ پہنچ کر مسجد حرام میں جا اترے۔ پھر تقریباً ایک مہینہ مسجد حرام ہی میں رہے اور زمزم کا پانی پیتے رہے، جو کھانا اور پانی دونوں کا کام دیتا تھا، لیکن جان کے ڈر سے نبی ﷺ کے متعلق کسی سے پوچھتے نہ تھے۔ بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو اپنے پیچھے پیچھے لے کر گئے اور رسول اللہ ﷺ سے جا ملوایا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ان پر اسلام پیش کریں۔ آپ نے اسلام پیش کیا اور وہ وہیں مسلمان ہو گئے۔ پھر انہوں نے مسجد حرام میں آکر اعلان کیا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ»

ادھر یہ سننا تھا کہ قریش ان پر ٹوٹ پڑے اور اتنا مارا کہ مر جائیں، لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو بچا لیا۔ دوسرے دن آکر پھر یہی اعلان کیا اور قریش نے پھر اتنا مارا کہ مر جائیں۔ اور کل کی طرح آج بھی عباس رضی اللہ عنہ نے آکر ان کو بچایا۔ [2]

اس کے بعد حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ اپنی قوم بنو غفار میں واپس آگئے اور جب نبی ﷺ نے ہجرت فرمائی تو وہ بھی مدینہ ہجرت کر آئے۔

(۴) طُفیل بن عَمرو دَوسی رضی اللہ عنہ : یہ شاعر تھے، گہری سوجھ بوجھ کے مالک اور یمن کے قریب واقع قبیلہ دوس کے سردار۔ سنہ ۱۱ نبوت میں مکہ تشریف لائے، تو اہل مکہ نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور نبی ﷺ سے اس قدر ڈرایا کہ جب وہ مسجد حرام میں آئے تو کان میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں آپ کی کوئی بات سنائی نہ پڑ جائے، مگر ہوا یہ کہ اس وقت نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کی آواز

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ۱/ ۴۲۷، ۴۲۸۔ مسند احمد، ۵/ ۴۲۷۔

(۲) صحیح بخاری، حدیث: ۳۵۲۲، ۳۸۶۱۔

ان کے کان میں پڑ ہی گئی۔ انہوں نے جو کچھ سنا بہت اچھا محسوس کیا' چنانچہ جی ہی جی میں کہا "میں سوجھ بوجھ رکھنے والا شاعر ہوں۔ مجھ سے بھلا' برا چھپا نہیں رہ سکتا۔ پھر کیوں نہ میں اس شخص کی بات سنوں' اگر اچھی ہوئی تو قبول کرلوں گا' بری ہوئی تو نہ مانوں گا۔"

چنانچہ جب نبی ﷺ گھر تشریف لائے تو وہ بھی آپ کے پیچھے ہو لئے اور گھر کے اندر آکر آپ سے اپنا واقعہ بیان کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ آپ ان پر اپنا دین پیش کریں۔ آپ نے ان پر اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت کی۔ طفیل بن عمرو دوسی نے اسلام قبول کرلیا' حق کی شہادت دی اور عرض کیا کہ میری قوم میں میری بات مانی جاتی ہے اور میں ان کے پاس پلٹ کر جارہا ہوں اور انہیں اسلام کی دعوت دوں گا' لہٰذا آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے کوئی نشانی دے دے' آپ نے دعا فرمائی۔ چنانچہ جب وہ اپنی قوم کے قریب پہنچے' تو ان کا چہرہ چراغ کی طرح روشن ہو گیا' تب انہوں نے اللہ سے دعا کی' اسے چہرے کے بجائے کہیں اور منتقل کر دے۔ چنانچہ یہ روشنی ان کے کوڑے میں پلٹ آئی۔ پھر جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو انہیں اسلام کی دعوت دی' والد اور بیوی نے تو اسلام قبول کرلیا' مگر قوم نے تاخیر کی' لیکن جب انہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ ہجرت کی تو ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر یا اسی گھرانے تھے۔ [1]

﴿۵﴾ ضِماد ازدِی رضی اللہ عنہ : یہ یمن کے باشندے اور ازدشنوءہ کے ایک فرد تھے۔ جھاڑ پھونک کے ذریعہ پاگل پن دور کرنا اور جن وشیاطین بھگانا ان کا کام تھا۔ مکہ آئے تو وہاں کے احمقوں سے سنا کہ محمد (ﷺ) پاگل ہیں۔ چنانچہ وہ آپ کا علاج کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الحَمْدَ لله، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِيْنُهُ، مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهَ، وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ ـ أَمَّابَعْدُ»

"ساری تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۳۸۲/۱' ۳۸۵

چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ امابعد!۔"

ضِماد نے یہ کلمات سنے تو اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں تین بار دہرانے کی آپ ﷺ سے فرمائش کی۔ پھر کہا "میں کاہنوں' جادوگروں اور شاعروں کی بات سن چکا ہوں' لیکن میں نے آپ جیسے کلمات کہیں نہیں سنے۔ یہ تو سمندر کی اتھاہ گہرائی کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لائیے ہاتھ بڑھائیے! آپ سے اسلام پر بیعت کروں اور انہوں نے بیعت کر لی۔" [1]

مدینہ میں اسلام

بیرون مکہ جن ابتدائی سعادت مندوں نے اسلام قبول کیا ان میں سے اوپر بیان کیے گئے پانچ افراد کے بعد چھٹے کا تعلق مدینہ کے قبیلہ خزرج سے ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

- اسعد بن زرارہ۔
- عوف بن حارث بن رفاعہ (عوف بن عفراء)
- رافع بن مالک بن عجلان۔
- قطبہ بن عامر بن حدیدہ۔
- عقبہ بن عامر بن نابی۔
- جابر بن عبد اللہ بن رآب۔

یہ لوگ سنہ ۱۱ نبوت میں حج کے لئے آنے والوں کے ہمراہ آئے تھے۔ ادھر اہل یثرب جب کبھی یہود کو جنگ وغیرہ میں زک پہنچاتے تو ان سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی اس وقت بھیجا جانے والا ہے۔ اس کی بعثت کا زمانہ آن لگا ہے۔ ہم اس کی معیت میں تمہیں عاد وارم کی طرح قتل کر ڈالیں گے۔ [2] چنانچہ یہ لوگ منیٰ کی گھاٹی میں رات کے وقت باتیں کر

---

[1] صحیح مسلم' الجمعہ' حدیث: ۴۶ (۸۶۸)

[2] سیرت ابن ہشام' ۴۲۹/۱' ۵۴۱- زاد المعاد' ۵۰/۲-

رہے تھے کہ وہاں سے رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ نے آواز سنی تو ان کا رخ کیا اور ان کے پاس پہنچ کر فرمایا:

آپ کون لوگ ہیں؟

انہوں نے کہا "خزرج کا ایک گروہ ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا "یعنی یہود کے حلیف؟"

بولے "ہاں۔" فرمایا "پھر کیوں نہ آپ حضرات بیٹھیں کچھ بات چیت کی جائے۔"

انہوں نے کہا "کیوں نہیں!" چنانچہ وہ آپ کے ہمراہ بیٹھ گئے۔ آپ نے ان پر اسلام کی حقیقت واضح کی۔ قرآن کی تلاوت کی اور اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی۔ اس پر انہوں نے ایک دوسرے سے کہا:

"دیکھو! یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے حوالے سے یہود تمہیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں' لہٰذا وہ تم پر سبقت نہ کرنے پائیں۔ چنانچہ انہوں نے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا اور کہا کہ ہم اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ کسی اور قوم میں ان جیسی عداوت اور دشمنی نہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ آپ پر ان کو اکٹھا کر دے تو آپ سے بڑھ کر کوئی اور معزز نہ ہوگا۔ اور انہوں نے وعدہ کیا کہ اس دین کی دعوت دیں گے اور آئندہ حج میں آپ سے پھر ملاقات کریں گے۔ [1]

پہلی بیعت عقبہ

وعدے کے مطابق اگلے سال سنہ ۱۲ نبوت کے موسم حج میں بارہ آدمی حاضر ہوئے۔ دس خَزرَج سے اور دو اَوس سے۔ خزرج کے دس آدمیوں میں سے جابر بن عبد اللہ بن رائب کو چھوڑ کر باقی پانچ تو وہی تھے جو پچھلے سال آچکے تھے اور نئے پانچ یہ تھے:

- معاذ بن حارث (معاذ بن عفراء)
- ذکوان بن عبد القیس۔
- عبادہ بن صامت۔
- یزید بن ثعلبہ۔

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۴۲۸/۱' ۴۳۰۔

- عباس بن عبادہ بن نضلہ۔

اور قبیلہ اوس کے دو آدمی یہ تھے

- ابو الہیثم بن التیہان۔
- عویم بن ساعدہ۔ [1]

یہ لوگ منیٰ کی گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمع ہوئے۔ آپ نے انہیں اسلام سکھایا اور فرمایا کہ "آؤ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے' چوری نہ کرو گے' زنا نہ کرو گے' اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے' اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے گھڑ کر کوئی بہتان نہ لاؤ گے اور کسی بھلی بات میں میری نافرمانی نہ کرو گے۔ اب جس شخص نے یہ ساری باتیں پوری کیں تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھا' پھر اس دنیا ہی میں اسے اس کی سزا دے دی گئی تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھا' پھر اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا' تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ اس پر ان لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔" [2]

یثرب میں اسلام کی دعوت

اس کے بعد جب یہ لوگ واپس ہوئے تو نبی ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرما دیا تاکہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور دین سکھائیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا۔ پھر وہ دونوں اسلام کی تبلیغ کے لئے سرگرم ہو گئے۔ ایک روز دونوں ایک باغ میں تھے کہ اوس کے سردار سعد بن معاذ نے اپنے چچیرے بھائی اسید بن حضیر سے کہا "ذرا جاؤ اور ان دونوں کو جو ہمارے کمزوروں کو بیوقوف

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۱/۴۳۱' ۴۳۳۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۱۸' ۳۸۹۲' ۳۸۹۳' ۳۹۹۹' ۴۸۹۴' ۶۷۸۴' ۶۸۰۱' ۷۰۵۵' ۷۱۹۹' ۷۲۱۳' ۷۴۶۸۔

بنانے آئے ہیں ڈانٹ دو۔ اسید نے اپنا نیزہ لیا اور ان دونوں کے پاس آئے۔ انہیں اسعد نے دیکھا تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا:

''یہ اپنی قوم کا سردار تمہارے پاس آرہا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ سے سچائی اختیار کرو۔''

حضرت اسید آئے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر بولے:

''تم دونوں یہاں کیوں آئے ہو؟ ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بناتے ہو' اگر تمہیں اپنی جان پیاری ہے تو تم ہم سے الگ ہی رہو۔''

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا ''کیوں نہ آپ بیٹھیں اور سنیں۔ اگر ہماری بات پسند آئے تو مان لیں' ناگوار گزرے تو جو بات بھی آپ کو ناپسند ہو ہم اس سے رک جائیں گے۔''

انہوں نے کہا ''تم نے انصاف کی بات کہی۔''

اور اپنا حربہ (نیزہ) گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کی بات کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کو پسند کیا اور اسے قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔

پھر حضرت اسید رضی اللہ عنہ واپس ہوئے اور حضرت سعد بن معاذ کو ان کے پاس بھیجنے کے لئے ایک حیلہ اختیار کیا۔ کہا کہ ''میں نے دونوں سے گفتگو کی تو واللہ! مجھے تو کوئی حرج نہیں نظر آیا۔ ویسے میں نے انہیں منع کر دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم وہی کریں گے جو آپ چاہیں گے' البتہ مجھے بتایا گیا ہے کہ بنو حارثہ کے لوگ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہیں' کیونکہ وہ آپ کی خالہ کا لڑکا ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کا عہد توڑ دیں۔''

اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھڑک اٹھے اور بگڑے ہوئے ان دونوں کے پاس پہنچے۔ ان کے ساتھ بھی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے وہی کیا جو حضرت اسید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا اور اللہ نے انہیں بھی اسلام کی ہدایت دے دی۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے اور حق کی شہادت دی' پھر قوم میں واپس گئے اور کہا:

''اے بنو عبد الاشہل! تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا آپ

ہمارے سردار ہیں اور سب سے اچھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا "اچھا تو تمہارے مردوں اور عورتوں سے میری بات چیت حرام ہے، جب تک کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاؤ۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ شام تک کوئی بھی مرد عورت ایسا نہ تھا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ صرف ایک آدمی اُصَیرم تھا جس کا اسلام جنگ احد تک مؤخر ہوا۔ احد کے دن یہ اسلام لایا اور اس سے پہلے کہ اللہ کے لئے ایک سجدہ بھی کرے، اللہ کی راہ میں کام آ گیا۔

پھر اگلے موسم حج سے پہلے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اس طرح کی کامیابی کی بشارتیں لئے ہوئے مکہ واپس تشریف لائے۔ [1]

---

[1] سیرت ابن ہشام، ۱/۴۳۵، ۴۳۸، ۲/۹۰۔ زادالمعاد، ۲/۵۱۔

دوسری بیعت عقبہ

موسم حج سنہ ۱۳ نبوت میں یثرب کے بہت سے مسلمان اور مشرکین حج کے لئے آئے۔ مسلمانوں نے طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ کے پہاڑوں میں چکر کاٹتے' ٹھوکریں کھاتے اور خوف وہراس کے عالم میں نہ چھوڑیں گے۔ چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ سے درپردہ رابطہ کیا اور ایام تشریق کے درمیانے روز' رات کے وقت جمرۂ عقبہ کے پاس گھاٹی میں اجتماع منعقد کرنے پر اتفاق کیا۔

پھر مقررہ دن یہ لوگ اپنی قوم کے ساتھ اپنے ڈیروں میں سو گئے اور جب رات کا پہلا تہائی حصہ گذر چکا تو چپکے چپکے ایک ایک دو دو آدمی نکل نکل کر عقبہ کے پاس جمع ہوئے۔ یہ کل تہتر آدمی تھے' باسٹھ خزرج کے اور گیارہ اوس کے۔ ان کے ساتھ دو عورتیں بھی تھیں:

نسیبہ بنت کعب بنو نجار سے اور اسماء بنت عمرو بنو سلمہ سے۔

پھر نبی ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب بھی تھے وہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر تھے' لیکن چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں اور ان کے لئے ٹھوس اطمینان حاصل کر لیں۔

سب سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہی بات کی۔ انہوں نے کہا:

"رسول اللہ ﷺ اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت وحفاظت کے ساتھ ہیں' لہٰذا اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم انہیں جس چیز کی طرف بلا رہے ہو' اسے نبھاؤ گے اور انہیں ان کے مخالفین سے بچالو گے تو تم نے جو ذمہ داری اٹھائی ہے اسے تم جانو' ورنہ ابھی سے انہیں چھوڑ دو۔"

اس کے جواب میں اہل یثرب کے ترجمان حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ہم صدق و وفا کا اور رسول اللہ ﷺ کے لئے اپنی روحیں نچھاور کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں' لہٰذا اے اللہ کے رسول! آپ بات کیجئے اور اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے جو عہد و پیمان پسند ہو لیجئے۔"[1]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ آپ نے قرآن کی تلاوت کی' اللہ کی طرف دعوت دی' اسلام کی رغبت دلائی اور اپنے رب کے لئے عہد لیا کہ:

"تنہا اسی کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے۔"

اہل یثرب نے کہا ہم کس چیز پر آپ سے بیعت کریں؟

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) چستی اور سستی ہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔

(۲) تنگی اور خوش حالی ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔

(۳) بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔

(۴) اللہ کے راستے میں اٹھ کھڑے ہو گے اور اس کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت تمہیں نہ روکے گی۔

(۵) اور جب میں تمہارے پاس آجاؤں تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری حفاظت کرو گے ...... اور تمہارے لئے جنت ہے۔[2]

(۶) اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ (ہم نے اس بات پر بھی بیعت کی کہ) حکومت کے بارے میں اہل حکومت سے نزاع نہ کریں گے۔[3]

اس پر حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور کہا

"ہاں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' ہم یقیناً اس چیز سے

---

(۱) سیرت ابن ہشام' ۱/۴۴۰' ۴۴۲۔

(۲) مسند احمد' ۳/۳۲۲۔ السنن الکبری بیہقی' ۹/۹' اور اسے حاکم اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

(۳) سیرت ابن ہشام' ۱/۴۵۴۔

آپ کی حفاظت کریں گے' جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں' لہٰذا آپ ہم سے بیعت لیجئے۔ ہم اللہ کی قسم! فرزندان ضرب و حرب ہیں اور ہتھیار ہمارا کھلونا ہے۔ ہماری یہی ریت باپ دادا سے چلی آرہی ہے۔

اتنے میں ابو الہیثم بن تیہان نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"اے اللہ کے رسول! ہمارے اور کچھ لوگوں کے درمیان عہد وپیمان کی رسیاں ہیں اور اب ہم انہیں کاٹنے والے ہیں۔ تو کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ایسا کر ڈالیں' پھر اللہ آپ کو غلبہ عطا کر دے' تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس پلٹ آئیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا' اور کہا:

"نہیں' بلکہ خون خون ہے اور بربادی بربادی ہے۔ میں آپ لوگوں سے ہوں اور آپ لوگ مجھ سے ہیں۔ جس سے آپ جنگ کریں گے میں جنگ کروں گا اور جس سے آپ صلح کریں گے میں صلح کروں گا۔"

ٹھیک اس فیصلہ کن لمحے میں حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انہوں نے کہا:

"آپ لوگ جانتے ہیں کہ ان سے کس بات پر بیعت کر رہے ہیں؟ ان سے سرخ وسیاہ (یعنی سارے انسانوں) سے جنگ پر بیعت کر رہے ہیں' اس لئے اگر آپ کو اندازہ ہے کہ جب آپ کے اموال کا صفایا کر دیا جائے گا اور آپ کے اشراف قتل کر دیئے جائیں گے تو آپ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے' تو پھر ابھی سے چھوڑ دیجئے' کیونکہ یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے۔ اور اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کے باوجود عہد نبھائیں گے' تو پھر انہیں لے لیجئے' کیونکہ یہ واللہ! دنیا اور آخرت کی بھلائی ہیں۔"

لوگوں نے کہا "ہم انہیں مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کے خطرے کے ساتھ لیتے ہیں۔ اللہ کے رسول! بتلایئے اس کے بدلے ہمارے لئے کیا ہے؟"

آپ نے فرمایا "جنت۔"

لوگوں نے کہا: اپنا ہاتھ پھیلائیں۔

آپ نے ہاتھ پھیلایا اور لوگ بیعت کے لئے لپکے' [1] مگر عین اسی وقت آپ کا ہاتھ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا اور کہا:

"اہل یثرب! ذرا ٹھہرو' ہم آپ کی خدمت میں اونٹوں کے کلیجے مار کر (لمبا سفر کر کے) اس یقین کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آج آپ کو یہاں سے لے جانے کے معنی ہیں "سارے عرب سے دشمنی' اپنے چیدہ سرداروں کا قتل اور تلواروں کی مار۔" اب اگر آپ لوگ یہ سب برداشت کر سکتے ہیں تو انہیں لے لیں اور آپ کا اجر اللہ پر ہے اور اگر آپ لوگ اپنے متعلق کوئی اندیشہ رکھتے ہیں تو انہیں ابھی سے چھوڑ دیں۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قابل عذر ہو گا۔"

لوگوں نے کہا:

"اسعد! اپنا ہاتھ ہٹائیے! واللہ! ہم اس بیعت کو نہ چھوڑ سکتے ہیں' نہ توڑ سکتے ہیں۔ اس کے بعد ایک ایک آدمی نے اٹھ کر بیعت کی [2] اور راجح ترین قول کے مطابق سب سے پہلے بیعت کرنے والے خود حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ ابو الہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ تھے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ تھے۔ [3] دونوں عورتوں کی بیعت صرف زبان سے ہوئی' ان سے مصافحہ نہیں فرمایا۔ [4]

بارہ نقیب

بیعت مکمل ہو چکی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے طلب کیا کہ وہ اپنے آپ میں سے بارہ نقیب پیش کریں' جو اپنی قوم کے نگراں اور ان کے معاملات کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس پر نو آدمی خزرج سے اور تین آدمی اوس سے منتخب کئے گئے۔ خزرج کے نقباء کے نام یہ ہیں:

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۱/۴۴۲' ۴۴۶۔
[2] مسند احمد' ۳/۳۲۲۔ السنن الکبریٰ بیہقی' ۹/۹۔
[3] سیرۃ ابن ہشام' ۱/۴۴۷۔
[4] صحیح مسلم' باب کیفیۃ بیعۃ النساء

(۱) سعد بن عبادہ بن دلیم رضی اللہ عنہ
(۲) اسعد بن زرارہ بن عدس رضی اللہ عنہ
(۳) سعد بن ربیع بن عمرو رضی اللہ عنہ
(۴) عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ
(۵) رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ
(۶) براء بن معرور بن صخر رضی اللہ عنہ
(۷) عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ
(۸) عبادہ بن صامت بن قیس رضی اللہ عنہ
(۹) منذر بن عمرو بن خنیس رضی اللہ عنہ

اوس کے نقباء کے نام یہ ہیں:

(۱۰) اسید بن حضیر بن سماک رضی اللہ عنہ
(۱۱) سعد بن خیثمہ بن حارث رضی اللہ عنہ
(۱۲) رفاعہ بن عبد المنذر بن زبیر رضی اللہ عنہ اور کہا جاتا ہے کہ ابو الہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ

جب ان کا انتخاب ہو چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آپ لوگ اپنی قوم کے جملہ معاملات کے کفیل ہیں' جس طرح حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کفیل ہوئے تھے اور میں اپنی قوم (مسلمانوں) کا کفیل ہوں۔"

ان سب نے کہا "جی ہاں۔" [1]

یہ ہے دوسری بیعت عقبہ' یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اب تک کی زندگی میں سب سے عظیم اور اہم بیعت تھی۔ اس کی وجہ سے واقعات کا رخ بدل گیا اور تاریخ کی لائن تبدیل ہو گئی۔

جب بیعت پوری ہو چکی اور لوگ بکھرنے ہی والے تھے' تو ایک شیطان کو اس کا پتہ چل گیا۔ اس نے نہایت بلند آواز سے جو شاید ہی کبھی سنی گئی ہو' پکار لگائی کہ خیمے والو! کیا محمد سے نمٹو گے؟ اس وقت بے دین اس کے ساتھ ہیں اور وہ تم سے لڑنے کے لئے جمع ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"او اللہ کے دشمن! میں تیرے لئے جلد ہی فارغ ہو رہا ہوں۔" اور لوگوں سے فرمایا کہ "اپنے اپنے ڈیروں پر چلے جائیں۔"

چنانچہ یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس جاکر سو گئے اور وہیں صبح کی۔

ادھر صبح ہوئی تو قریش نے اس پر احتجاج کے لئے اہل یثرب کے خیموں کا رخ کیا مگر

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۱/۴۴۳' ۴۴۶۔

مشرکین یثرب نے کہا کہ یہ باطل خبر ہے۔ ایسی کوئی بات ہوئی ہی نہیں ہے' جب کہ مسلمانوں نے چپ سادھے رکھی۔ چنانچہ قریش نے مشرکین کی بات سچ سمجھی اور نامراد واپس چلے گئے۔

لیکن بعد میں قریش کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ خبر صحیح ہے۔ چنانچہ ان کے سواروں نے تیز رفتاری سے اہل یثرب کا پیچھا کیا اور سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کو "اذاخر" کے پاس جالیا' لیکن منذر بن عمرو نے انہیں بے بس کر دیا اور نکل بھاگے البتہ سعد پکڑے گئے اور انہیں باندھ کر مارتے اور بال گھسیٹتے ہوئے مکہ لے جایا گیا' لیکن وہاں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب نے انہیں چھڑا دیا' کیونکہ وہ ان دونوں کے قافلوں کو مدینہ میں پناہ دیا کرتے تھے۔ ادھر انصار نے ارادہ کیا کہ مکہ پر دھاوا بول دیں' مگر اتنے میں حضرت سعد آتے دکھائی دیئے' لہٰذا تمام لوگ بخیریت مدینہ روانہ ہو گئے۔ [1]

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۱/ ۴۴۷' ۴۵۰۔ زادالمعاد' ۲/ ۵۱' ۵۲۔

مسلمانوں کی ہجرت

عَقَبَہ کی اس دوسری بیعت کے بعد عام مسلمانوں نے مدینہ کے لئے ہجرت شروع کر دی' جب کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے پہلے ہی ہجرت کر چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مسلمانوں کا "دارالہجرت" دکھلایا جا چکا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس کی خبر بھی دے چکے تھے۔ آپ نے فرمایا:

"میں نے دیکھا ہے کہ میں مکہ سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں' میرا خیال ہے کہ یمامہ یا ہجر ہے' لیکن وہ مدینہ (یثرب) تھا۔" (۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ "مجھے تمہارا دار الہجرت دکھلایا گیا' دو حَرّوں (لاوے کی چٹانوں) کے درمیان ایک نشیبی زمین۔ اب وہ یا تو ہجر ہے یا یثرب۔" (۲)

سب سے پہلے مہاجر' ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو سلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیوی بچے کے ساتھ نکلے' لیکن بیوی کو اس کی قوم نے روک لیا اور بچے کو ابو سلمہ کے گھر والوں نے ماں سے چھین لیا اور ابو سلمہ تنہا مدینہ جا سکے۔ یہ بیعت عقبہ سے کوئی ایک سال پہلے کا واقعہ ہے۔ پھر کوئی سال بھر بعد ان لوگوں نے بیوی کو چھوڑ دیا اور وہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے آملیں۔ (۳)

ابو سلمہ کے بعد عامر بن ربیعہ' ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ اور عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی۔ پھر بیعت عقبہ مکمل ہوئی تو مسلمانوں نے پے درپے ہجرت کی۔ یہ لوگ قریش کے ڈر سے چپکے چپکے نکلتے تھے' یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ وہ قریش کو چیلنج دیتے ہوئے ببانگ دہل نکلے' لیکن کسی کو ان کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ بیس صحابہ کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔ (۴)

---

(۱) صحیح بخاری' ترجمہ' باب هجرة النبی صلی اللّٰه علیه و سلم و اصحابه الی المدینة' حدیث: ۳۶۲۲' ۴۰۳۵۔ ←

غرض سارے مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی' عام مہاجرین حبشہ بھی مدینہ آ گئے۔ مکہ میں صرف ابوبکر' علی' صہیب اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے یا پھر وہ کمزور مسلمان جو ہجرت کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا قصد کیا' مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ذرا رکے رہو توقع ہے کہ مجھے بھی اجازت دے دی جائے گی۔" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا "میرے ماں باپ آپ پر فدا' آپ کو اس کی توقع ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں۔" چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ رک گئے' تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کریں۔ ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ انہیں سفر ہجرت کے لئے ببول کے پتے کھلا کھلا کر خوب تیار کیا۔ ①

---

② صحیح بخاری' از حدیث: ۲۲۹۷' ۳۹۰۵۔

③ سیرت ابن ہشام' ۱/۴۶۸' ۴۷۰۔

④ صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۲۵۔

① صحیح بخاری' حدیث: ۲۲۹۷' ۳۹۰۵' ۵۸۰۷۔

قریش "دار الندوہ" میں

قریش پر یہ دیکھ کر جنون طاری ہو گیا کہ مسلمانوں نے حفظ وامان کی ایک جگہ پالی ہے۔ انہیں مسلمانوں کی ہجرت اور مدینہ میں اجتماع سے اپنے دین' اپنی تجارت اور اپنے وجود کے لئے بھی خطرہ محسوس ہوا۔ چنانچہ وہ جمعرات ۲۶ صفر سنہ ۱۴ نبوت کی صبح کسی ایسی تجویز پر غور وخوض کے لئے "دار الندوہ" میں اکٹھا ہوئے' جو اس خطرے سے نجات کی ضامن ہو۔ بالخصوص ابھی صاحب دعوت محمد رسول اللہ ﷺ مکے ہی میں تھے اور صبح شام میں ان کے بھی نکل جانے کا اندیشہ تھا۔ اس اجتماع میں سردارانِ قریش کے تقریباً تمام نمایاں چہرے موجود تھے۔ ابلیس بھی نجد کے ایک "شیخ جلیل" کی صورت میں اجازت لے کر شریک ہوا۔ اہل اجتماع پر اصل "قضیہ" پیش کیا گیا تو:

- ابو الاسود نے کہا "ہم اسے اپنی زمین سے نکال دیں اور اپنا معاملہ درست کر لیں' پھر ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کہاں گیا۔"
- شیخ نجدی نے کہا "تم دیکھتے نہیں اس کی بات کتنی عمدہ اور اس کے بول کتنے میٹھے ہیں۔ اور وہ کس طرح لوگوں کا دل جیت لیتا ہے' لہٰذا جب وہ یہاں سے نکلے گا تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ عرب کے کسی قبیلے کے ہاں ٹھہرے اور لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو جائیں۔ پھر وہ ان کی مدد سے تمہارے علاقے ہی میں تم پر چڑھ آئے۔ اور تمہارے ساتھ جیسا سلوک چاہے کرے۔ کوئی اور تجویز سوچو۔"
- اس پر ابو البختری نے کہا "اسے قید کر دو اور باہر سے دروازہ بند کر دو' یہاں تک کہ اس کا بھی وہی انجام ہو جو اس سے پہلے موت کی شکل میں دوسرے شعراء کا ہو چکا ہے۔"
- شیخ نجدی نے کہا "واللہ! اگر تم لوگوں نے اسے قید کر دیا تو یہ بات اس کے ساتھیوں

تک ضرور پہنچ جائیگی اور وہ اسے اپنے باپ اور بیٹوں سے بھی بڑھ کر مانتے ہیں' لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ وہ دھاوا بول کر اس کو تمہارے قبضے سے نکال لے جائیں۔ پھر اس کی مدد سے اپنی تعداد بڑھا کر تمہیں مغلوب کر لیں' لہٰذا کوئی اور تجویز سوچو۔"

❀ اب "طاغوت اکبر" ابو جہل نے کہا "اس کے بارے میں میری ایک رائے ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب تک تم لوگ اس پر نہیں پہنچے۔ وہ رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے سے ایک مضبوط' صاحب نسب اور بانکا جوان منتخب کریں۔ پھر ہر ایک کو ایک تیز تلوار دیں۔ اس کے بعد سب کے سب اس شخص کا رخ کریں اور اسے اس طرح یک بارگی تلوار مار کر قتل کر دیں' جیسے ایک ہی آدمی نے تلوار ماری ہو۔ اس طرح اس کا خون سارے قبائل میں بکھر جائے گا اور عبد مناف سارے قریش سے جنگ نہ کر سکیں گے' اس لئے دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ اور وہ ہم انہیں دے دیں گے۔

❀ شیخ نجدی نے کہا "بات یہ رہی' جو اس جوان نے کہی۔ رائے ہے تو یہی ہے۔ دیگر ہیچ۔"

❀ اہل اجتماع نے بھی یہی رائے پاس کی اور اٹھ کر اس کی تنفیذ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ [1]

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۱/۴۸۰' ۴۸۲۔

❀ ❀ ❀

نبی ﷺ کی ہجرت

قریش کی تدبیر اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر

اس قسم کے اجتماع کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ انتہائی راز دارانہ ہو۔ ظاہری سطح پر کوئی ایسی حرکت پیش نہ آئے' جو روز مرہ کے خلاف اور عام عادت سے مختلف ہو' تاکہ کوئی شخص سازش اور خطرے کی بو نہ سونگھ لے اور کسی کے دل میں یہ بات نہ گزرے کہ یہ خاموشی کسی شر کا پیش خیمہ ہے۔ یہ قریش کا مکر تھا' لیکن انہوں نے یہ مکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقابل کیا تھا' اس لئے انہیں اللہ نے اس طرح نامراد کیا کہ وہ سمجھ بھی نہ سکے' چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے۔ نبی ﷺ کو قریش کی سازش کی خبر دی۔ ہجرت کی اجازت دی۔ نکلنے کا وقت مقرر کیا اور قریش کے مکر کو رد کرنے کا پروگرام بتایا۔ چنانچہ فرمایا:

"جس بستر پر آپ سویا کرتے ہیں آج کی رات اس بستر پر نہ سوئیں۔" [1]

ادھر ٹھیک دوپہر کے وقت جب لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کیا کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ ہجرت کا پروگرام طے کیا۔ چنانچہ دونوں سواریوں کا سامان نہایت تیزی سے تیار کیا گیا اور عبد اللہ بن اریقط لیثی سے --جو ابھی تک دین قریش ہی پر تھا-- یہ بات طے کی اور اس کا عہد وپیمان لیا گیا کہ وہ اجرت پر ان کو مدینہ لے جائے گا۔ [2] یہ شخص راستوں کا بڑا ماہر تھا۔ اسے بتایا گیا کہ وہ تین رات کے بعد جبل ثور کے پاس آئے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس آکر اپنے روز مرہ کے کام میں حسب عادت اس طرح لگے رہے کہ کسی کو محسوس تک نہ ہوا کہ قریش کی قرار داد سے بچنے کے لئے آپ ﷺ ہجرت کی یا کسی اور کام کی تیاری کر رہے ہیں۔

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۱/ ۴۸۲۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۲۱۳۸' ۲۲۶۳' ۲۲۶۴' ۵۸۰۷' ۶۰۷۹۔

رسول اللہ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ آپ نماز عشاء کے بعد شروع رات میں سو جاتے اور آدھی رات کے بعد گھر سے نکل کر مسجد حرام تشریف لے جاتے اور وہاں تہجد کی نماز پڑھتے۔ اس رات آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا دیا اور بتلایا کہ تمہیں کوئی زک نہ پہنچے گی۔ چنانچہ جب عام لوگ سو گئے اور رات پر سکون ہو گئی تو سازشی حضرات نے چپکے سے آکر رسول اللہ ﷺ کا گھر گھیر لیا۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے بستر پر' آپ کی سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سوئے ہوئے دیکھا تو سمجھا کہ محمد ﷺ ہیں۔ چنانچہ وہ غرور و تکبر سے مٹکنے لگے اور آپ کی گھات میں بیٹھ گئے کہ جب آپ اٹھیں گے اور باہر نکلیں گے تو وہ آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ [1] اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے قریش کے مکر کا جواب تھا۔ فرمایا:

﴿ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ ٱللَّهُ ۖ وَٱللَّهُ خَيْرُ ٱلْمَٰكِرِينَ ﴿٣٠﴾ ﴾ (الأنفال ٨/ ٣٠)

"اور جب کفار آپ کے خلاف مکر کر رہے تھے' تاکہ آپ کو قید کرلیں یا قتل کر دیں یا نکال باہر کریں اور وہ داؤ چل رہے تھے اور اللہ (بھی) داؤ چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر داؤ والا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ اپنا گھر چھوڑتے ہیں

ادھر رسول اللہ ﷺ عین اس حالت میں جب کہ یہ لوگ آپ کا گھر گھیرے ہوئے تھے' باہر تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے ان کے سروں پر مٹی ڈالی۔

﴿ وَجَعَلْنَا مِنۢ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿٩﴾ ﴾ (یٰس ٣٦/ ٩)

"ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی' پس ہم نے انہیں ڈھانک لیا اور وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔"

چنانچہ اللہ نے ان کی نگاہیں پکڑلیں اور وہ آپ کا مطلق احساس نہ کر سکے۔ اس کے بعد

[1] سیرت ابن ہشام' ١/ ٤٨٢' ٤٨٣۔

آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے یمن کا رخ کیا اور فجر کی پو پھٹنے سے پہلے تقریباً پانچ میل فاصلے پر واقع ثور نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے۔ [1]

غار میں تین راتیں

غار کے پاس پہنچ کر پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے' تاکہ اس میں کوئی چیز ہو تو رسول اللہ ﷺ کے بجائے انہی کو کاٹے یا ڈسے۔ چنانچہ انہوں نے غار کو صاف کیا۔ چند سوراخ تھے انہیں تہ بند پھاڑ کر بند کیا۔ ایک یا دو سوراخ باقی رہے' ان میں اپنا پاؤں ڈال دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سو گئے۔ اسی دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں کسی چیز نے ڈس لیا' مگر وہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے ہلے نہیں' لیکن ان کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر ٹپک گئے' جس سے آپ بیدار ہو گئے اور دریافت کیا تو انہوں نے بتایا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان' مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔"

اس پر نبی ﷺ نے لعاب دہن لگایا اور تکلیف جاتی رہی۔ [2] غار میں دونوں حضرات تین رات چھپے رہے۔ اس دوران ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ بھی یہیں رات گذارتے تھے۔ وہ گہری سوجھ بوجھ کے مالک' سخن فہم نوجوان تھے۔ وہاں سے سویرے نکل کر اس طرح قریش کے درمیان صبح کرتے گویا مکہ ہی میں رات گزاری ہے۔ پھر وہ قریش کی تدبیریں اور خبریں سنتے اور تاریکی گہری ہو جاتی تو ان خبروں کو لے کر غار میں پہنچ جاتے۔

ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں چراتے رہتے اور جب رات کا ایک حصہ گذر جاتا' تو ان بکریوں کو لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے' اس طرح دونوں حضرات آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے۔ پھر صبح تڑکے ہی عامر بن فہیرہ بکریاں ہانک کر چل دیتے اور انہیں عبد اللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کے قدموں کے نشانات پر لے جاتے' تاکہ وہ نشانات مٹ جائیں۔ [3]

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۱/۴۸۳۔

[2] اسے رزین نے روایت کیا ہے۔ دیکھئے مشکوۃ المصابیح' باب مناقب ابی بکر' حدیث: ۶۰۲۵ (۳/۱۷۰۰' ۱۷۰۱)

[3] صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۰۵' ۴۰۹۳' ۵۸۰۷۔

باقی رہے قریش! تو ان کے جوان رسول اللہ ﷺ کے اٹھنے کے انتظار میں گھر گھیر کر بیٹھے رہے' یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور جب صبح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے بستر سے اٹھے تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے بارے میں پوچھا۔ حضرت علی نے کہا "مجھے علم نہیں۔" اس پر انہوں نے حضرت علی کو مارا اور گھسیٹ کر خانہ کعبہ تک لے گئے۔ کچھ دیر قید بھی رکھا' لیکن بے فائدہ۔ اس کے بعد وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور ان کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ان کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا "مجھے معلوم نہیں۔" اس پر خبیث ابو جہل نے ایسا چانٹا مارا کہ ان کے کان کی بالی گر گئی۔ پھر انہوں نے ہر جانب تلاش شروع کر دی اور اعلان کیا کہ جو کوئی ان دونوں کو زندہ یا مردہ حاضر کرے' اسے ہر ایک کے بدلے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ [1]

تلاش کرنے والے غار کے دہانے تک جا پہنچے' اس قدر قریب کہ اگر کوئی شخص سر نیچا کرتا اور اپنا پاؤں دیکھتا تو انہیں بھی دیکھ لیتا۔ اس صورت حال سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سخت غم ہوا۔ آپ نے فرمایا:

"ابو بکر! ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ غم نہ کرو' یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" [2]

مدینہ کی راہ میں

سوموار کی رات۔ ربیع الاول سنہ ۱ھ کی چاند رات۔ رہنما' عبد اللہ بن اریقط لیثی' وعدے کے مطابق دونوں سواریاں لے کر جبل ثور کے دامن میں آیا اور رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کوچ فرمایا۔ ان کے ساتھ عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ راہنما پہلے جنوب کی جانب یمن کے رخ پر دور تک چلا۔ پھر پچھّم (مغرب) کی طرف مڑا اور ساحل سمندر کا رخ کیا۔ ساحل کے قریب پہنچ کر شمال کی طرف مڑ گیا۔ اور ایک ایسے راستہ پر چلا' جس پر شاذ و نادر ہی کوئی چلتا تھا۔

---

[1] تاریخ طبری' ۳۷۴/۲۔ سیرت ابن ہشام' ۴۸۷/۱۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۳۶۵۳' ۳۹۲۲' ۴۶۶۳۔

اس رات، رات بھر اور پھر آدھے دن تک مسلسل سفر جاری رہا۔ جب راستہ خالی ہو گیا، تو نبی ﷺ نے ایک چٹان کے سائے میں استراحت فرمائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گردو پیش کا جائزہ لیا۔ اس دوران ایک چرواہا آیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے دودھ دوہوایا اور جب نبی ﷺ بیدار ہوئے تو آپ کو اتنا دودھ پلایا کہ جی خوش ہو گیا۔ پھر وہاں سے آگے چل پڑے۔ (۱)

غالباً دوسرے دن "ام معبد" کے خیمے سے گزر ہوا۔ یہ "قدید" کے اطراف میں "مشلل" کے پاس ہوا کرتی تھیں۔ "مشلل" مکہ سے ۱۳۰ کلو میٹر دور ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ "اس کے پاس کچھ ہے؟ اس نے میزبانی سے معذرت کی اور بتلایا کہ بکریاں دور دراز گئی ہوئی ہیں۔ ادھر خیمے کے ایک گوشے میں ایک بکری تھی، جسے کمزوری نے ریوڑ سے پیچھے چھوڑ رکھا تھا اور اس میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت لے کر اسے دوہا تو اس نے اس قدر دودھ دیا کہ ایک بڑا سا برتن بھر گیا، جسے پوری ایک جماعت بمشکل اٹھا سکتی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے "ام معبد" کو پلایا، وہ آسودہ سیر ہو گئی، تو اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ وہ بھی آسودہ سیر ہو گئے تو خود پیا اور دوبارہ دوہ کر برتن بھر دیا اور اسے "ام معبد" کے پاس چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔

اس کا شوہر آیا تو دودھ دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ دریافت کیا تو ام معبد نے پوری بات بتلائی اور نبی ﷺ کا سراپا سر سے پاؤں تک اور گفتگو سے اطوار تک نہایت باریکی سے بیان کیا۔ اس پر ابو معبد بول اٹھا:

"یہ تو واللہ! صاحب قریش ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ آپ کا ساتھ اختیار کروں اور کوئی راستہ ملا تو ایسا ضرور کروں گا۔"

تیسرے روز صبح اہل مکہ نے ایک آواز سنی جو زیریں مکہ سے شروع ہوئی اور بالائی مکہ سے گذر کر نکل گئی۔ لوگوں نے اس کا پیچھا کیا۔ مگر "صاحب آواز" کو نہ دیکھا، وہ کہہ رہا تھا:

جَزَى اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَآئِهِ رَفِيْقَيْنِ حَلَّا خَيمَتَی أُمِّ مَعْبَدِ

---

(۱) صحیح بخاری، حدیث: ۳۶۱۵، ۳۶۵۲، ۳۹۱۷۔

هُمَا نَزَلاَ بِالبِرِّ وَارْتَحَلاَ بِهِ ... وَأَفْلَحَ مَنْ أَمْسَى رَفِيْقَ مُحَمَّدِ
فَيَا لِقُصَيٍّ مَا زَوَى اللهُ عَنْكُمُ ... بِهِ مِنْ فَعَالٍ لاَ تُجَارٰى وَسُؤْدَدِ
لِيَهْنِ بَنِى كَعْبٍ مَكَانُ فَتَاتِهِمْ ... وَمَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِمَرْصَدِ
سَلُوا أُخْتَكُمْ عَنْ شَاتِهَا وَإِنَائِهَا ... فَإِنَّكُمْ إِنْ تَسْأَلُوا الشَّاةَ تَشْهَدِ

"اللہ جو لوگوں کا پروردگار ہے' ان دو رفیقوں کو بہترین جزا دے جو ام معبد کے خیمے میں نازل ہوئے۔ وہ دونوں خیر کے ساتھ اترے اور خیر ہی کے ساتھ روانہ ہوئے اور جو محمد کا رفیق ہوا وہ کامیاب ہوا۔ ہائے قصی! اللہ نے اس کے ساتھ کتنے بے نظیر کارنامے اور سرداریاں سمیٹ دیں۔ بنو کعب کو ان کی خاتون کی قیام گاہ اور مومنین کی نگہداشت کا پڑاؤ مبارک ہو۔ تم اپنی خاتون سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق پوچھو تم اگر خود بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی شہادت دے گی۔"[1]

پھر آپ "قدید" سے آگے بڑھے تو سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی نے قریش کے اعلان کردہ انعام کے لالچ میں اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق کا پیچھا کیا۔ جب قریب پہنچا تو گھوڑا پھسل گیا اور سراقہ نیچے آرہا۔ اس نے اٹھ کر فال گیری کے تیر دیکھے کہ نقصان پہنچا سکتا ہے یا نہیں؟ تیر وہ نکلا جو ناپسند تھا' لیکن فال بد کی پروا کئے بغیر وہ سوار ہو کر اور آگے بڑھا۔ جب اس قدر قریب پہنچ گیا کہ آپ کی قراءت سننے لگا--- اور آپ التفات نہیں فرماتے تھے' جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ بار بار مڑ کر دیکھ رہے تھے--- تو اس کے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور وہ گھوڑے سے گر گیا۔ پھر سراقہ کی ڈانٹ پر گھوڑا اٹھنے لگا تو بمشکل اپنے دونوں پاؤں نکال سکا اور جب وہ سیدھا کھڑا ہوا تو اس کے پاؤں کے نشان سے آسمان کی طرف دھویں جیسا غبار اڑ رہا تھا۔ سراقہ نے پھر فال گیری کے تیر نکالے تو پھر وہی نکلا جو ناپسند تھا۔ اس سے اس پر زبردست رعب طاری ہو گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ نبی ﷺ کا معاملہ غالب آ کر

---

[1] زادالمعاد' ۲/ ۵۳' ۵۴۔ مستدرک حاکم' ۳/ ۹' ۱۰' حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ نیز شرح السنہ' بغوی' ۱۳/ ۲۶۴۔

رہے گا۔ چنانچہ اب اس نے امان کی پکار لگائی۔ وہ لوگ ٹھہر گئے اور یہ ان کے پاس پہنچا اور بتلایا کہ قریش نے کیا طے کیا ہے اور خود یہ کس ارادے سے چلا تھا؟ پھر زاد و متاع پیش کیا' لیکن نبی ﷺ نے کچھ نہ لیا' البتہ اس سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کی بات لوگوں سے چھپائے رکھے۔ سراقہ نے پروانۂ امن لکھوایا۔ آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور انہوں نے ایک چمڑے پر لکھ دیا۔ پھر سراقہ واپس ہوا اور جو کوئی تلاش میں ملا اس سے کہا:

"میں ادھر کی کھوج خبر لے چکا ہوں' یہاں تمہارا جو کام تھا کیا جا چکا ہے اور یوں تلاش کرنے والوں کو واپس کر دیا۔" [1]

راستے میں بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر یا اسی گھرانے تھے۔ وہ سب مسلمان ہو گئے اور نبی ﷺ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی۔ بریدہ غزوۂ احد کے بعد مدینہ آگئے۔ [2]

مقام "عرج" میں آپ کا گزر ابو تمیم اوس بن حجر اسلمی کے پاس سے ہوا۔ اس وقت بعض اونٹوں کے تھکنے کی وجہ سے آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ہی اونٹ پر تھے۔ اوس نے اپنا ایک اونٹ دیا اور اپنے غلام مسعود بن ہنیدہ کو ساتھ کر دیا' جو مدینہ تک آپ کا ہم رکاب رہا۔ احد کے موقع پر بھی اوس نے مشرکین کی آمد کی خبر اپنے اسی غلام کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کو بھجوائی تھی۔ اوس مسلمان ہو گیا تھا' لیکن عرج ہی میں قیام پذیر رہا۔ [3]

وادیٔ ریم میں پہنچے تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' جو مسلمانوں کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سفید پارچہ جات پیش کیے۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۰۶' ۳۹۱۱۔

[2] اسد الغابہ' ۲۰۹/۱۔

[3] اسد الغابہ' ۱/۱۷۳۔ سیرت ابن ہشام' ۴۹۱/۱۔

[4] صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۰۶۔

قبامیں تشریف آوری

سوموار ۸ ربیع الاول سنہ ۱۴ نبوت بمطابق سنہ ۱ ہجری کو رسول اللہ ﷺ قبا میں داخل ہوئے۔ ادھر اہل مدینہ نے جب سے رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر سنی تھی' روزانہ صبح ہی صبح حَرَّہ کی طرف نکل جاتے تھے اور جب دوپہر سخت ہو جاتی تو واپس پلٹ آتے تھے۔ ایک روز طویل انتظار کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی اپنی کسی گڑھی پر کچھ دیکھنے کے لئے چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء سفید کپڑوں میں ملبوس۔ جس سے سراب ڈھلک رہی تھی۔ چلے آرہے ہیں۔ اس نے بے خود ہو کر نہایت بلند آواز سے کہا۔

"عرب کے لوگو! یہ رہا تمہارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔"

یہ سنتے ہی مسلمان ہتھیار اٹھا اٹھا کر استقبال کیلئے نکل پڑے اور نبی ﷺ کی تشریف آوری پر مارے خوشی کے شور برپا ہو گیا۔ تکبیر سنی گئی۔ لوگوں نے حرہ کا رخ کیا اور وہیں پر آپ سے ملاقات کی۔ پھر آپ داہنے جانب مڑ گئے اور قبا میں "بنی عمرو بن عوف" میں قیام فرمایا۔

قبا میں اترنے کے بعد آپ ﷺ خاموش بیٹھ گئے۔ اب انصار کا جو آدمی آتا' جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو رسول سمجھ کر انہی کو سلام کرتا' کیونکہ ان کے بالوں میں سفیدی آچکی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آگئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر تان کر آپ پر سایہ کیا' تب لوگوں نے پہچانا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ [۱]

قبا میں رسول اللہ ﷺ نے کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن خیثمہ (رضی اللہ عنہ) کے مکان پر قیام فرمایا اور وہاں چار دن ٹھہر کر مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز پڑھی۔ پانچویں دن --جو جمعہ کا دن تھا-- اللہ کے حکم سے سوار ہوئے' ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے تھے۔ آپ نے اپنے ننھیال "بنو نجار" کے پاس پیغام بھجوایا۔ وہ لوگ تلواریں حمائل کئے حاضر ہوئے۔ اس کے بعد ان کی معیت میں آپ نے مدینہ کی جانب کوچ کیا۔ [۲] بنو سالم بن عوف کی بستی میں پہنچے تو جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپ نے وہیں بطن وادی میں جمعہ کی

---

[۱] ایضاً ایضاً (صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۰۶)

[۲] صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۱۱' ۳۹۳۲۔

نماز پڑھائی، جس میں سو آدمی شریک تھے۔ (۱)

مدینہ میں داخلہ جمعہ کے بعد مدینہ کا رخ کیا۔ اس وقت لوگ استقبال کے لئے امنڈ پڑے تھے۔ گھر اور گلی کوچے حمد و تسبیح سے گونج رہے تھے۔ عورتیں اور بچے، بچیاں نکل نکل کر کہہ رہیں تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
أَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالأَمْرِ الْمُطَاعَ

"ہم پر مدینہ کے اطراف سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک اللہ کو پکارنے والا پکارے، ہم پر شکر واجب ہے۔ اے ہم میں بھیجے گئے (نبی!) آپ واجب الاطاعت دین لے کر آئے ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ انصار کے جس محلے سے بھی گزرتے وہ آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے اور عرض کرتے کہ تعداد و سامان اور ہتھیار و حفاظت فرش راہ ہیں۔ تشریف لائیے! مگر آپ فرماتے:

"کہ اونٹنی کی راہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔"

چنانچہ اونٹنی جب اس مقام پر پہنچی جہاں آج مسجد نبوی ہے، تو وہ بیٹھ گئی، لیکن آپ نیچے نہیں اترے، یہاں تک کہ وہ اٹھ کر تھوڑی دور تک گئی، پھر مڑ کر دیکھنے کے بعد پلٹ آئی اور اپنی پہلی جگہ پر دوبارہ بیٹھ گئی۔ اس کے بعد آپ نیچے تشریف لائے۔ اب لوگوں نے اپنے اپنے گھر لے جانے کے لئے آپ سے عرض معروض شروع کی، لیکن حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جلدی سے آپ کا کجاوہ اٹھالیا اور اپنے گھر لے کر چلے گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے:

"آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہے۔"

البتہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑلی، اس لئے وہ انہی کے

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ۱/۴۹۴۔ زاد المعاد، ۲/۵۵۔

پاس رہی۔ [1]

ادھر سردارانِ انصار نے رسول اللہ ﷺ کی ضیافت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ ان کی طرف سے روزانہ کئی کئی "لگن" پہنچتیں۔ کوئی بھی ایسی رات نہ آتی کہ آپ کے دروازے پر تین' چار لگن حاضر نہ ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہجرت

نبی ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ مکہ میں تین روز ٹھہرے رہے۔ اس دوران' اہل مکہ کی جو امانتیں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں' انہیں ادا کیا۔ پھر پیدل چل پڑے اور قبا میں رسول اللہ ﷺ سے آملے۔ ان کا قیام کلثوم بن ہدم کے مکان پر تھا۔ [2]

اہل بیت کی ہجرت

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں قیام پذیر ہو چکے' تو زید بن حارثہ اور ابو رافع کو مکہ بھیجا۔ وہ نبی ﷺ کی دونوں صاحبزادیوں حضرت فاطمہ وام کلثوم' ام المؤمنین حضرت سودہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہن اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ساتھ لائے۔ ان کے ہمراہ عبد اللہ بن ابی بکر بھی ابوبکر کے عیال ام رومان' عائشہ اور اسماء کو لے کر آئے۔ رضی اللہ عنہم۔ یہ نبی ﷺ کی ہجرت کے چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ [3]

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے بعد ہجرت کی۔ انہوں نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو مشرکین نے انہیں روک لیا۔ ان کے پاس بہت سا مال تھا۔ وہ مال سے دستبردار ہو گئے تو مشرکین نے ان کی راہ چھوڑ دی۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کو واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا:

«رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيٰ»

"ابو یحییٰ! یہ بیع کامیاب رہی"۔

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۱/ ۴۹۴' ۴۹۶۔ زاد المعاد' ۲/ ۵۵۔ صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۱۱۔

[2] سیرت ابن ہشام' ۱/ ۴۹۳۔ زاد المعاد' ۲/ ۵۴۔

[3] زاد المعاد' ۲/ ۵۵ وغیرہ۔

ابو یحییٰ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت تھی۔ (1)

کمزور مسلمان مشرکین نے بعض مسلمانوں کو ہجرت سے روک رکھا تھا۔ وہ انہیں ستاتے اور دین سے پھیرنے کی کوشش کرتے تھے۔ انہی میں ولید بن ولید، عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص رضی اللہ عنہم تھے۔ رسول اللہ ﷺ کچھ عرصہ ان کے لئے نماز میں دعا (قنوت نازلہ) فرماتے رہے اور جن کفار قریش نے انہیں روکا تھا ان پر بددعا کرتے رہے اور یہی قنوت کی اصل ہے۔ پھر بعض مسلمانوں نے جرأت مندانہ قدم اٹھا کر انہیں کفار کی قید سے چھڑا لیا اور یہ بھی مدینہ آگئے۔ (2)

مدینے کی آب وہوا مہاجرین مدینہ اترے، تو جس زمین میں پلے بڑھے تھے اس کی یاد ستانے لگی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ، اللہ کی سب سے زیادہ وبا خیز سرزمین تھی۔ چنانچہ یہاں آنے کے بعد انہیں بخار اور مختلف امراض نے پکڑ لیا۔ آخر نبی ﷺ نے اپنے پروردگار سے دعا کی:

«اللَّهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، وَصَحِّحْهَا، وَبَارِكْ فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا، وَانْقُلْ حُمَّاهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ»

"اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو اسی طرح محبوب کر دے، جیسے مکہ محبوب تھا یا اس سے بھی زیادہ۔ اور مدینے کی فضا صحت بخش بنا دے اور اس کے صاع اور مد (غلے کے پیمانوں) میں برکت دے اور اس کا بخار منتقل کر کے جُحفہ پہنچا دے۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی یہ دعا سن لی۔ مسلمان امراض سے راحت پا گئے اور انہیں مدینہ محبوب ہو گیا۔ (3)

---

(1) سیرت ابن ہشام، ۱/۴۷۷۔

(2) دیکھئے! سیرت ابن ہشام، ۱/۴۷۴، ۴۷۶۔

(3) صحیح بخاری، حدیث: ۱۸۸۹، ۳۹۲۶، ۵۶۵۴، ۵۶۷۷، ۶۳۷۲۔

مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کے اعمال

جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو چکے تو "دعوت الی اللہ" کے ساتھ ساتھ وہاں کے دینی اور دنیوی امور کو بھی منظم کرنا شروع کیا۔

مسجد نبوی اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا پہلا قدم یہ تھا کہ آپ نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی اور اس کے لئے وہ زمین خریدی، جس پر آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ یہ دو یتیم بچوں کی زمین تھی۔ تقریباً سو ہاتھ لمبی اور سو ہاتھ چوڑی۔ اس میں مشرکین کی چند قبریں تھیں۔ کچھ ویرانہ تھا۔ کھجور اور غرقد کے چند درخت بھی تھے۔ آپ نے قبریں اکھڑوا دیں۔ ویرانہ ختم کرا دیا۔ درخت اور کھجوریں کٹوا دیں اور انہیں قبلہ کی جانب لگوا دیا۔ بنیاد تقریباً تین ہاتھ کھدوائی۔ دیواریں مٹی اور کچی اینٹوں سے اٹھوائیں۔ دروازے کے دونوں بازو پتھر کے لگائے گئے۔ چھت کھجور کی شاخوں کی اور شہتیر کھجور کے تنوں کے۔ فرش پر ریت اور کنکریاں بچھائی گئیں۔ مسجد میں تین دروازے رکھے گئے۔ قبلہ شمال میں بیت المقدس کی طرف تھا۔ تعمیر کے لئے رسول اللہ ﷺ مہاجرین وانصار کے ساتھ خود پتھر اور اینٹیں ڈھوتے تھے۔ آپ رَجز پڑھتے تھے اور مہاجرین وانصار بھی رَجز پڑھتے تھے اور اس سے ان کی تیزی اور بڑھ جاتی تھی۔ [1]

آپ نے مسجد کے بازو میں پتھر اور مٹی کے دو حجرے بھی بنائے، جن پر کھجور کے تنوں اور شاخوں کی چھت ڈالی۔ ایک حضرت سودہ بنت زمعہ کے لئے اور دوسرا حضرت عائشہ کے لئے (رضی اللہ عنہا)۔ اس وقت آپ کے عقد میں یہی دو بیویاں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی آمد کے تھوڑے ہی دن بعد شوال سنہ ۱ ہجری میں رخصت کیا گیا۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری، حدیث: ۴۲۸، ۳۹۰۶، ۳۹۳۲۔ زاد المعاد، ۲/۵۶۔

[2] زاد المعاد، ۲/۵۶۔

اذان

اب مسلمان پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنے کے لئے حاضر ہو رہے تھے اور اس کے لئے وہ وقت کا اندازہ لگاتے تھے، مگر دقت یہ تھی کہ کوئی بہت پہلے آجاتا تھا تو کوئی دیر سے پہنچتا۔ چنانچہ نبی ﷺ اور مسلمانوں نے مشورہ کیا کہ کوئی ایسی علامت اختیار کی جائے، جس سے سب کو وقت کا پتہ چل جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"کیوں نہ کسی آدمی کو بھیج دیا جائے جو ((اَلصَّلَاۃُ جَامِعَۃٌ)) "نماز جمع کرنے والی ہے۔" پکار دیا کرے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہی رائے قبول کی اور اسی پر عمل کیا۔ پھر حضرت عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان دیکھی اور آکر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا:

"یہ سچا خواب ہے۔"

اور حکم دیا کہ وہ حضرت بلال کو یہ کلمات القا کرتے جائیں اور بلال پکارتے جائیں، کیونکہ ان کی آواز زیادہ بلند اور سریلی ہے۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی۔ ان کی آواز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہا "واللہ! میں نے بھی اسی طرح دیکھا ہے۔ اس سے اس خواب کی مزید تائید ہو گئی اور اسی دن سے یہ اذان اسلام کا ایک شعار بن گئی۔" [1]

مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ

یہ انصار کا کرم اور ان کی خوبی تھی کہ وہ مہاجرین کو اپنے گھر ٹھہرانے اور ان کی میزبانی کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے تھے۔ وہ اللہ کے اس ارشاد کا حقیقی نمونہ تھے کہ:

﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (الحشر ۵۹/ ۹)

"اور وہ لوگ جنھوں نے دار (ہجرت) میں پہلے سے ٹھکانا بنایا اور ایمان لائے، تو جو ان

[1] ترمذی، صلاۃ، بدء الاذان، حدیث: ۱۸۹ (۱/ ۳۵۸، ۳۵۹)۔ ابوداود، مسند احمد وغیرہ۔

کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں دیا جائے اپنے سینوں میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتے اور اپنے آپ پر اوروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں تنگ دستی کیوں نہ ہو۔"

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محبت وایثار کو انصار اور مہاجرین میں بھائی چارہ کرا کے مزید پختہ کر دیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر انصاری اور اس کے نزیل (مہاجر مہمان) کو بھائی قرار دیا۔ یہ کل نوے آدمی تھے۔ آدھے مہاجرین سے اور آدھے انصار سے۔ آپ نے ان کے درمیان غم گساری پر اور اس بات پر بھائی چارہ کرایا کہ قرابت داروں کے بجائے وہی موت کے بعد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ بعد میں وراثت تو منسوخ کر دی گئی' لیکن بھائی چارگی باقی رہی۔ یہ "بھائی چارگی" حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر عمل میں آئی۔

مہاجرین سے انصار کی محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے کھجوروں کے باغات پیش کیے کہ آپ ان کے اور مہاجرین کے درمیان انہیں تقسیم فرما دیں۔ آپ نے انکار فرمایا تو انہوں نے کہا "پھر آپ لوگ کام کر دیا کریں اور ہم پھلوں میں آپ لوگوں کو شریک کر لیں گے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرمالیا۔ [1]

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ بڑے مالدار انصاری تھے' انہوں نے اپنے مہاجر بھائی عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا:

میرا مال آدھا آدھا تقسیم کر لو۔ میری دو بیویاں ہیں' دیکھو تمہیں جو زیادہ پسند ہو مجھے بتلا دو' میں اسے طلاق دے دیتا ہوں' عدت گزر جائے تو اس سے شادی کر لینا۔

عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا "اللہ آپ کے اہل اور مال میں برکت دے۔ آپ لوگوں کا بازار کدھر ہے؟"

انہوں نے انہیں بنو قینقاع کا بازار بتلا دیا۔ وہ واپس آئے تو ان کے پاس کچھ فاضل پنیر

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۲۲۹۴' ۶۰۸۳' ۷۳۴۰۔ صحیح مسلم' حدیث: ۲۵۲۹۔ سنن ابی داود' حدیث: ۲۹۲۶۔ الادب المفرد' حدیث: ۶۸۳۔ مسند ابی یعلیٰ ۳۶۶/۴ وغیرہ۔ زاد المعاد' ۵۶/۲۔

اور گھی تھا۔ پھر تھوڑے ہی دن گزرے کہ انہوں نے مال بھی کمالیا اور ایک انصاری عورت سے شادی بھی کرلی۔ (۱)

اسلامی معاشرے اور اسلامی امت کی بنیاد رکھنا

یہ "بھائی چارہ" مہاجرین کے ایک فرد اور انصار کے ایک فرد کے درمیان تعلق قائم کرتا تھا' لیکن مسلمان مدینہ آنے کے بعد چونکہ ایک مستقل امت ہو چکے تھے' اس لئے ان کی اجتماعی تنظیم کی بھی ضرورت تھی اور انہیں یہ بھی بتلانا تھا کہ ان کے حقوق وواجبات کیا ہیں اور ان نکات کی بھی نشاندہی کرنی تھی جو انہیں اوروں سے الگ ایک مستقل امت بناتے ہیں۔

پھر مدینہ میں مسلمانوں کے علاوہ دو اور جماعتیں تھیں جو عقیدے اور دین' مصالح اور ضروریات اور جذبات واحساسات میں مسلمانوں سے مختلف تھیں اور وہ تھے مشرکین اور یہود' چنانچہ نبی ﷺ نے ایک عہد وپیمان مسلمانوں کے مابین کرایا اور ایک دوسرا عہد وپیمان مسلمانوں اور مشرکین نیز مسلمانوں اور یہود کے درمیان کرایا اور اس بارے میں ایک تحریر بھی لکھی جس کے خاص خاص نکات یہ ہیں:

(۱) قریش اور یثرب کے مومنین ومسلمین اور ان کے ماتحت ہو کر ان کے ساتھ ملنے والے اور جہاد کرنے والے' بقیہ لوگوں سے الگ ایک امت ہیں۔

(۲) ان کی دیت کی ادائیگی اور قیدی کی رہائی اہل ایمان کے درمیان عرف سابق کے مطابق ہوگی اور یہ فدیہ اور دیت میں اہل ایمان کی مدد کریں گے۔

(۳) اور یہ لوگ مفسد' ظالم اور باغی کے خلاف ایک ہاتھ ہو کر اٹھیں گے' چاہے وہ ان کی اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) اور کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہ کرے گا اور نہ کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

(۵) اللہ کا ذمہ ایک ہے' لہٰذا ایک معمولی آدمی کا دیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔

---

(۱) صحیح بخاری' حدیث: ۲۰۴۹' ۳۷۸۱' ۳۹۳۷' ۵۰۷۲' ۵۱۶۷۔

﴿۶﴾ جو یہود مسلمانوں کے پیروکار ہو جائیں ان کی مدد کی جائے گی اور وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوں گے۔

﴿۷﴾ اور مسلمانوں کی صلح ایک ہو گی۔

﴿۸﴾ اور جو کسی مومن کو قصداً قتل کر دے اس سے قصاص لیا جائے گا' سوائے اس صورت کے کہ مقتول کے ولی راضی ہو جائیں۔ اور اہل ایمان پر ضروری ہے کہ سب قاتل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

﴿۹﴾ کسی مومن کے لئے حلال نہیں کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے یا بدعتی کی مدد کرے یا اسے ٹھکانا مہیا کرے۔

﴿۱۰﴾ اور ان کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ [۱]

اس عہد وپیمان کے علاوہ نبی ﷺ نے مختلف اوقات اور مواقع پر مسلمانوں سے "اسلامی اخوت" کا حق بھی بیان فرمایا۔ انہیں باہم تعاون و مدد' اتحاد ویگانگت اور غم گساری وخبر گیری کی ترغیب دی' یہاں تک کہ یہ "اخوت" تاریخ کی سب سے بلند چوٹی تک پہنچ گئی۔

باقی رہے مشرکین! تو ان کا معاملہ چل چلاؤ پر تھا۔ ان کی اکثریت اپنے سرداروں اور بڑوں سمیت مسلمان ہو چکی تھی اور ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ مسلمانوں کے مدمقابل کھڑے ہو سکتے' لہٰذا ان سے نبی ﷺ نے یہ عہد لیا کہ "کوئی مشرک قریش کی جان ومال کو پناہ نہ دے گا اور نہ کسی مومن کے آگے اس کی حفاظت کے لئے رکاوٹ بن سکے گا۔"

اور اس عہد کے بعد ان کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ رہا۔

باقی رہے یہود! تو ان کے ساتھ نبی ﷺ نے جو معاہدہ کیا اس کے خاص خاص نکات حسب ذیل ہیں:

﴿۱﴾ یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہوں گے۔ ان کے لئے ان کا دین اور مسلمانوں

---

[۱] سیرت ابن ہشام' ۱/۵۰۲' ۵۰۳' ۵۰۴۔

کیلئے مسلمانوں کا دین ہوگا۔ ان کے ذمہ ان کا خرچ ہوگا اور مسلمانوں کے ذمہ مسلمانوں کا۔

﴿۲﴾ جو طاقت اس معاہدے کے کسی بھی فریق سے جنگ کرے گی یا یثرب پر حملہ آور ہوگی، سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے اور ہر ایک اپنی جانب کا دفاع کرے گا۔

﴿۳﴾ اور اس معاہدے کے شرکاء کے درمیان خیر خواہی، خیر اندیشی اور نیکو کاری کے تعلقات ہوں گے، گناہ کے نہیں۔

﴿۴﴾ آدمی اپنے حلیف کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔

﴿۵﴾ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

﴿۶﴾ جب تک جنگ برپا رہے گی، یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

﴿۷﴾ اس معاہدے کے شرکاء پر یثرب (میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون) حرام ہو گا۔

﴿۸﴾ اور اگر ان میں کوئی ہنگامہ یا جھگڑا برپا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کریں گے۔

﴿۹﴾ قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

﴿۱۰﴾ اور یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لئے آڑ نہ بنے گا۔ [1]

اس قرارداد کے ذریعہ یثرب کے سارے باشندے مسلمان، مشرکین اور یہود ایک ہی وحدت کی لڑی میں پرو دیئے گئے اور مدینہ اور اس کے اطراف کو ملا کر ایک آزاد خود مختار حکومت قائم ہو گئی، جس میں مسلمانوں کا کلمہ نافذ تھا اور جس کے سربراہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔

اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ اور مسلمان "دعوت الی اللہ" کے کام میں سرگرم ہو گئے۔ چنانچہ آپ ﷺ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مجالس میں تشریف لے جاتے، ان کے سامنے "کلام اللہ" کی آیات تلاوت فرماتے، اللہ کی طرف بلاتے اور جو ایمان لاتا اس کا تزکیہ فرماتے اور اسے کتاب و حکمت سکھاتے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام، ۱/۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴۔

قریش کی فتنہ خیزیاں

قریش کے داؤ پیچ مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ وہاں کے معاملات مرتب فرما رہے تھے' زندگی کے مختلف گوشوں کی تنظیم کر رہے تھے اور یہ توقع کر رہے تھے کہ وہاں آپ کو اور مسلمانوں کو کسی کشمکش اور ٹکراؤ کے بغیر اپنے دین پر عمل کرنے کے لئے ایک پرامن ماحول میسر آئے گا کہ اسی دوران قریش کے داؤ گھات سامنے آئے جن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے۔

چنانچہ قریش نے مشرکین یثرب کو لکھا کہ:

"مسلمانوں سے لڑ کر انہیں مدینہ سے نکال باہر کریں اور اگر ایسا نہ کیا تو قریش ان کے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو قیدی بنا لیں گے۔"

اس خط کی آمد پر مشرکین اس پر عمل درآمد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے' لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس جاکر وعظ و نصیحت کی تو لڑائی کے ارادے سے باز آ گئے اور ادھر ادھر بکھر گئے۔ [1]

اسی طرح اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لئے مکہ گئے تو ابو صفوان امیہ بن خلف کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابو جہل سے سامنا ہو گیا۔ اس نے حضرت سعد کو پہچانا تو انہیں دھمکیاں دیں۔ کہنے لگا "مکے میں امن کے ساتھ گھوم رہے ہو' جب کہ اپنے یہاں بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے؟ سنو! اللہ کی قسم! اگر تم ابو صفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر سلامت پلٹ کر نہ جا سکتے تھے۔" یہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکنے کا اعلان تھا اور اس کا بھی کہ اگر وہ قریش کی حدود میں پائے گئے تو انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ [2]

---

[1] سنن ابی داؤد' باب خبر النضیر' ۲/۱۵۴۔ [2] صحیح بخاری' حدیث: ۳۶۳۲' ۳۹۵۰۔

قریش کے تعلقات یثرب کے یہود سے بھی تھے اور یہود --جیسا کہ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام سے منقول ہے-- سانپ اور سانپوں کی اولاد تھے۔ چنانچہ وہ اوس وخزرج کے درمیان پرانی دشمنیاں اور دفن شدہ کینے اکھیڑتے رہتے تھے۔ انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے اور دنگاوفساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

یوں مدینے میں اندر اور باہر سے مسلمانوں کو خطرات نے گھیرلیا اور بات یہاں تک جا پہنچی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہتھیار لے کر سوتے تھے اور ہتھیار کے ساتھ ہی صبح کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پہرے کا انتظام کیا گیا تھا' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿ وَٱللَّهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِۗ ﴾ (المائدة: ٥/ ٦٧)

"کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت کرے گا۔"

تو آپ نے فرمایا "لوگو! واپس جاؤ۔ اللہ عزوجل نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔" [1]

لڑائی کی اجازت ان پر خطر حالات میں اللہ عزوجل نے قریش سے قتال کی اجازت نازل فرمائی۔ آئندہ چل کر حالات مزید بدلے تو یہ اجازت واجب کے درجے تک پہنچ گئی' جس میں "غیر قریش" بھی شامل تھے' لیکن ان واقعات کے ذکر سے پہلے ان مراحل کو مختصر ذکر کر دینا ضروری ہے:

پہلا مرحلہ "مشرکین قریش" کو برسرجنگ سمجھنا' کیونکہ انہوں نے ہی ظلم کا آغاز کیا تھا' لہٰذا مسلمانوں کو حق پہنچتا تھا کہ ان سے لڑائی لڑیں اور ان کا مال ضبط کریں۔ جب کہ دوسرے مشرکین عرب کے ساتھ یہ صورت حال نہ تھی۔

دوسرا مرحلہ "مشرکین عرب" میں سے جو قریش کا ساتھ دیں اور ان سے اتحاد کریں یا غیر قریش میں سے جو بذاتِ خود مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کریں' ان سب سے لڑنا۔

---

[1] جامع ترمذی' تفسیر' سورۃ المائدۃ' حدیث: ۳۰۴۶ (۵/ ۲۳۴)

تیسرا مرحلہ جن یہود نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد وپیمان کر رکھا ہے' اگر وہ خیانت کریں اور مشرکین کا ساتھ دیں' تو ان کے عہد بشرط استواری کو توڑ دینا۔

چوتھا مرحلہ جو اہل کتاب' مثلاً نصاریٰ مسلمانوں سے دشمنی کا آغاز کریں تو ان سے بھی لڑنا' یہاں تک کہ وہ چھوٹے بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

پانچواں مرحلہ جو مشرک' یہودی یا نصرانی وغیرہ اسلام میں داخل ہو جائے اس سے ہاتھ روک لینا۔ اس کی جان ومال سے تعرض نہ کرنا سوائے اس صورت کے کہ وہ خود شرعی طور پر اس کا سزاوار ہو اور اس کا حساب اللہ پر ہو گا۔

سرایا اور غزوات جیسا کہ گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان شروع ہی سے احتیاط کا دامن پکڑے ہوئے تھے اور انہوں نے پہرے اور ہتھیاروں کے ساتھ سونے کا انتظام کر رکھا تھا۔ جب قتال کی اجازت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے "فوجی طلایہ گردی" کا انتظام فرمایا' جس کا سالار اپنے کسی صحابی کو بنا دیا کرتے تھے۔ اسے "سریہ" کہا جاتا ہے اور کبھی کبھی آپ ﷺ بنفس نفیس بھی نکلتے تھے۔ اسے "غزوہ" کہا جاتا ہے۔ اس "طلایہ گردی" کے مقاصد یہ تھے:

(۱) دشمن کی نقل وحرکت کا پتہ لگانا اور مدینہ کے اطراف کو محفوظ رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن مسلمانوں پر دھوکے سے ٹوٹ پڑے۔

(۲) قریش کے قافلوں سے چھیڑ خانی کر کے ان پر دباؤ ڈالنا' تاکہ انہیں اپنی تجارت اور جان ومال کے لئے خطرے کا احساس ہو جائے۔ اس کے بعد یا تو وہ اپنی حماقت سے باز آکر مسلمانوں سے صلح کر لیں اور انہیں اسلام کو پھیلانے اور اس پر عمل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیں اور یہی مسلمانوں کی انتہائی آرزو تھی یا جنگ اور قتال کا راستہ اپنائیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سب سے پہلے اپنی تجارت کا راستہ کھو دیں گے' کیونکہ وہ مدینہ کے اطراف سے گزرتا تھا اور دوسرے درجہ پر اللہ کے حکم اور

اس کی مدد سے اپنے شر اور ظلم کا بدلہ پاجائیں گے۔ اس کی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام میں کئی بار اشارہ کیا جا چکا تھا۔

﴿۳﴾ دوسرے قبائل کے ساتھ دوستی وتعاون اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنا۔

﴿۴﴾ اللہ کا پیغام پہنچانا اور قولاً و عملاً اسلام کی دعوت دینا۔

۞ اس سلسلہ میں پہلا ''سریہ'' جو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا وہ ''سریہ سِیفُ البحَر'' کہلاتا ہے۔ اسے آپ نے رمضان سنہ ۱ ہجری میں بھیجا اور اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اس کا امیر بنایا۔ اس میں کل تیس مہاجرین تھے۔ یہ لوگ عیص کے اطراف میں بحر احمر کے ساحل تک گئے اور قریش کا ایک قافلہ جو ابو جہل کی سرکردگی میں شام سے آرہا تھا' اس سے سامنا ہوا۔ دونوں فریق نے صفیں باندھ لیں اور قریب تھا کہ جنگ ہو جاتی' لیکن مجدی بن عمرو جہنی نے بیچ بچاؤ کرا دیا اور دونوں فریق واپس چلے گئے۔

۞ یہ اسلامی تاریخ کا پہلا ''سریہ'' اور پہلا فوجی عمل تھا۔ اس کا جھنڈا سفید تھا۔ اور یہ اسلامی تاریخ کا پہلا جھنڈا تھا اور اس کے علمبردار ابو مرثد کنانہ بن حصین غنوی تھے۔

۞ اس کے بعد پے درپے ''سریے'' روانہ کئے گئے۔ چنانچہ شوال میں ابو عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ساٹھ مہاجرین کے ساتھ بطن رابغ میں بھیجا گیا۔ وہاں ابو سفیان سے سامنا ہوا جو دو سو آدمیوں کے ساتھ تھا۔ دونوں طرف سے تیر چلے لیکن جنگ نہ ہوئی۔

۞ پھر ذی قعد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیس مہاجرین کے ساتھ رابغ کے قریب خرار کی طرف بھیجا گیا' لیکن ان کا کسی سے سامنا نہ ہوا۔

۞ اس کے بعد صفر سنہ ۲ ہجری میں ستر مہاجرین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بذات خود نکلے اور ابواء یا وَدَّان تشریف لے گئے' لیکن کسی سے سامنا نہ ہوا۔ اس سفر میں آپ ﷺ نے عمرو بن مخشی الضمری کے ساتھ امان اور تعاون کا معاہدہ کیا۔ یہ پہلی ''مہم'' ہے جس میں رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود نکلے۔

اس کے بعد آپ ﷺ ربیع الاول سنہ ۲ ہجری میں دو سو مہاجرین کے ساتھ رضوی کے اطراف میں بواط تک تشریف لے گئے۔ وہاں بھی کسی سے سامنا نہ ہوا۔

اسی مہینے میں کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور کچھ مویشی ہانک کر لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ستر مہاجرین کے ساتھ اس کا تعاقب کیا اور بدر کے اطراف میں سفوان تک تشریف لے گئے، لیکن کرز نکل بھاگا۔ اس واقعہ کو "غزوۂ بدر اولیٰ" بھی کہتے ہیں۔

اس کے بعد آپ جمادی الاولیٰ یا جمادی الاخری ۲ ہجری میں ایک سو یا دو سو پچاس مہاجرین کے ساتھ ذوالعشیرہ تک تشریف لے گئے۔ مقصود، قریش کے ایک قافلے کو روکنا تھا جو ملک شام جا رہا تھا، لیکن وہ آپ ﷺ کے پہنچنے سے چند دن پہلے ہی جا چکا تھا۔ اس سفر میں آپ نے بنو مدلج کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا۔

پھر رجب سنہ ۲ ہجری میں آپ ﷺ نے عبد اللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ کو بارہ مہاجرین کے ہمراہ، مکہ اور طائف کے درمیان مقام "نخلہ" کے لئے روانہ کیا۔ مقصود یہ تھا کہ وہ قریش کے ایک قافلے کی خبر لائیں، مگر ان لوگوں نے قافلہ پر حملہ کر کے ایک آدمی کو قتل اور دو کو قید کر لیا اور قافلہ کو ہانک لائے۔ اس حرکت پر رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے۔ چنانچہ قیدیوں کو چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا ادا کیا۔

یہ واقعہ رجب کی آخری تاریخ کو پیش آیا تھا، اس لئے مشرکین نے شور مچایا کہ مسلمانوں نے حرام مہینے کی حرمت پامال کر ڈالی۔ اس پر اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿ يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلشَّهْرِ ٱلْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ وَكُفْرٌۢ بِهِۦ وَٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِۦ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ ٱللَّهِ ۚ وَٱلْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ ٱلْقَتْلِ ﴾ (البقرۃ۲/ ۲۱۷)

"لوگ آپ سے حرام مہینے میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس کے ساتھ کفر کرنا، اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا، یہ سب اللہ کے نزدیک اور زیادہ بڑا جرم ہے اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔"[1]

---

[1] ان سرایا اور غزوات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام، ۵۹۱/۱، ۶۰۵۔ زادالمعاد، ۸۳/۲-۸۵۔

شعبان سنہ ۲ ہجری میں قبلہ بھی بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کو بنا دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ یہی چاہتے بھی تھے اور اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اس سے بعض دھوکے باز منافقین اور یہود بھی منظر عام پر آ گئے' جو جھوٹ موٹ مسلمان بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ مرتد ہو گئے اور مسلمانوں کی صفیں ان سے پاک ہو گئیں۔

یہ تھی جنگی نقل و حرکت' جو مدینہ اور اس کے اطراف کے امن کی حفاظت کے لئے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے قائم کر رکھی تھی۔ اس سے قریش کو یہ بتلانا بھی مقصود تھا کہ اگر وہ اپنے شر سے باز نہ آئے تو انجام برا ہو گا۔ لیکن وہ اپنی خود سری اور تکبر میں بڑھتے ہی گئے' چنانچہ بدر کے میدان میں اس کی سزا پالی اور جزا بہرحال گھاٹے ہی کی تھی۔

غزوۂ بدر کبریٰ

﴿ ۱۷ رمضان سنہ ۲ ہجری ﴾

یہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان پہلا فیصلہ کن معرکہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جس قافلے کے لئے ذوالعشیرہ تشریف لے گئے تھے اور جو بچ کر شام چلا گیا تھا آپ اس کی تاک میں تھے اور اس کی خبر لانے کے لئے آپ نے شام کے مقام حوراء تک دو آدمی بھیجے تھے۔ چنانچہ جیسے ہی یہ قافلہ وہاں سے گذرا انہوں نے جلدی سے مدینہ خبر پہنچائی [1] اور خبر ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نکلنے کی دعوت دی' لیکن نکلنا ضروری نہیں قرار دیا۔ چنانچہ اس دعوت پر ۳۱۳' ۳۱۴' یا ۳۱۷' آدمیوں نے لبیک کہا۔ جس میں ۸۲ یا ۸۳ یا ۸۶ مہاجرین تھے اور ۶۱ قبیلہ اوس کے اور ۱۷۰ قبیلہ خزرج کے انصار تھے۔ انہوں نے مکمل تیاری بھی نہ کی تھی' [2] سواری میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے سفید جھنڈا باندھا اور اسے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ اس کے علاوہ ایک جھنڈا مہاجرین کا تھا جسے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لئے ہوئے تھے اور ایک جھنڈا انصار کا تھا جسے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔ مدینہ کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا' لیکن روحاء پہنچ کر ان کی جگہ ابو لبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ سے نکلے تو "بدر" منزل مقصود تھی۔ یہ مدینہ کے جنوب مغرب میں ۱۵۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے ہر طرف سے بلند پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔

---

[1] مغازی الواقدی۔

[2] دیکھئے صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۵۵' ۳۹۵۶' ۳۹۵۷' ۳۹۵۸' ۳۹۵۹۔

آمد و رفت کے صرف تین راستے ہیں۔ ایک جنوب میں ہے جسے "اَلْعُدْوَۃُ الْقُصْوٰی" (دور کا ناکہ) کہا جاتا ہے' دوسرا شمال میں ہے جو "اَلْعُدْوَۃُ الدُّنیَا" (قریب کا ناکہ) کہلاتا ہے۔ تیسرا شمالی راستے کے قریب ہی مشرق میں ہے اور اس سے اہل مدینہ آتے جاتے ہیں۔ مکہ سے شام آنے جانے والے قافلوں کا کاروانی راستہ اسی احاطے کے اندر سے گذرتا تھا۔ اس میں کچھ مکانات' کنوئیں اور باغات بھی تھے۔ اس لئے قافلے عموماً یہاں پڑاؤ ڈالتے تھے اور کئی گھنٹوں سے لے کر کئی دنوں تک ٹھہرتے تھے' لہٰذا یہ بات بہت آسان تھی کہ اس احاطے میں قریش کا قافلہ اترنے کے بعد مسلمان تینوں راستے بند کر دیں اور قافلہ اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائے' لیکن اس تدبیر کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ قافلے کو مسلمانوں کے نکلنے کا مطلق علم نہ ہو' تاکہ وہ غفلت میں بدر کے اندر اتر پڑیں۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ جب مدینہ سے نکلے تو آپ نے پہلے پہل جو راستہ اختیار کیا وہ بدر کے بجائے کہیں اور جاتا تھا۔ پھر بہت دھیمی رفتار سے بدر کی جانب پیش قدمی فرمائی۔

جہاں تک قافلے کا تعلق ہے تو اس میں ایک ہزار اونٹ تھے' جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار کی مالیت کا سامان بار کیا ہوا تھا۔ اس کا سالار ابو سفیان تھا اور اس کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے۔ ابوسفیان حد درجہ بیدار اور محتاط تھا۔ ہر آنے جانے والے سے مسلمانوں کی نقل و حرکت کے متعلق دریافت کرتا رہتا تھا۔ چنانچہ ابھی وہ بدر سے کافی دور تھا کہ اسے مسلمانوں کے نکلنے کا علم ہو گیا' لہٰذا اس نے قافلے کا رخ مغرب کی طرف پھیر کر ساحل کا راستہ پکڑ لیا اور بدر کا راستہ کلی طور پر چھوڑ دیا۔ ساتھ ہی ایک آدمی کو اجرت دے کر مکہ بھیجا کہ جس قدر جلد ممکن ہو' انہیں مسلمانوں کے نکلنے کی اطلاع دے دے۔ اس شخص نے خبر پہنچائی تو اہل مکہ نہایت تیزی سے تیار ہوئے اور سب کے سب نکلے۔ ابو لہب کے سوا بڑوں میں کوئی پیچھے نہ رہا۔ آس پاس کے قبائل کے آدمی بھی ساتھ لے لئے۔ قریش کے بڑوں میں سے صرف بنو عدی نے اس میں شرکت نہ کی۔

جب یہ لشکر "جحفہ" پہنچا تو اسے ابو سفیان کا پیغام ملا' جس میں اس نے اپنے بچ نکلنے کی اطلاع دی تھی اور یہ مطالبہ کیا تھا کہ مکہ واپس پلٹ جائیں۔ چنانچہ لوگوں نے واپسی کا ارادہ

کرلیا۔ مگر ابو جہل' اپنے تکبر اور نخوت کے سبب آڑے آگیا اور کوئی واپس نہ ہو سکا۔ صرف بنو زہرہ اپنے حلیف اور رئیس اخنس بن شریق ثقفی کی رائے پر واپس ہوئے اور یہ تین سو تھے۔ باقی ایک ہزار لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا' تا آنکہ "عدوۂ قصویٰ" کے قریب پہنچ کر بدر کے باہر پہاڑوں کے پیچھے ایک وسیع میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو راستے ہی میں اہل مکہ کے خروج کا علم ہو گیا' لہٰذا آپ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور اچھی بات کہی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور اچھی بات کہی۔ پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے:

"اے اللہ کے رسول! واللہ! ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ:

﴿ فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾ ﴾

(المائدۃ: ٥/ ٢٤)

"تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو' ہم یہیں بیٹھے ہیں۔"

بلکہ ہم آپ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے سے لڑیں گے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک دمک اٹھا اور آپ مسرور ہو گئے۔ [1]

اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا کہ:

"مسلمانو! مجھے مشورہ دو"

اس پر انصار کے رئیس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے کہ:

"یارسول اللہ! گویا آپ ہماری طرف اشارہ فرما رہے ہیں' تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں اس سمندر پر لے چلیں اور اس میں کودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ کل آپ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ میں پامرد اور لڑنے میں جوانمرد ہیں اور توقع ہے کہ اللہ آپ کو ہمارا وہ جوہر

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۵۲' ۴۶۰۹۔

دکھلائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی' لہٰذا آپ ہمیں لے کر بڑھیں۔ اللہ برکت دے ---انہوں نے گفتگو کے دوران یہ بھی کہا--- اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اگر آپ پیش قدمی کرتے ہوئے "بَرکِ غِماد" تک جائیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

اس سے رسول اللہ ﷺ پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ نے فرمایا:

"چلو اور خوش ہو جاؤ' کیونکہ مجھ سے اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ! اس وقت میں گویا قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔"

پھر آپ نے بدر کی جانب پیش قدمی کی اور وہاں اسی رات پہنچے' جس رات مشرکین پہنچے تھے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے میدان بدر کے اندر "عدوۂ دنیا" کے قریب پڑاؤ ڈالا' لیکن حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ آگے بڑھ چلیں اور جو چشمہ دشمن کے سب سے زیادہ قریب ہے اس پر پڑاؤ ڈالیں' تاکہ مسلمان حوض بنا کر اپنے لئے پانی جمع کر لیں اور بقیہ چشموں کو پاٹ دیں' اس طرح دشمن پانی سے محروم رہ جائے گا۔ چنانچہ آپ نے یہی کیا۔

پھر مسلمانوں نے ایک چھپر بنائی جو نبی ﷺ کی قیادت گاہ تھی اور اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں انصاری جوانوں کی ایک جماعت پہرے اور حفاظت کیلئے مقرر کر دی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب فرمائی [1] اور میدان جنگ کا چکر لگایا' وہاں آپ نے ہاتھ کا اشارہ کر کر کے فرمایا کہ:

"یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے اور یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے ان شاء اللہ" [2]

پھر ایک درخت کی جڑ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے رات گذاری۔ مسلمانوں نے بھی بھرپور اعتماد کے ساتھ پرسکون رات گزاری اور اللہ نے بارش نازل فرمائی' جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

---

[1] ترمذی' الجہاد' باب ماجاء فی الصف والتعبیة عندالقتال' حدیث: ١٦٧٧ (١٦٧/٤)

[2] صحیح مسلم۔

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ ٱلنُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِۦ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ ٱلشَّيْطَٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ ٱلْأَقْدَامَ ﴿١١﴾﴾ (الأنفال٨/ ١١)

"جب (اللہ) تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوفی کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا' تاکہ تمہیں اس کے ذریعہ پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے اور تمہارے دل مضبوط کر دے اور تمہارے قدم جما دے۔"

پھر صبح ہی یعنی جمعہ کی صبح ۱۷ رمضان سنہ ۲ ہجری' دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

"اے اللہ! یہ قریش ہیں جو اپنے غرور و تکبر کے ساتھ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہوئے آئے ہیں۔ اے اللہ! تیری مدد' جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ! آج انہیں اینٹھ کر رکھ دے۔"

پھر آپ نے صفیں برابر کیں اور فرمایا کہ "جب تک میرا حکم نہ آجائے لڑائی شروع نہ کریں۔" نیز فرمایا کہ "جب وہ تمہارے قریب آجائیں تو ان پر تیر چلانا اور اپنے تیروں کو بچائے رکھنے کی کوشش کرنا[1] اور جب تک وہ تم پر چھا نہ جائیں تلوار نہ کھینچنا۔[2] اس کے بعد آپ چھپر میں واپس آگئے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے اللہ عزوجل سے بڑے سوز کے ساتھ دعا کی۔ یہاں تک کہ فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ إِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدْ أَبَدًا اَللّٰهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ أَبَدًا»

"اے اللہ! اگر آج یہ جماعت ہلاک ہو گئی' تو کبھی تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد کبھی تیری عبادت نہ کی جائے۔"

آپ ﷺ نے خوب تضرّع اور خلوص کے ساتھ دعا کی' یہاں تک کہ آپ ﷺ کی

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۸۴' ۳۹۸۵۔

[2] سنن ابی داود' الجهاد' باب فی سل السيوف عند اللقاء ۲/ ۱۳۔

چادر آپ کے کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر درست کی اور عرض پرداز ہوئے کہ "اے اللہ کے رسول! بس فرمائیے۔ آپ نے اپنے رب سے جی بھر کے دعا فرمالی۔"[۱]

دوسری طرف مشرکین کی صورت حال یہ تھی کہ ابو جہل نے اللہ سے فیصلے کی دعا کی۔ اس نے کہا:

"اے اللہ! ہم میں سے جو فریق قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور غلط حرکتیں زیادہ کرنے والا ہے' اسے آج توڑ دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو فریق تیرے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ پسندیدہ ہے' آج اس کی مدد فرما۔"

مبارزت اور قتال

اس کے بعد قریش کے تین بہترین سوار عتبہ' شیبہ فرزندان ربیعہ اور ولید بن عتبہ آگے بڑھے اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ جواب میں انصار کے تین جوان نکلے۔ مشرکین نے کہا "ہم اپنے چچیرے بھائیوں کو چاہتے ہیں۔"

چنانچہ اب حضرت عبیدہ بن حارث' حمزہ اور علی رضی اللہ عنہم آگے بڑھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو اور علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو کھیت کیا' البتہ عبیدہ رضی اللہ عنہ اور عتبہ کے درمیان دو ضربوں کا تبادلہ ہوا اور ایک نے دوسرے کو اچھی طرح زخمی کر دیا' لیکن اتنے میں حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما اپنے اپنے شکار سے فارغ ہو کر عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کر کے حضرت عبیدہ کو اٹھا لائے۔ ان کا پاؤں کٹ گیا تھا اور اس کی وجہ سے چار یا پانچ دن بعد مدینہ واپسی کے دوران صفراء میں ان کا انتقال ہو گیا۔[۲]

مبارزت کا نتیجہ مشرکین کیلئے برا ثابت ہوا۔ چنانچہ وہ غصہ سے بے قابو ہو کر مسلمانوں کی صفوں پر نہایت تندی کے ساتھ ٹوٹ پڑے اور مرد واحد کی طرح یکبارگی حملہ کر دیا' لیکن مسلمان اپنی جگہ جمے رہے۔ وہ اپنا دفاع کر رہے تھے۔ اور احد احد کہہ رہے تھے۔

---

[۱] صحیح بخاری' حدیث: ۲۹۱۵' ۳۹۵۳' ۴۸۷۵' ۴۸۷۷۔

[۲] مبارزت کی خبر کے لیے دیکھئے صحیح بخاری' کتاب المغازی وغیرہ' حدیث: ۳۹۶۵' ۳۹۶۶' ۳۹۶۷' ۳۹۶۸' ۳۹۶۹' ۴۷۴۳' ۴۷۴۴۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو ایک جھپکی آئی' پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا "ابو بکر خوش ہو جاؤ تمہارے پاس اللہ کی مدد آ گئی۔ یہ جبریل ہیں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے آگے آگے چل رہے ہیں۔ ان کے جوڑوں پر گرد و غبار ہے۔" [1]

اس دن اللہ نے ایک ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد کی تھی۔

پھر رسول اللہ ﷺ زرہ پوش' سپاہیانہ شان سے آگے بڑھے۔ اس وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے:

﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ ﴾ (القمر ٥٤/ ٤٥)

"عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔" [2]

پھر آپ ﷺ نے ایک مٹھی کنکریلی مٹی لی اور ((شَاهَتِ الْوُجُوْهُ)) "چہرے بگڑ جائیں" کہتے ہوئے مشرکین کے چہروں پر دے ماری۔ اللہ کی قدرت! کوئی مشرک نہ بچا کہ جس کی دونوں آنکھوں اور نتھنے میں ایک مٹھی مٹی میں سے کچھ نہ کچھ نہ گیا ہو۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ﴾ (الأنفال٨/ ١٧)

"جب آپ نے پھینکا تو درحقیت آپ نے نہیں پھینکا' بلکہ اللہ نے پھینکا۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مشرکین پر حملے کا حکم اور جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

((شُدُّوْا)) "چڑھ دوڑو!"

چنانچہ مسلمان جن کا جوش جہاد ابھی شباب پر تھا' چڑھ دوڑے اور ان کے جوش و خروش میں یہ دیکھ کر مزید تیزی آ گئی کہ رسول اللہ ﷺ بہ نفس نفیس ان کے درمیان موجود ہیں اور سب سے آگے بڑھ کر لڑ رہے ہیں' [3] چنانچہ وہ صفوں کی صفیں درہم برہم

---

[1] ایسا ہی صحیح بخاری میں ہے' حدیث: ٣٩٩٥' ٤٠٤١۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ٢٩١٥' ٤٨٧٥' ٤٨٧٧۔

[3] اسے ابو یعلیٰ نے پنی مسند میں روایت کیا ہے۔ ٣٢٩/١ حدیث: ٤١٢۔

کرنے اور گردنیں کاٹنے لگے اور فرشتوں نے بھی ان کی مدد کی' وہ بھی مشرکین کی گردنیں مارتے اور جوڑوں پر ضرب لگاتے تھے' چنانچہ آدمی کا سر کٹ کر گرتا اور پتہ نہ چلتا کہ کس نے مارا ہے اور آدمی کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور پتہ نہ چلتا کہ کس نے کاٹا ہے۔ [1] یوں مشرکین پر شکست نازل ہو گئی اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی اور مسلمانوں نے ان کو کھدیڑ لیا۔ کسی کو قتل کیا تو کسی کو قید کیا۔

ادھر مشرکین کی تائید میں اور مسلمانوں کے خلاف ان کو بھڑکانے کے لئے ابلیس بھی سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں حاضر تھا۔ جب اس نے فرشتے اور ان کی کارروائیاں دیکھیں تو الٹے پاؤں پلٹ کر بھاگا اور اپنے آپ کو "بحر احمر" میں جا کر ڈال دیا۔

ابو جہل کا قتل

ابو جہل ایک ایسے گروہ میں تھا' جنہوں نے اس کے گرد اپنی تلواروں اور نیزوں کی باڑھ قائم کر رکھی تھی۔ ادھر مسلمانوں کی صف میں حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے اردگرد دو انصاری جوان تھے' جن کی موجودگی سے وہ مطمئن نہ تھے کہ اتنے میں ایک نے اپنے ساتھی سے چھپا کر ان سے کہا "چچا جان! مجھے ابو جہل دکھلا دیجئے۔" انہوں نے کہا "اسے کیا کرو گے؟" اس نے کہا "مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو میرا وجود اس کے وجود سے جدا نہ ہو گا' یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے ہو وہ مرجائے۔" اتنے میں دوسرے نے بھی یہی بات کہی۔ اس کے بعد جب صفیں پھٹ گئیں تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ابو جہل چکر کاٹ رہا ہے' انہوں نے دونوں کو اسے دکھلایا' دونوں جھپٹ پڑے اور تلوار مار کر قتل کر دیا۔ ایک نے پنڈلی پر ضرب لگائی اور اس کا پاؤں یوں اڑ گیا جیسے موسل کی مار پڑنے پر گٹھلی اڑ جاتی ہے اور دوسرے نے بری طرح زخمی کر دیا اور اس حال میں چھوڑا کہ صرف سانس آ جا رہی تھی۔ اس کے بعد دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ دونوں کا دعویٰ تھا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ آپ نے تلواریں دیکھیں اور فرمایا کہ:

---

[1] طبقات ابن سعد' غزوۂ بدر۔

"دونوں نے قتل کیا ہے"

یہ دونوں جوان عفراء کے صاحبزادے معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما تھے۔ معوذ رضی اللہ عنہ تو اسی غزوہ میں شہید ہو گئے' البتہ معاذ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک باقی رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کو ابوجہل کا سامان دیا۔ [1]

معرکہ ختم ہو گیا تو لوگ ابو جہل کی تلاش میں نکلے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے پالیا۔ ابھی اس کی سانس آجارہی تھی۔ انہوں نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا اور سر کاٹنے کے لئے داڑھی پکڑی اور فرمایا "او اللہ کے دشمن! آخر اللہ نے تجھے رسوا کیا نا!"

اس نے کہا "مجھے کاہے کو رسوا کیا؟ کیا جس شخص کو تم لوگوں نے قتل کیا ہے' اس سے اوپر بھی کوئی آدمی ہے؟"

پھر بولا "کاش مجھے کسانوں کے بجائے کسی اور نے قتل کیا ہوتا۔"

اس کے بعد کہنے لگا "مجھے بتاؤ آج فتح کس کی ہوئی؟" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا "اللہ اور اس کے رسول کی۔" ابوجہل نے کہا "او بکریوں کے چرواہے! تو بڑی مشکل جگہ پر چڑھ گیا ہے۔"

اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر کاٹ لیا اور خدمت نبوی میں حاضر کیا۔ آپ نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

"اللہ سب سے بڑا ہے' تمام تعریف اللہ کے لئے ہے' جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھلایا' اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا سارے گروہوں کو شکست دے دی۔"

---

[1] ایک صحیح روایت کے مطابق یہ دو نوجوان معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموح تھے اور آپ نے معاذ بن عمرو بن جموح کو ابوجہل کا سامان دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموح دونوں نے بیک وقت حملہ کیا ہو اس کے فوراً بعد معوذ بھی پہنچ گئے ہوں۔ (فتح الباری' المغازی' باب قتل ابی جہل)

پھر فرمایا ”یہ اس امت کا فرعون ہے۔“ [۱]

یوم الفرقان (فیصلے کا دن)

یہ معرکہ کفر و ایمان کا معرکہ تھا۔ اس میں آدمی نے اپنے چچا سے' باپ نے اپنے بیٹے سے' بھائی نے اپنے بھائی سے اور قرابت دار نے اپنے قریب ترین لوگوں سے جنگ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام کو قتل کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمان کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قید کیا۔ یوں قرابت کے تعلقات کٹ گئے۔ اللہ نے کلمۂ ایمان کو کلمۂ کفر پر بلندی عطا کی اور حق کو باطل سے جدا کر دیا' اسی لئے اس دن کا نام ”یوم الفرقان“ پڑ گیا۔ یعنی بدر کا دن ۱۷ رمضان المبارک۔

فریقین کے مقتولین

اس معرکے میں چودہ مسلمان شہید ہوئے۔ چھ مہاجرین اور آٹھ انصار۔ انہیں میدان بدر ہی میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ان کی قبریں اب بھی معروف ہیں۔

مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ مرنے والوں میں زیادہ تر سر برآوردہ قسم کے لوگ تھے۔ ان میں سے چوبیس سرداروں کے لاشے کھینچ کر بدر کے ایک گندے خبیث کنوئیں میں پھینک دیئے گئے۔ [۲]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز بدر میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد جب واپسی کے لئے تیار ہوئے' تو اس کنویں کی منڈیر پر آکر کھڑے ہو گئے اور ان سرداروں کا نام لے لے کر پکارا:

”اے فلاں کے بیٹے فلاں! اور اے فلاں کے بیٹے فلاں! کیا تمہیں یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی' کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے برحق پایا۔ تو کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا' اسے تم نے برحق پایا؟“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ”اللہ کے رسول! آپ ایسے جسموں سے کیا باتیں کر رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں؟“

---

[۱] صحیح بخاری' حدیث: ۳۱۴۱' ۳۹۶۱' ۳۹۶۲' ۳۹۶۳' ۳۹۸۴' ۳۹۸۸' ۴۰۲۰۔

[۲] صحیح بخاری' حدیث: ۲۴۰' ۵۲۰' ۲۹۳۴' ۳۱۸۵' ۳۸۵۴' ۳۹۶۰۔

آپ نے فرمایا: ”میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔ لیکن یہ لوگ جواب نہیں دے سکتے۔“ [1]

مکہ اور مدینہ میں معرکے کی خبر

مکے میں شکست کی خبر بھاگنے والے مشرکین کے ذریعے پہنچی' جس سے انہیں بڑی ذلت ورسوائی محسوس ہوئی' حتیٰ کہ انہوں نے مقتولین پر نوحہ گری سے روک دیا' تاکہ مسلمان خوش نہ ہوں۔ لطف یہ ہوا کہ اسود بن مطلب کے تین بیٹے مارے گئے اور ان پر وہ نوحہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ایک رات ایک نوحہ کرنے والی عورت کی آواز سنی تو سمجھا کہ اجازت مل گئی ہے اور جھٹ اپنے غلام کو حقیقت معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ یہ عورت تو اپنے ایک گمشدہ اونٹ پر رو رہی ہے۔ اسود یہ سن کر اپنے آپ پر قابو نہ پاسکا اور بے اختیار پکار اٹھا:

أَتَبْكِي أَنْ يَضِلَّ لَهَا بَعِيْرٌ ... وَيَمْنَعُهَا مِنَ النَّوْمِ السُّهُوْدُ
فَلَا تَبْكِيْ عَلَى بَكْرٍ وَلَكِنْ ... عَلَى بَدْرٍ تَقَاصَرَتِ الْجُدُوْدُ

”کیا وہ اس بات پر روتی ہے کہ اس کا اونٹ غائب ہوگیا اور اس پر بے خوابی نے اس کی نیند حرام کر رکھی ہے۔ تو اونٹ پر نہ رو' بلکہ بدر پر رو جہاں قسمتیں پھوٹ گئیں۔“

مزید چند اشعار کہے جن میں اپنے بیٹوں پر آہ وفغاں کیا۔

ادھر اہل مدینہ کی خوشخبری کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دو قاصد روانہ فرمائے۔ ایک عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ' بالائی مدینہ کی طرف اور دوسرے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ' زیریں مدینہ کی طرف۔ اس دوران یہود نے جھوٹے پروپیگنڈے کر کے مدینہ میں ہلچل مچا رکھی تھی۔ اس لئے جب فتح کی خبر پہنچی تو ہر طرف مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ مدینے کے در وبام تہلیل وتکبیر کے نعروں سے گونج اٹھے اور سربرآوردہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کو مبارک باد دینے کے لئے بدر کے راستے میں نکل پڑے۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث:۳۹۷۶۔

رسول اللہ ﷺ مدینے کی راہ میں

رسول اللہ ﷺ نصرت الٰہی کا تاج پہنے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ مال غنیمت اور قیدی بھی تھے۔ وادیٔ صفراء کے قریب پہنچے تو تقسیم غنیمت کا حکم نازل ہوا۔ چنانچہ آپ نے "خُمُس" نکال کر باقی مال غنیمت غازیوں پر تقسیم فرما دیا۔ پھر وادیٔ صفراء میں پہنچ کر نضر بن حارث کو قتل کرنے کا حکم دیا اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن اڑا دی۔ اس کے بعد "عرق الظبیہ" پہنچے تو عقبہ بن ابی معیط کو قتل کرنے کا حکم دیا اور حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کی گردن مار دی۔

سربر آوردہ مسلمان جو رسول اللہ ﷺ کو مبارک باد دینے کے لئے نکلے تھے' مقام رَوحاء میں آپ سے ان کی ملاقات ہوئی اور وہاں سے مدینہ تک انہوں نے آپ کی رفاقت قیادت میں سفر طے کیا اور اس طرح آپ مدینہ میں یوں مظفر و منصور داخل ہوئے کہ ہر دشمن پر آپ کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور اس کی وجہ سے بہت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام بھی ہوئے۔ اسی موقع پر عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں نے بھی دکھاوے کے لئے اسلام قبول کیا۔

قیدیوں کا قضیہ

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ چکے' تو آپ نے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدیہ لینے کی رائے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فدیہ لینا طے کیا۔ یہ فدیہ چار ہزار سے تین ہزار اور (کم از کم) ایک ہزار درہم تک تھا اور ان میں سے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان کا فدیہ یہ قرار دیا گیا کہ وہ دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ بعض قیدیوں پر احسان کیا گیا اور انہیں فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا گیا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابو العاص کے فدیے میں جو مال بھیجا' اس میں ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ انہوں نے حضرت

---

[1] تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی' ص:۳۶۔

زینب رضی اللہ عنہا کو ابو العاص کے پاس رخصت کرتے وقت یہ ہار انہیں دیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ پر بڑی رقت طاری ہو گئی اور آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اجازت چاہی کہ ابو العاص کو بلا فدیہ چھوڑ دیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ آپ نے ابو العاص کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ زینب (بنت رسول) کی راہ چھوڑ دیں گے۔ ابوالعاص نے مکہ جاکر ان کا راستہ چھوڑ دیا اور وہ مدینہ ہجرت کر آئیں۔ [1]

رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے عثمان رضی اللہ عنہ کی شادی

نبی ﷺ جس وقت غزوۂ بدر کیلئے تشریف لے گئے تھے' آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں' لہٰذا آپ نے انہیں حکم دیا کہ ان کی تیمار داری کے لئے مدینہ میں رہیں اور انہیں بھی بدر میں حاضر ہونے والے کا اجر اور حصہ ملے گا۔ [2] اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بھی ان کی تیمارداری کیلئے روک دیا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا آپ کی واپسی سے پہلے ہی وفات پاگئیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہمارے پاس فتح کی خوشخبری اس وقت پہنچی جب ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا پر مٹی برابر کر چکے تھے۔

اور جب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ کر مطمئن ہو چکے' تو آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دی' اسی لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو "ذو النورین" یعنی "دو نور والے" کہا جاتا ہے۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے' ان کے عقد میں رہتے ہوئے شعبان ۹ ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ [3]

---

[1] مسند احمد' سنن ابی داود' مشکوٰۃ' حدیث: ۳۹۷۰ (۲/۱۱۶۲)

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۳۶۹۹' ۴۰۶۶۔

[3] اصل تفصیلات سیرۃ ابن ہشام وغیرہ میں ہیں۔

"بدر" کے بعد کے واقعات

اللہ نے بدر میں نصرت وفتح کے ذریعہ مسلمانوں کو جو اعزاز بخشا' مشرکین کے لئے وہ خاصا تکلیف دہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایسی تدبیریں سوچنی شروع کیں' جن کے ذریعہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں اور ان سے انتقام لے سکیں' لیکن اللہ نے ان کے داؤ پیچ ان کے سینوں پر الٹ دیئے اور اپنے فضل سے اہل ایمان کی مدد کی۔

غزوۂ بنو سلیم

چنانچہ بدر سے واپسی کے صرف ایک ہفتہ بعد اور کہا جاتا ہے کہ ڈھائی تین مہینہ بعد بنو سلیم نے مدینہ پر حملہ کے ارادے سے جمعیت فراہم کرنی شروع کی۔ جواباً مسلمانوں نے ان کے ٹھکانوں پر دھاوا بول دیا اور مال غنیمت لے کر صحیح سالم مدینہ واپس آگئے۔ (۱)

آپ ﷺ کے قتل کی سازش

اس کے بعد عمیر بن وہب جمحی اور صفوان بن امیہ نے نبی ﷺ کے قتل کی سازش بنائی اور اس مقصد کے لئے عمیر مدینہ آیا۔ لیکن آتے ہی اسے پکڑ لیا گیا اور نبی ﷺ نے اسے بتلایا کہ وہ کیا سازش سوچ کر آیا ہے۔ اس پر وہ مسلمان ہو گیا۔ (۲)

غزوۂ بنو قینقاع

اس کے بعد یہود بنو قینقاع نے کھل کر شر وعداوت کا مظاہرہ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں نصیحت کی تو کہنے لگے:

محمد! تمہیں اس بنا پر خود فریبی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے کہ تم نے قریش کے کچھ اناڑی اور جنگ سے ناآشنا لوگوں کو مار لیا ہے' اگر تمہاری لڑائی ہم سے ہو گئی تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم مرد ہیں۔"

---

(۱) سیرت ابن ہشام' ۲/ ۴۳' ۴۴۔ زادالمعاد ۲/ ۹۰۔

(۲) سیرت ابن ہشام' ۱/ ۶۶۱' ۶۶۳۔

رسول اللہ ﷺ نے اس جواب پر صبر فرمایا۔ اس سے ان کی جرأت اور بڑھ گئی اور انہوں نے اپنے بازار میں ہنگامہ برپا کر دیا' جس میں ایک مسلمان اور ایک یہودی مارا گیا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمالیا۔ یہ نصف شوال ۲ ہجری ہفتہ کا دن تھا۔ پندرہ دن گذر گئے تھے' کہ ذی قعدہ کی چاند رات انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں "اذرعات شام" کی طرف جلا وطن کر دیا۔ جہاں تھوڑے دنوں بعد اکثر کی وفات ہو گئی۔ (۱)

غزوۂ سویق

ادھر غزوۂ بدر کے بعد ابو سفیان نے نذر مانی تھی کہ جب تک محمد --ﷺ-- سے جنگ نہیں کر لیتا' اس کے سر کو جنابت کے سبب پانی نہ چھوئے گا۔ چنانچہ وہ دو سو سواروں کے ساتھ نکلا اور مدینہ کے اطراف میں "عریض" نامی ایک مقام پر چھاپہ مار کر کھجور کے کچھ درخت کاٹے اور جلائے اور دو آدمیوں کو قتل کر کے راہ فرار اختیار کی۔

رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی' تو آپ نے ان کا تعاقب کیا' لیکن وہ ہاتھ نہ آئے' البتہ انہوں نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو اور توشے پھینک دیئے۔ مسلمانوں نے "قرقرة الكُدر" تک ان کا تعاقب کیا اور ستو وغیرہ اٹھا کر واپس آگئے' اسی لئے اس مہم کا نام "غزوۂ سویق" اور "غزوۂ قرقرة الكدر" پڑ گیا۔ "سویق" عربی زبان میں ستو کو کہتے ہیں۔ (۲)

کعب بن اشرف کا قتل

یہ شخص بڑا مالدار اور شاعر یہودی تھا۔ اسے مسلمانوں سے سخت عداوت تھی' چنانچہ یہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجو کرتا اور ان کی عورتوں کے متعلق غزلیہ اشعار کہتا تھا۔ جب کہ ان کے دشمنوں کی مدح کرتا اور انہیں جنگ کے لئے بھڑکاتا تھا' حتیٰ کہ یہ "بدر" کے بعد قریش کے پاس جا پہنچا اور انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے پر اکسایا اور اس کے بارے میں بہت سے اشعار کہے۔ یہ بھی کہا کہ تم لوگ مسلمانوں سے زیادہ ہدایت کی راہ پر ہو اور اس نے بنو قینقاع پر جو کچھ

---

(۱) سنن ابی داود مع عون المعبود ۳/۱۱۵۔ سیرت ابن ہشام ۲/۴۷' ۴۹۔ زاد المعاد ۲/۷۱' ۹۱۔

(۲) سیرت ابن ہشام ۲/۴۴' ۴۵۔ زاد المعاد' ۲/۹۰' ۹۱۔

گذر چکی تھی' اس سے بھی عبرت حاصل نہ کی۔ بالآخر نبی ﷺ نے فرمایا:
کون ہے جو کعب بن اشرف سے نمٹے؟

جواب میں محمد بن مسلمہ' عباد بن بشر' ابو نائلہ' حارث بن اوس اور ابو عبس بن جبر رضی اللہ عنہم نے اپنی خدمات پیش کیں۔ محمد بن مسلمہ ان کے امیر قرار پائے اور انہوں نے نبی ﷺ سے کچھ کہنے کی اجازت لی۔

اس کے بعد وہ کعب کے پاس آئے اور کہا اس شخص نے' اشارہ نبی ﷺ کی طرف تھا' ہم سے صدقہ مانگا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نے ہمیں مشقت میں ڈال دیا ہے۔

کعب کی باچھیں کھل گئیں' بولا "واللہ! ابھی تم لوگ اور بھی اکتا جاؤ گے۔"

پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے بطور قرض گیہوں یا کھجور مانگی اور طے کیا کہ رہن میں ہتھیار دیں گے۔

اس کے بعد ابو نائلہ رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے بھی محمد بن مسلمہ سے ملتی جلتی بات کی اور یہ بھی کہ میرے کچھ رفقاء ہیں' جن کے خیالات بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ میں انہیں بھی آپ کے پاس لانا چاہتا ہوں۔ آپ ان کے ہاتھ بھی کچھ بیچیں اور ان پر احسان کریں۔ کعب نے ان کی یہ بات منظور کر لی۔

اس کے بعد ۱۴ ربیع الاول ۳ ہجری کی چاندنی رات میں یہ لوگ ہتھیار لے کر کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اسے پکارا کہ نیچے اترے' کیونکہ وہ قلعے کے اندر تھا اور ابھی نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ اس کی بیوی نے کہا "اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ میں ایسی آواز سن رہی ہوں' جس سے گویا خون ٹپک رہا ہے۔"

لیکن اس نے اس کی پروا نہ کی اور نیچے اتر کر ہتھیار دیکھے تو بھی نہیں چونکا' کیونکہ ان لوگوں سے پہلے ہی یہ بات طے ہو چکی تھی۔

اس کے بعد یہ لوگ ٹہلنے کے لئے چل پڑے۔ راستے میں ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے اس کے عطر کی تعریف کی اور اس کا سر سونگھنے کی اجازت چاہی' اس نے کبر ونخوت کے ساتھ اجازت دی۔ ابو نائلہ نے خود سونگھا اور سر کے اندر ہاتھ ڈال کر ساتھیوں کو بھی سنگھایا' پھر

دوبارہ اجازت لی اور یہی کیا' پھر سہ بارہ اجازت لی اور اب کی بار اچھی طرح سر قابو میں کر لیا تو کہا "لے لو اللہ کے دشمن کو۔"

اتنے میں اس پر کئی تلواریں پڑیں' لیکن کام نہ کر سکیں۔ یہ دیکھ کر جھٹ محمد بن مسلمہ نے اپنی کدال اس کے پیڑو (زیر ناف) پر لگائی اور چڑھ بیٹھے۔ کدال آر پار ہو گئی۔ اللہ کا یہ دشمن اس زور سے چیخا کہ گردو پیش ہلچل مچ گئی اور پھر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ چیخ سن کر قلعوں پر آگ روشن کی گئی۔ لیکن مسلمان صحیح سالم واپس آگئے اور فتنے کی وہ آگ بجھ گئی جس نے عرصے سے مسلمانوں کو پریشان کر رکھا تھا اور ایک مدت کے لئے یہودی سانپ بھی اپنے بلوں میں دبک گئے۔ (۱)

سریہ قردہ

جمادی الاولیٰ ۳ ہجری میں قریش نے اپنا ایک قافلہ عراق کے کاروانی راستے سے ملک شام بھیجا۔ یہ راستہ نجد سے ہو کر شام جاتا تھا اور مدینہ کے قریب سے نہیں گزرتا تھا۔ اس قافلے کی قیادت صفوان بن امیہ کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہو گیا اور آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں دو سو سواروں کا ایک دستہ بھیج دیا۔ وہ قافلہ نجد میں قردہ نامی ایک چشمہ پر پڑاؤ ڈال رہا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس پر یلغار کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورا قافلہ ان کے قبضے میں آگیا' البتہ اس میں جتنے آدمی تھے سب نکل بھاگے۔ صرف قافلے کا رہنما فرات بن حیان گرفتار ہو سکا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ مال غنیمت کی مقدار ایک لاکھ درہم تھی اور یہ قریش کے لئے غزوۂ بدر کے بعد سب سے تکلیف دہ مار تھی۔ (۲)

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح بخاری' حدیث: ۴۰۳۷۔

(۲) سیرت ابن ہشام' ۲/۵۰' ۵۱۔

غزوۂ احد

﴿ شوال ۳ ہجری ﴾

قریش ابھی غزوۂ بدر کے انتقام کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ مقام ''قردہ'' میں ان پر ایک اور مار پڑ گئی۔ اس سے ان کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور انہوں نے تیاری کی رفتار تیز کر دی۔ رضا کارانہ بھرتی کا دروازہ کھول دیا' احابیش کو بھرتی کیا۔ اور ترغیب و تحریص کے لئے کچھ شاعر خاص کئے' یہاں تک کہ تین ہزار فوجیوں کا ایک لشکر تیار ہو گیا۔ جس کے پاس تین سو اونٹ' دو سو گھوڑے' اور سات سو زرہیں تھیں۔ اس لشکر کے ساتھ کئی عورتیں بھی تھیں' جن کا کام جنگ کے لئے بھڑکانا اور جوش وبہادری کی روح پھونکنا تھا۔ اس کا سپہ سالار ابو سفیان تھا اور عَلم بردار بنی عبد الدار کے بہادر۔

یہ لشکر غیظ و غضب سے بھرپور مدینہ کے اطراف میں پہنچا اور جبل عَینَین اور احد کے قریب وادی قنَاۃ کے دامن میں ایک کھلے میدان کے اندر ڈیرہ ڈال دیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور شوال ۳ ہجری کی ٦ تاریخ۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو لشکر کی آمد سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے خبر ہو چکی تھی اور آپ ﷺ نے ہنگامی حالات سے نمٹنے اور مدینہ کی حفاظت کرنے کے لئے فوجی طلایہ گردی کا انتظام فرما لیا تھا۔ پھر جب لشکر پہنچ گیا تو آپ نے مسلمانوں سے دفاع کے متعلق مشورہ کیا۔ آپ کی رائے یہ تھی کہ مسلمان مدینہ کے اندر قلعہ بند ہو جائیں۔ مرد گلی کوچوں کے ناکوں پر لڑائی کریں اور عورتیں گھروں کی چھتوں سے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے بھی اس رائے سے موافقت کی۔ گویا وہ چاہتا تھا کہ گھر ہی بیٹھا رہے اور جنگ سے پیچھے رہنے کی تہمت بھی نہ لگے۔ لیکن جوانوں نے جوش دکھایا اور کھلی جگہ دو دو ہاتھ کرنے پر اصرار کیا۔ آپ نے ان کی رائے مان لی اور لشکر کو تین دستوں میں تقسیم کیا۔ ایک دستہ

مہاجرین کا جس کے عَلَم بردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسرا قبیلہ اوس کا جس کے عَلَم بردار حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے اور تیسرا خزرج کا جس کے عَلَم بردار حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ تھے۔

پھر عصر کی نماز کے بعد آپ نے جبل احد کا رخ کیا اور مقام شیخین پر پہنچ کر لشکر کا معائنہ کیا' جو چھوٹے تھے انہیں واپس کر دیا' البتہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو چھوٹے ہونے کے باوجود اجازت دے دی' کیونکہ وہ تیر چلانے کے ماہر تھے۔ اس پر سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے کہا:

"میں رافع سے زیادہ طاقتور ہوں' اسے پچھاڑ سکتا ہوں۔"

آپ نے دونوں میں کشتی کرائی اور واقعی سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا' لہٰذا سمرہ کو بھی اجازت مل گئی۔

مقام شیخین ہی میں آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں اور وہیں رات گزاری اور لشکر کی حفاظت کے لئے پچاس پہرے دار مقرر فرمائے۔ پھر اخیر رات میں فجر سے پہلے کوچ کر دیا' اور "شَوط" نامی ایک جگہ پر فجر کی نماز پڑھی۔ یہیں عبد اللہ بن اُبی نے بغاوت کی اور اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس پلٹ گیا۔ اس کی وجہ سے بنو سلمہ اور بنو حارثہ میں بھی ضعف کی لہر دوڑ گئی اور قریب تھا کہ یہ دونوں گروہ بھی پلٹ جاتے' لیکن پھر اللہ نے انہیں ثابت قدم رکھا۔ مسلمانوں کی تعداد پہلے ایک ہزار تھی۔ اب سات سو باقی بچے۔

اب اسی لشکر کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کو مغرب کی سمت چھوڑتے ہوئے ایک مختصر راستے سے احد کی جانب پیش قدمی کی اور احد کی بلندیوں کو پشت کی طرف کرتے ہوئے وادی کے سرے پر واقع احد پہاڑ کی گھاٹی میں نزول فرمایا۔ اس طرح دشمن مسلمانوں اور مدینہ کے درمیان حائل ہو گیا۔

پھر یہیں آپ نے لشکر کو مرتب فرمایا اور عبد اللہ بن جبیر انصاری رضی اللہ عنہ کی کمان میں جبل عَینَین پر ---جو بعد میں جبل رَماۃ کے نام سے معروف ہوا--- پچاس تیر انداز مقرر فرمائے اور انہیں حکم دیا کہ سواروں کو تیر مار کر دور رکھیں اور مسلمانوں کی پشت کی حفاظت کریں

اور انہیں تاکید کی کہ جب تک آپ کا حکم نہ آئے اپنی جگہ نہ چھوڑیں' خواہ مسلمان فتح یاب ہوں یا شکست کھائیں۔ [1]

ادھر مشرکین نے بھی اپنے لشکر کو مرتب کیا اور میدان جنگ کی طرف پیش قدمی کی۔ ان کی عورتیں صفوں میں گھوم گھوم کر اور دف پیٹ پیٹ کر لوگوں کو جوش دلا رہی تھیں' لڑائی کے لئے بھڑکا رہی تھیں۔ جوانوں کو غیرت دلا رہی تھیں اور یہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔

إِنْ تُقْبِلُوا نُعَانِقْ وَنَفْرِشُ النَّمَارِقْ
أَوْ تُدْبِرُوْا نُفَارِقْ فِرَاقَ غَيْرِ وَامِقْ

اگر پیش قدمی کرو گے تو ہم گلے لگائیں گی اور قالینیں بچھائیں گی' اور اگر پیچھے ہٹو گے تو روٹھ جائیں گی اور الگ ہو جائیں گی۔"

اور عَلم برداروں کو ان کا فرض یاد دلاتے ہوئے یوں کہہ رہی تھیں:

وَيْهًا بَنِى عَبْدِالدَّارِ وَيْهًا حُمَاةَ الأَدْبَارِ ضَرْبًا بِكُلِّ بَتَّارِ

"دیکھو! بنی عبد الدار! دیکھو! پشت کے پاسدار! خوب کرو شمشیر کا وار۔"

مبارزت اور قتال

پھر دونوں لشکر قریب آ گئے تو مشرکین کا عَلم بردار اور قریش کا سب سے بہادر انسان طلحہ بن ابی طلحہ عبدری نمودار ہوا۔ وہ اونٹ پر سوار تھا۔ اس نے دعوت مبارزت دی۔ جواب میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ شیر کی طرح جست لگائی اور اونٹ پر جا چڑھے' پھر اسے اپنی گرفت میں لے کر زمین پر کود گئے اور تلوار سے ذبح کر دیا۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس کے بعد ہر طرف جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے۔ خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے رسالدار تھے۔ تین بار کوشش کی کہ مسلمانوں کی پشت پر جا پہنچیں' لیکن تیر اندازوں نے تیر برسا کر انہیں واپس کر دیا۔ مسلمانوں نے مشرکین کے عَلم برداروں پر اپنا حملہ مرکوز رکھا' یہاں تک کہ ان کا مکمل طور پر صفایا کر دیا۔ یہ کل گیارہ شخص تھے۔ ان کے خاتمے کے بعد جھنڈا زمین پر آ گرا۔ مسلمانوں نے بقیہ اطراف پر ہلہ بول دیا۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۰۳۹' ۴۰۴۳۔ سیرت ابن ہشام' ۲/۶۵' ۶۶۔

صفوں کی صفیں الٹ دیں اور مشرکین کی اچھی طرح پٹائی کی۔ ابو دجانہ اور حمزہ رضی اللہ عنہما نے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

اسی پیش قدمی اور غلبے کے دوران اللہ اور اس کے رسول کے شیر حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ انہیں وحشی بن حرب نے قتل کیا۔ یہ ایک حبشی غلام تھا' جو نیزہ پھینکنے کا ماہر تھا۔ اس کے آقا جبیر بن مطعم نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ حضرت حمزہ کو قتل کر دے' تو اسے آزاد کر دے گا' کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہی نے اس کے چچا طعیمہ بن عدی کو غزوۂ بدر میں قتل کیا تھا۔ چنانچہ وحشی ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں بیٹھ گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مشرکین کے ایک آدمی سباع بن عرفطہ کا سر قلم کر رہے تھے کہ وحشی نے ان کی طرف نیزے کا رخ کیا اور اسے اچھال دیا۔ وہ غافل تھے۔ نیزہ ان کے پیڑو پر لگا اور دونوں پاؤں کے درمیان سے نکل گیا' وہ گر گئے اور اٹھ نہ سکے۔ یہاں تک کہ ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ رضی اللہ عنہ۔ [1]

بہرحال مشرکین شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ جوش دلانے والی عورتیں بھی بھاگیں۔ مسلمانوں نے مشرکین کو گھیر لیا۔ انہیں مار بھی رہے تھے اور غنیمت بھی سمیٹ رہے تھے' لیکن عین اسی موقع پر تیر اندازوں نے غلطی کی اور اپنے مورچوں میں باقی رہنے کا جو تاکیدی حکم انہیں دیا گیا تھا' اس کے باوجود غنیمت کے چکر میں ان کے چالیس آدمی پہاڑ سے نیچے اتر آئے۔ خالد بن ولید نے اس موقع کو غنیمت جانا اور پہاڑ پر جو دس آدمی رہ گئے تھے' ان کا صفایا کر دیا۔ پھر پہاڑ کے پیچھے سے گھوم کر مسلمانوں کی پشت پر آ رہے اور ان کو نرغے میں لینا شروع کر دیا۔ ان کے سواروں نے ایک نعرہ بلند کیا' جسے مشرکین نے پہچان لیا اور وہ بھی پلٹ پڑے اور ان کی ایک عورت نے لپک کر جھنڈا اٹھا لیا۔ پھر کیا تھا بکھرے ہوئے مشرکین اس کے گرد سمٹ آئے اور جم گئے۔ یوں مسلمان چکی کے دو پاٹوں کے بیچ میں آ گئے۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۴۰۷۲۔ سیرت ابن ہشام' ۲/۶۹' ۷۲۔

نبی ﷺ پر مشرکین کا حملہ اور آپ ﷺ کے قتل کی افواہ

اس وقت رسول اللہ ﷺ پیچھے تشریف فرما تھے۔ اور آپ کے ساتھ صرف سات انصار اور دو مہاجرین تھے۔ آپ نے پہاڑ کے پیچھے سے خالد کے سواروں کو نمودار ہوتے دیکھا تو نہایت بلند آواز سے پکارا کہ:

"اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔"

لیکن اس آواز کو مشرکین نے' جو مسلمانوں کی بہ نسبت آپ ﷺ کے زیادہ قریب تھے' پہلے سن لیا اور ان کے ایک دستے نے تیزی سے آواز کا رخ کیا اور رسول اللہ ﷺ پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔ ان کی کوشش تھی کہ مسلمانوں کے پہنچنے سے پہلے پہلے آپ کا کام تمام کر دیں۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا:

"کون ہے جو ان کو ہم سے دفع کرے اور اس کے لئے جنت ہے یا (یہ فرمایا کہ) وہ جنت میں میرا رفیق ہو گا؟"

اس پر ایک انصاری نے آگے بڑھ کر انہیں پیچھے دھکیلا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد مشرکین نے پھر حملہ کیا اور بالکل قریب آ گئے' آپ نے پھر یہی فرمایا۔ اب ایک دوسرے صحابی نے بڑھ کر انہیں پیچھے دھکیلا اور وہ بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ پھر تیسرے نے' پھر چوتھے نے' یہاں تک کہ ساتوں انصاری شہید ہو گئے۔ [1]

جب ساتویں انصاری صحابی گر گئے' تو رسول اللہ ﷺ کے پاس دو قریشی مہاجر باقی بچے۔ ایک طلحہ بن عبید اللہ اور دوسرے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم ' [2] چنانچہ اب مشرکین نے اپنا حملہ رسول اللہ ﷺ پر مرکوز کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ کو ایک پتھر لگا' جس سے آپ پہلو کے بل گر گئے اور آپ کا نچلا داہنا رباعی دانت ٹوٹ گیا۔ نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا۔ خود سر پر ٹوٹ گئی' جس سے سر اور پیشانی پر چوٹ آئی' آنکھ سے نیچے کی ابھری ہوئی ہڈی پر تلوار کی ضرب لگی' جس سے خود کی دو کڑیاں اندر دھنس گئیں۔ کندھے پر بھی تلوار کی ایک سخت

---

[1] صحیح مسلم' ۲/۱۰۷۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۳۷۲۲' ۳۷۲۳' ۴۰۶۰' ۴۰۶۱۔

ضرب لگی، جس کی تکلیف ایک مہینے سے زیادہ عرصے تک محسوس ہوتی رہی، البتہ آپ نے ڈبل زرہ پہن رکھی تھی، اس لئے وہ کٹ نہ سکی۔ (۱)

یہ سب کچھ اس کے باوجود پیش آگیا کہ دونوں قریشی جان پر کھیل کر آپ ﷺ کا دفاع کر رہے تھے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس قدر تیر چلائے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش کے تیران کے لئے بکھیرتے ہوئے فرمایا:

"چلاؤ! تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔" (۲)

اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے تنہا پچھلے سب لوگوں کے برابر لڑائی لڑی، یہاں تک کہ انہیں ۳۵ یا ۳۹ زخم آئے۔ اپنے ہاتھ پر تیر، تلوار روک کر نبی ﷺ کو بچایا، جس سے ان کی انگلیاں زخمی ہو کر شل ہو گئیں۔ جب ان کی انگلیاں زخمی ہوئیں تو ان کے منہ سے حس (سی) کی آواز نکلی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

"اگر تم بسم اللہ کہتے تو تمہیں فرشتے اٹھا لیتے اور لوگ دیکھتے رہتے۔" (۳)

اس مشکل ترین گھڑی میں حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام اترے اور آپ کی طرف سے سخت لڑائی کی، (۴) کچھ مسلمان بھی پلٹ کر آپ کے پاس آگئے اور انہوں نے بھی جم کر دفاع کیا۔ سب سے پہلے پلٹ کر آنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے ساتھ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے خود کی کڑی نکال دیں، لیکن ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اصرار کر کے خود کی کڑی نکالی، جس سے ان کا اگلا ایک دانت گر گیا۔ اس کے بعد انہوں نے دوسری کڑی نکالی، اور دوسرا دانت بھی گر گیا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر دونوں نے طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) صحیح بخاری المغازی، باب ما اصاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم من الجراح یوم احد، صحیح مسلم، ۲/۱۰۸۔ فتح الباری، ۷/۳۷۳۔

(۲) صحیح بخاری، حدیث: ۳۷۲۵، ۴۰۵۵، ۴۰۵۶، ۴۰۵۷، ۴۰۵۸، ۴۰۵۹۔

(۳) صحیح بخاری، حدیث: ۳۸۱۱، ۴۰۴۶۔ سنن نسائی ۲/۵۲، ۵۳۔ فتح الباری، ۷/۳۶۱۔

(۴) صحیح بخاری، حدیث: ۴۰۵۴، ۵۸۲۶۔ صحیح مسلم، الفضائل، حدیث: ۴۶، ۴۷ (۴/۱۸۰۲)

ں' البتہ آ؍ سنبھالا' وہ زخمی تھے۔ (۱)

اس دوران رسول اللہ ﷺ کے پاس ابو دجانہ' مصعب بن عمیر' عمر بن خطاب' علی بن ابی طالب' وغیرھم رضی اللہ عنہم بھی آپہنچے۔ ادھر مشرکین کی تعداد بھی بڑھتی گئی اور ان کے حملے بھی سخت تر ہوتے گئے' مگر مسلمانوں نے بھی نادرہٴ روزگار بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا۔ کوئی تیر چلا رہا تھا تو کوئی دفاع کر رہا تھا' کوئی لڑ بھڑ رہا تھا' تو کوئی اپنے جسم پر تیروں کو روک رہا تھا۔

جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ مشرکین نے ان کے داہنے ہاتھ پر اس زور سے تلوار ماری کہ ہاتھ کٹ گیا۔ انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا۔ مشرکین نے اسے بھی کاٹ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے جھنڈے پر گھٹنے ٹیک کر اسے سینے اور گردن کے سہارے لہرائے رکھا اور اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ ان کا قاتل عبد اللہ بن قمئہ تھا' چونکہ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ہم شکل تھے' اس لئے اس نے سمجھا کہ نبی ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔۔ چنانچہ اس نے واپس پلٹ کر چیختے ہوئے کہا کہ "محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے۔" یہ خبر تیزی سے پھیل گئی اور اس کے نتیجے میں مشرکین کا دباؤ کم ہو گیا' کیونکہ ان کے خیال میں اب ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ (۲)

نرغے میں آنے کے بعد عام مسلمانوں کا حال

جب مسلمانوں نے نرغے میں لئے جانے کی کارروائی دیکھی' تو وہ اتھل پتھل اور بدنظمی کا شکار ہو گئے اور کوئی متحدہ موقف اختیار نہ کر سکے۔ چنانچہ بعض نے جنوب کی طرف فرار اختیار کی اور مدینہ جا پہنچے۔ بعض احد کی گھاٹی کی طرف بھاگے اور اسلامی کیمپ میں پناہ گیر ہوئے۔ بعض نے رسول اللہ ﷺ کا رخ کیا اور جلدی سے آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر آپ کے دفاع میں لگ گئے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اکثر مسلمان نرغے کے اندر اپنی جگہوں پر ثابت قدم رہ کر گھیرنے والوں سے لڑتے بھڑتے رہے' لیکن چونکہ

(۱) زادالمعاد (از ابن حبان) ۹۵/۲- تہذیب تاریخ دمشق' ۷۷/۷

(۲) دیکھئے سیرت ابن ہشام' ۷۳/۲' ۸۰' ۸۳- زادالمعاد' ۹۷/۲-

کوئی شخص منظّم طور پر ان کی قیادت نہیں کر رہا تھا' اس لئے ان کی صفوں پر انتشار اور بد نظمی غالب رہی۔ پہلی صف پلٹی تو پچھلی صف سے ٹکرا گئی' یہاں تک کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان رضی اللہ عنہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے۔ [1] اس کے بعد مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سنی تو ان کا رہا سہا ہوش بھی جاتا رہا۔ ان کا جوش سرد پڑ گیا اور وہ ٹوٹ کر رہ گئے۔ حتیٰ کہ کتنوں نے لڑائی ہی چھوڑ دی۔ جب کہ کچھ دوسروں کو جوش آ گیا اور انہوں نے کہا کہ:

"اٹھو اور جس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے اسی پر تم بھی جان دے دو۔" [2]

مسلمان انہی حالات سے دو چار تھے کہ اچانک کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرغے میں آئے ہوئے مسلمانوں کی طرف راستہ بنا رہے تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں آنکھوں سے پہچانا' کیونکہ چہرہ خود سے چھپا ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھتے ہی بلند آواز سے کہا:

"مسلمانو! خوش ہو جاؤ یہ ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم!"

یہ سن کر مسلمانوں نے آپ کی طرف پلٹنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ تیس صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔ مشرکین نے ان کی واپسی کی راہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کی' لیکن ناکام رہے اور اس کوشش میں ان کے دو آدمی کام بھی آ گئے۔

اس حکیمانہ تدبیر سے مسلمانوں کو نجات تو مل گئی' لیکن تیر اندازوں نے جو غلطی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی تھی' اس کی بھاری قیمت چکانی پڑی۔

گھاٹی میں

مسلمان نرغے سے نکل کر گھاٹی میں قرار پذیر ہو چکے تھے' تو ان میں اور مشرکین میں بعض ہلکی اور انفرادی جھڑپیں ہوئیں' لیکن مشرکین کو آگے بڑھنے اور مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی' بلکہ وہ میدان میں تھوڑی ہی دیر باقی رہے اور اس دوران مقتولین کا مُثلہ کرتے رہے' یعنی ان کے کان' ناک اور شرمگاہیں کاٹ ڈالیں

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۲۹۰' ۳۸۲۴' ۴۰۶۵' ۶۶۶۸' ۶۸۸۳' ۶۸۹۰۔

[2] زاد المعاد

اور پیٹ چاک کر دیئے۔ ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالا اور اس کو چبایا' لیکن نگل نہ سکی' اس لئے پھینک دیا اور کان' ناک وغیرہ کے ہار اور پازیب بنائے۔ (۱)

ادھر ابی بن خلف نے بڑے گھمنڈ کے ساتھ گھاٹی کا رخ کیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ رسول اللہ --صلی اللہ علیہ وسلم-- کو قتل کرے گا' لیکن اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خود اور زرہ کے درمیان حلق کے پاس ایک چھوٹے سے نیزے سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ اپنے گھوڑے سے کئی بار لڑھک لڑھک گیا اور بیل کی طرح چنگھاڑتا ہوا قریش کے پاس پلٹا۔ پھر واپسی میں مکہ کے بالکل قریب مقام سَرِف پہنچ کر مر گیا۔ (۲)

اس کے بعد قریش کے چند آدمی آئے۔ ان کی قیادت ابو سفیان اور خالد بن ولید کر رہے تھے۔ یہ پہاڑ کے بعض اطراف میں چڑھ گئے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور مہاجرین کی ایک جماعت نے لڑ کر انہیں پہاڑ سے نیچے اتار دیا۔ (۳) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر ان کے تین آدمی قتل بھی کیئے۔ (۴)

اس طرح مشرکین کے مقتولین کی کل تعداد ۲۲ اور کہا جاتا ہے کہ ۳۷ ہوئی۔ جبکہ مسلمانوں کے ستر آدمی کام آئے۔ ۴۱ خزرج کے اور ۲۴ اوس کے اور چار مہاجرین کے۔ ان کے علاوہ ایک یہودی بھی مارا گیا۔ بعض اقوال اس سے مختلف بھی ہیں۔ (۵) ابو سفیان اور خالد بن ولید نے آخری اور ناکام کوشش کے بعد مکہ واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھاٹی کے اندر مطمئن ہو چکے' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ "مہراس" سے' جو احد کے اندر ایک چشمہ ہے' پانی لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کے لئے پیش کیا۔

---

(۱) سیرت ابن ہشام' ۲/۹۰۔

(۲) مستدرک حاکم ۲/۳۲۷۔ سیرت ابن ہشام ۲/۸۴۔

(۳) سیرت ابن ہشام' ۲/۸۶۔

(۴) زاد المعاد ۲/۹۵۔

(۵) سیرت ابن ہشام ۲/۱۲۲' ۱۲۹۔ فتح الباری' ۷/۳۵۱۔

آپ نے قدرے ناگوار بو محسوس کی' اس لئے پیا تو نہیں' البتہ اس سے چہرہ دھویا اور سر پر بھی ڈال لیا' مگر اس کے سبب زخم سے خون بہنے لگا۔ جو تھم نہیں رہا تھا' لہٰذا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر اس پر راکھ چپکا دی اور خون تھم گیا۔ پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ خوش ذائقہ پانی لے آئے' جسے آپ نے پیا اور انہیں دعائے خیر دی۔ زخم کے سبب ظہر کی نماز آپ نے بیٹھ کر پڑھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ ہی کر نماز ادا کی۔ [1]

اسی اثنا میں انصار و مہاجرین کی کچھ عورتیں بھی آ پہنچیں' جن میں حضرت عائشہ' ام سلیم اور ام سلیط رضی اللہ عنہن تھیں۔ یہ پانی سے مشکیزے بھرتیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔ [2]

گفتگو اور قرار داد

جب مشرکین واپسی کے لئے پورے طور پر تیار ہو چکے' تو ابو سفیان "جبل احد" پر نمودار ہوا اور باآواز بلند بولا "کیا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟"

کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا "کیا تم میں ابو قحافہ کے بیٹے (ابو بکر) ہیں؟"

پھر کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا "کیا تم میں عمر بن خطاب ہیں؟"

اور پھر کسی نے جواب نہ دیا۔ انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے سے منع کر رکھا تھا۔ اب ابو سفیان نے کہا "اچھا چلو ان تینوں سے تو فرصت ہوئی۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے' بولے "او اللہ کے دشمن! جن کا تو نے نام لیا ہے' وہ سب زندہ ہیں اور ابھی اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے۔"

ابو سفیان نے کہا "تمہارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے' لیکن میں نے نہ اس کا حکم دیا تھا اور نہ ہی برا منایا ہے۔"

پھر نعرہ لگایا أُعْلُ هُبَلْ "ہبل بلند ہو" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جواب سکھایا اور انہوں نے کہا "اَللّٰهُ أَعْلٰى وَأَجَلُّ" "اللہ اعلیٰ و برتر ہے۔"

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۸۵/۲' ۸۷۔ صحیح بخاری' حدیث: ۲۴۳' ۲۹۰۳' ۳۰۳۷' ۴۰۷۵' ۵۲۴۸' ۵۷۲۲۔ السیرۃ الحلبیہ' ۳۰/۲۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۲۸۸۱' ۴۰۷۱۔ السیرۃ الحلبیہ' ۲۲/۲۔

ابو سفیان نے پھر نعرہ لگایا "لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ" "ہمارے لئے عزیٰ ہے اور تمہارے لئے عزیٰ نہیں۔"

نبی ﷺ نے پھر جواب سکھایا اور صحابہ کرام نے کہا "اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ" "اللہ ہمارا مولیٰ ہے، اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔"

اس کے بعد ابو سفیان نے کہا "کتنا اچھا کارنامہ رہا۔ آج کا دن جنگ بدر کے دن کا بدلہ ہے اور لڑائی ڈول ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "برابر نہیں، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں۔"

ابو سفیان نے کہا "تم لوگ یہی سمجھتے ہو، لیکن اگر ایسا ہوا تو ہم ناکام ونامراد رہے۔"

پھر ابو سفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا "عمر! میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمد کو قتل کر دیا ہے؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "واللہ! نہیں اور اس وقت وہ تمہاری باتیں سن رہے ہیں۔"

ابو سفیان نے کہا "تم میرے نزدیک ابن قمئہ سے زیادہ سچے اور راست باز ہو۔" [1]

اس کے بعد ابو سفیان نے پکارا "آئندہ سال بدر میں پھر لڑنے کا وعدہ ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا "کہہ دو ٹھیک ہے۔ اب یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان طے رہی۔" [2]

مشرکین کی واپسی اور مسلمانوں کی طرف سے شہیدوں اور زخمیوں کی خبر گیری: اس کے بعد ابو سفیان واپس آگیا اور مشرکین کے لشکر نے کوچ کا آغاز کر دیا۔ وہ اونٹوں پر سوار تھے اور گھوڑوں کو پہلو میں کر رکھا تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ ان کا ارادہ مکہ کا ہے اور یہ مسلمانوں پر محض اللہ کا فضل تھا، کیونکہ مشرکین اور مدینہ کے درمیان کوئی نہ تھا، جو انہیں مدینہ میں داخل ہونے سے روکتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے، جو انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے، انھیں پھیر دیا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام، ۲/ ۹۳، ۹۴۔ زاد المعاد، ۲/ ۹۴۔ صحیح بخاری، ۳۰۳۹، ۴۰۴۳۔

[2] سیرت ابن ہشام، ۲/ ۹۴۔

اس کے بعد مسلمان زخمیوں اور شہیدوں کی کھوج 'خبر لینے کے لئے میدان میں اتر آئے۔ بعض لوگوں نے بعض شہیدوں کو مدینہ منتقل کر دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ "انھیں ان کی شہادت گاہوں میں واپس لایا جائے اور سارے شہداء کو غسل اور نماز کے بغیر ان کے کپڑوں ہی کے اندر دفن کر دیا جائے۔" آپ نے دو دو اور تین تین شہیدوں کو ایک ہی قبر کے اندر دفن کیا اور بسا اوقات دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے کے اندر جمع فرمایا اور درمیان میں اِذْخِر (گھاس) ڈال دی اور لحد میں اس شخص کو آگے کیا' جسے قرآن زیادہ یاد تھا اور فرمایا کہ:

"میں ان لوگوں کے بارے میں قیامت کے روز گواہی دوں گا۔" [1]

لوگوں نے حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کی لاش اس حالت میں پائی کہ وہ زمین سے اوپر تھی اور اس سے پانی ٹپک رہا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فرشتے انھیں غسل دے رہے ہیں۔"

ان کا واقعہ یہ تھا کہ انہوں نے ابھی نئی نئی شادی کی تھی اور بیوی کے ساتھ ہی تھے کہ جنگ کی پکار پڑ گئی۔ وہ بیوی کو چھوڑ کر سیدھے میدان جنگ میں آگئے اور پھر حالت جنابت ہی میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے' لہٰذا فرشتوں نے انھیں غسل دیا اور اسی لئے وہ "غَسِيلُ الْمَلَائِكَة" (فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے) کہلاتے ہیں۔ [2]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اتنی چھوٹی چادر میں کفنایا گیا کہ اگر سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا تھا۔ چنانچہ پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دی گئی۔ یہی صورت حال مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آئی۔ [3]

جانب مدینہ اور اندرون مدینہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان' شہداء کے دفن اور ان کے لئے دعا سے فارغ ہو چکے' تو مدینہ کا رخ کیا۔

راستے میں کچھ عورتیں ملیں جن کے اقارب شہید ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں تسلی

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۱۳۴۳' ۱۳۴۶' ۱۳۴۸' ۱۳۵۳' ۴۰۷۹۔

[2] زاد المعاد' ۲/۹۴۔

[3] صحیح بخاری' حدیث: ۱۲۷۴' ۱۲۷۵' ۴۰۴۵۔

دی اور ان کے لئے دعا فرمائی۔ بنو دینار کی ایک خاتون آئیں ' جن کے شوہر ' بھائی اور باپ شہید ہو گئے تھے۔ جب انہیں ان لوگوں کی شہادت کی خبر دی گئی تو کہنے لگیں کہ "رسول اللہ ﷺ کا کیا ہوا؟"

لوگوں نے کہا "آپ بحمد للہ ' جیسا تم چاہتی ہو ویسے ہی ہیں۔"

خاتون نے کہا "ذرا مجھے آپ کو دکھلا دو۔"

لوگوں نے انہیں اشارے سے بتلایا۔ جب ان کی نظر آپ پر پڑی تو بے ساختہ پکار اٹھیں:

«كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ»

"کہ آپ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔" [1]

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں نے ہنگامی حالت میں رات گزاری' زخم تھکان اور غم والم نے انہیں چور چور کر رکھا تھا' پھر بھی وہ مدینہ کا پہرہ دیتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر متعین رہے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا ضروری ہے' تاکہ اگر وہ مدینہ واپس آنے کی کوشش کرے تو اس سے کھلے میدان ہی میں دو دو ہاتھ کئے جائیں۔

غزوۂ حمراء الاسد چنانچہ صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے مسلمانوں میں اعلان فرمایا کہ:

"دشمن سے مقابلے کیلئے چلنا ہے اور صرف وہی آدمی جا سکتا ہے جو معرکۂ احد میں موجود تھا۔"

لوگوں نے کہا:

"سَمْعًا وَّطَاعَةً" "ہم نے بات سنی اور مانی۔"

چنانچہ لوگ مدینہ سے چل پڑے اور آٹھ میل دور حمراء الاسد پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔

ادھر مشرکین نے مدینہ سے چھتیس میل دور مقام روحاء پہنچ کر پڑاؤ ڈالا اور وہاں مدینہ پلٹنے کے لئے رائے مشورہ شروع کر دیا۔ انہیں افسوس تھا کہ انہوں نے ایک بہترین موقع ہاتھ سے جانے دیا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ' ۲/۹۹۔

اسی دوران معبد بن ابی معبد خزاعی' جو رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہوں میں سے تھا' حمراء الاسد میں آپ کے پاس آیا اور احد کے واقعے پر آپ سے تعزیت کی' آپ نے اسے فرمایا:

''کہ وہ ابو سفیان سے ملے اور اس کی حوصلہ شکنی کرے۔''

معبد روحاء پہنچا۔ اس وقت مشرکین مدینہ واپسی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ معبد نے انھیں بری طرح ڈرایا۔ کہا ''محمد (ﷺ) ایسی جمعیت لے کر نکلے ہیں کہ میں نے کبھی ویسی جمعیت نہیں دیکھی۔ سارے لوگ تمہارے خلاف غصے سے کباب ہوئے جا رہے ہیں اور تم پر اس قدر بھڑکے ہوئے ہیں کہ میں نے اس کی مثال نہیں دیکھی' نیز میرا خیال ہے کہ تم کوچ کرنے سے پہلے پہلے اس لشکر کا ہراول دستہ اس ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوتا ہوا دیکھ لوگے۔

یہ سن کر مکی لشکر کے عزائم ڈھیلے پڑ گئے اور ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ چنانچہ ابو سفیان نے صرف جوابی اعصابی جنگ پر اکتفا کیا اور ایک قافلے کو مکلف کیا کہ وہ مسلمانوں سے کہے:

﴿ إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدْ جَمَعُوا۟ لَكُمْ فَٱخْشَوْهُمْ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۷۳)

''لوگ تمہارے خلاف جمع ہیں' ان سے ڈرو۔''

تاکہ مسلمان اس کا تعاقب نہ کریں اور خود جلدی سے مکہ کوچ کر گیا۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو یہ دھمکی ان پر کچھ اثر انداز نہ ہوئی' بلکہ:

﴿ فَزَادَهُمْ إِيمَـٰنًا وَقَالُوا۟ حَسْبُنَا ٱللَّهُ وَنِعْمَ ٱلْوَكِيلُ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۷۳)

''اس نے ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور انہوں نے کہا اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔''

﴿ فَٱنقَلَبُوا۟ بِنِعْمَةٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوٓءٌ وَٱتَّبَعُوا۟ رِضْوَٰنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٧٤﴾ ﴾ (آل عمران ۳/ ۱۷۴)

''چنانچہ وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹے۔ انہیں کسی برائی نے نہ چھوا اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''[1]

---

[1] اس غزوے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو' سیرت ابن ہشام ۲/ ۶۰' ۱۲۹۔ زادالمعاد' ۲/ ۹۱' ۱۰۸۔ فتح الباری ۷/ ۳۴۵' ۳۷۷۔

حادثے اور غزوات

احد میں مسلمانوں کو جو زک اٹھانی پڑی' اس کے اثرات بہرحال اچھے نہ تھے۔ دشمن جری ہو گئے اور کھل کر مدمقابل آ گئے اور کئی واقعات ایسے پیش آئے جو مسلمانوں کے حق میں بہتر نہ تھے۔ یہاں اہم واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

رجیع کا حادثہ (صفر ۴ ہجری)

عضل اور قارہ (قبائل) کے کچھ لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور ذکر کیا کہ ان کے اندر اسلام کا کچھ چرچا ہے' لہٰذا آپ انھیں دین سکھانے اور قرآن پڑھانے کیلئے کچھ لوگوں کو بھیج دیں۔ آپ نے عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی امارت میں دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ "رجیع" پہنچے تو انہوں نے ان کے ساتھ غداری کی اور قبیلہ ہُذیل کی ایک شاخ' بنو لحیان کو ان پر چڑھا لائے۔ ان کے تقریباً ایک سو تیر اندازوں نے انھیں ایک ٹیلے پر جا گھیرا--- پھر عہد وپیان دیا کہ اگر وہ اتر آئیں تو انہیں قتل نہ کریں گے۔ عاصم نے اترنے سے انکار کر دیا اور رفقاء سمیت ان سے جنگ شروع کر دی۔ سات مارے گئے جبکہ تین باقی رہے۔ کفار نے پھر وہی عہد وپیان دیا۔ چنانچہ وہ تینوں اتر آئے' مگر کفار نے ان سے بدعہدی کی اور انھیں باندھ لیا۔ اس پر ایک نے یہ کہہ کر ساتھ جانے سے انکار کر دیا کہ یہ پہلی بدعہدی ہے۔ کفار نے اسے قتل کر دیا اور باقی دو کو مکہ لے جا کر بیچ دیا۔ یہ دونوں خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما تھے۔ خبیب نے جنگ بدر میں حارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا تھا' لہٰذا انھیں کچھ عرصے تک قید رکھا گیا۔ پھر تَنعیم لے جا کر قتل کر دیا۔ انہوں نے قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر ان پر بددعا کی' پھر چند اشعار کہے' جن میں سے دو یہ ہیں:

وَلَسْتُ أُبَالِیْ حِیْنَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا عَلَى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ فِی اللهِ مَصْرَعِیْ
وَذَلِكَ فِی ذَاتِ الإِلٰهِ وَإِنْ يَشَأْ يُبَارِكْ عَلَى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُمَزَّعِ

"میں مسلمان مارا جاؤں تو مجھے کچھ پروا نہیں' کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو پر قتل ہوتا

ہوں اور یہ تو اللہ کی ذات کے لئے ہے اور اگر وہ چاہے تو بوٹی بوٹی کئے ہوئے اعضاء کے جوڑ جوڑ میں برکت دے۔"

اس کے بعد ابو سفیان نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے کہا:

"کیا تمھیں یہ بات پسند آتی ہے کہ (تمہارے بدلے) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے پاس ہوتے' ہم ان کی گردن مارتے اور تم اپنے اہل وعیال میں ہوتے؟"

انہوں نے کہا" واللہ! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے اہل وعیال میں ہوتا اور (اس کے بدلے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں آپ ہوں' وہیں پر کوئی کانٹا چبھ جاتا اور وہ آپ کو تکلیف دیتا۔"

پھر حارث بن عامر کے بیٹے نے انھیں اپنے باپ کے بدلے قتل کر دیا۔

باقی رہا زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کا معاملہ' تو انہوں نے غزوۂ بدر میں امیہ بن محرث کو قتل کیا تھا' لہٰذا انھیں اس کے بیٹے صفوان بن امیہ نے خرید کر اپنے باپ کے بدلے قتل کیا۔ بعض کتب میں ابو سفیان اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا گفتگو حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔

حادثے کے بعد قریش نے بعض آدمی بھیجے کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم کا کوئی ٹکڑا لائیں' لیکن اللہ نے بھڑوں کا جھنڈ بھیج دیا' جنھوں نے ان کی حفاظت فرمائی۔ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ ان کی زندگی میں نہ انھیں کوئی مشرک چھوئے گا اور نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے۔ اللہ نے وفات کے بعد بھی اس عہد کا پاس رکھا۔ [1]

بئر معونہ کا المیہ (صفر ۴ ہجری)

حادثۂ رجیع ہی کے زمانے میں ایک اور المیہ پیش آیا' جو رجیع سے بھی زیادہ المناک تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو براء عامر بن مالک۔ جو "مُلَاعِبُ الْاَسِنَّة" (نیزوں سے کھیلنے والا) کے لقب سے مشہور تھا۔ مدینہ خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا' لیکن دوری بھی اختیار نہیں کی اور یہ توقع ظاہر کی کہ اگر اہل نجد کے پاس

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۰۴۵' ۳۹۸۹' ۴۰۸۶' ۴۰۸۷' ۷۴۰۲۔ سیرت ابن ہشام' ۱۶۹/۲' ۱۷۹۔ زاد المعاد' ۱۰۹/۲۔

تبلیغ کے لئے آدمی بھیج دیئے جائیں تو وہ اسلام قبول کر لیں گے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ میری پناہ میں ہوں گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قراء صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ستر (۷۰) مبلغین بھیج دیئے۔ انہوں نے "بئر معونہ" پر پڑاؤ ڈالا اور حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک لے کر اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کے پاس گئے۔ اس نے خط پڑھنے کے بجائے ایک آدمی کو حکم دیا اور اس نے حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو پیچھے سے اس طرح نیزہ مارا کہ وہ آرپار ہو گیا۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا۔"

پھر فوراً ہی اس اللہ کے دشمن نے باقی صحابہ پر حملے کے لئے بنو عامر کو آواز دی' مگر ابو براء کی پناہ کے پیش نظر انہوں نے اس کی آواز پر کان نہ دھرے' لہٰذا اس نے بنو سلیم کو آواز دی اور اس کی چند شاخوں' رعل' ذکوان اور عُصَیّہ نے آکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا محاصرہ کر لیا اور سب کو تہ تیغ کر ڈالا۔ صرف کعب بن زید اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہما بچ رہے۔ کعب بن زید رضی اللہ عنہ زخمی تھے۔ انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ وہ شہداء کے درمیان سے اٹھا لائے گئے۔ پھر زندہ رہے اور غزوۂ خندق میں شہید ہوئے اور عمرو بن امیہ ضمری' منذر بن عقبہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ اونٹ چرا رہے تھے۔ انہوں نے جائے واردات پر پرندوں کو منڈلاتے دیکھا' تو حادثے کی نوعیت سمجھ گئے۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر منذر رضی اللہ عنہ نے لڑتے بھڑتے شہادت حاصل کی اور عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ قید کر لئے گئے۔ جب عامر بن طفیل کو بتایا گیا کہ ان کا تعلق قبیلۂ مضر سے ہے' تو عامر نے ان کی پیشانی کے بال کٹوا کر اپنی ماں کی طرف سے' جس پر ایک گردن آزاد کرنے کی نذر تھی' انہیں آزاد کر دیا۔

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ مدینہ پلٹے۔ راستے میں "قرقرہ" نامی ایک مقام پر پہنچے تو بنو کلاب کے دو آدمی ملے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں دشمن کا آدمی سمجھ کر قتل کر دیا' حالانکہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عہد تھا۔ چنانچہ جب مدینہ پہنچ کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی' تو آپ نے فرمایا:

"تم نے ایسے دو آدمی قتل کئے ہیں جن کی دیت مجھے دینی ہو گی۔"

رسول اللہ ﷺ کو رجیع اور بئرِ معونہ کے ان حادثات سے سخت رنج والم پہنچا۔ یہ دونوں حادثے ایک ہی مہینے یعنی صفر ۴ ہجری میں پیش آئے تھے اور کہا جاتا ہے کہ دونوں واقعات کی خبر آپ کو ایک ہی رات میں پہنچی تھی۔ آپ نے ان قاتلوں پر تیس روز تک نماز فجر میں بددعا فرمائی' یہاں تک کہ اللہ نے ان شہداء کی طرف سے یہ پیغام نازل کیا کہ:

"ہماری قوم کو ہماری طرف سے یہ بات پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے تو وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں۔"

اس کے بعد آپ نے قنوت ترک فرما دیا۔ [1]

غزوۂ بنی نضیر (ربیع الاول ۴ ہجری)

بنو نضیر نے بئرِ معونہ والوں کے ساتھ غداری کرنے والے عضل اور قارہ سے بھی زیادہ ایک خبیث سازش کی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ ان کے ساتھ جمع ہوں' تاکہ آپ سے قرآن و اسلام کی بات سنیں' مناقشہ کریں' اور مطمئن ہو جائیں تو ایمان بھی لائیں۔ چنانچہ اس پر اتفاق ہو گیا۔ جب کہ ان بدمعاشوں نے آپس میں طے کر رکھا تھا کہ ہر آدمی کپڑے کے اندر خنجر چھپا کر چلے اور نبی ﷺ کو غفلت کی حالت میں اچانک قتل کر دیں۔ مگر آپ کو عین وقت پر خبر ہو گئی اور آپ ﷺ نے ان کی جلاوطنی کا فیصلہ کر لیا۔ [2]

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے واپس آ کر جب بنو کلاب کے دو آدمیوں کے قتل کی اطلاع دی' تو آپ ﷺ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے' تاکہ وہ معاہدہ کے مطابق ان دونوں مقتولین کی دیت کی ادائیگی میں اعانت کریں۔ انہوں نے کہا:

"ابو القاسم! ہم ایسا ہی کریں گے۔ آپ یہاں تشریف رکھئے۔ ہم آپ کی ضرورت پوری کئے

---

[1] صحیح بخاری' ۱۰۰۱' ۱۰۰۲' ۱۰۰۳' ۲۸۰۱' ۲۸۱۴' ۳۰۶۴' ۳۱۷۰' ۴۰۸۸' ۴۰۸۹' ۴۰۹۱' ۴۰۹۲' ۴۰۹۳' ۴۰۹۴' ۴۰۹۵' ۴۰۹۶' ۶۳۹۴' ۷۳۴۱۔ سیرت ابن ہشام' ۲/ ۱۸۳' ۱۸۸۔ طبقات ابن سعد ۲/ ۵۳' ۵۴۔ زادالمعاد' ۲/۱۰۹' ۱۱۰۔

[2] مصنف عبدالرزاق ۵/۳۵۸' ۳۶۰ حدیث: ۱۷۳۳' سنن ابی داود' کتاب الخراج والفئی باب

دیتے ہیں۔"

چنانچہ آپ ﷺ ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انتظار میں بیٹھ گئے اور یہود آپس میں اکٹھے ہوئے تو ان پر شیطان سوار ہو گیا اور انہوں نے کہا:

"کون ہے جو اس چکی کو لے کر اوپر جائے اور آپ کے سر پر گرا دے؟

اس پر بدبخت ترین یہودی عمرو بن جحاش اٹھا۔ ادھر حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر نبی ﷺ کو ان کے ارادے کی خبر کر دی۔ چنانچہ آپ تیزی سے اٹھے اور مدینہ چلے آئے۔ بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ سے آن ملے اور آپ نے انھیں سازش کی اطلاع دی۔

اس کے بعد آپ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو یہود کے پاس بھیج کر کہلایا:

"مدینہ سے نکل جاؤ۔ اب میرے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتے۔ تمہیں دس دن کی مہلت ہے۔ اس کے بعد جو پایا جائے گا اس کی گردن مار دی جائے گی۔"

اس نوٹس پر یہود نے چند دن تک سفر کی تیاریاں کیں' لیکن اسی دوران رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے کہلا بھیجا کہ "ڈٹ جاؤ اور نہ نکلو' میرے پاس دو ہزار مردان ضرب و حرب ہیں' جو تمہارے ساتھ تمہارے قلعوں میں داخل ہوں گے اور تمہاری حفاظت کی خاطر جان دے دیں گے۔"

﴿ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ ﴾ (الحشر ۵۹/ ۱۱)

"اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں ہرگز کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے لڑائی کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔"

اور بنو قریظہ اور غطفان بھی تمہاری مدد کریں گے۔ یہ سن کر یہود نے قوت محسوس کی اور رسول اللہ ﷺ کو کہلا بھیجا کہ ہم نہیں نکلتے آپ کو جو کرنا ہے کر لیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اللہ اکبر کہا' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تکبیر کہی۔ اور مدینہ کا انتظام حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپا اور جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے کر بنو نضیر کے علاقے کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر ان کا محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے اپنے قلعوں اور گڑھیوں میں

پناہ لی اور اسلامی لشکر پر تیر اور پتھر برسائے' چونکہ کھجور کے درخت اور باغات ان کے لئے سپر کا کام دے رہے تھے' اس لئے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں کاٹ اور جلا دیا جائے۔ اس سے ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ چنانچہ چھ روز کے بعد اور کہا جاتا ہے کہ پندرہ روز کے بعد انہوں نے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیئے کہ وہ مدینہ سے جلا وطن ہو جائیں گے۔ اس موقع پر بنو قریظہ بھی ان سے الگ تھلگ رہے منافقین کے سردار اور ان کے حلیفوں نے بھی خیانت کی۔

﴿ كَمَثَلِ ٱلشَّيْطَٰنِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَٰنِ ٱكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّى بَرِىٓءٌ مِّنكَ ﴾ (الحشر ۵۹/ ۱۶)

''جیسے شیطان انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ نے انھیں اجازت دی کہ ہتھیار کے سوا جو ساز و سامان چاہیں لے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ان سے جو کچھ ہو سکا لے گئے' حتیٰ کہ گھروں کے دروازے' کھڑکیاں' کھونٹیاں اور چھتوں کی کڑیاں تک اکھاڑ کر لے گئے۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا:

﴿ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِى ٱلْمُؤْمِنِينَ فَٱعْتَبِرُوا۟ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَبْصَٰرِ ﴿٢﴾ ﴾ (الحشر ۵۹/ ۲)

''وہ اپنے ہاتھوں اور اہل ایمان کے ہاتھوں اپنے گھر برباد کر رہے تھے۔ پس اے اہلِ بصیرت! عبرت پکڑو۔''

جلا وطنی کے بعد ان کی اکثریت اور بڑے لوگوں نے خیبر میں قیام کیا اور ایک چھوٹا گروہ ملک شام جا بسا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی زمین اور علاقہ خاص ''مہاجرین اَولین'' میں تقسیم فرمایا' صرف دو انصاری ابو دجانہ اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما کو ان کی تنگ دستی کے سبب اس میں سے عطا فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ اسی میں سے اپنی ازواج مطہرات کا سال بھر کا خرچ نکالتے تھے اور اس کے بعد جو کچھ بچتا تھا اسے جہاد کی تیاری کے لئے ہتھیار اور گھوڑوں کی فراہمی میں صرف فرماتے تھے۔ آپ نے ان کے پاس سے پچاس خود اور تین

سو تلواریں بھی پائیں۔ [1]

غزوۂ بدر دوم (شعبان ۴ ہجری) گزر چکا ہے کہ ابوسفیان نے "احد" میں اگلے سال جنگ کا اعلان کیا تھا۔ چنانچہ شعبان ۴ ہجری کی آمد پر رسول اللہ ﷺ نے وعدے کے مطابق بدر کا رخ کیا اور وہاں آٹھ دن ٹھہر کر ابو سفیان کا انتظار کرتے رہے۔ آپ کے ساتھ ڈیڑھ ہزار کا لشکر اور دس گھوڑے تھے۔ جھنڈا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا تھا اور مدینہ کا انتظام عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا۔

ادھر ابوسفیان بھی پچاس سوار سمیت دو ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا اور "مَرَّالظَّہران" پہنچ کر مجنہ کے مشہور چشمے پر پڑاؤ ڈالا، لیکن شروع سے اس پر رعب طاری تھا، چنانچہ یہاں پہنچ کر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ:

"جنگ اسی وقت موزوں ہوتی ہے جب شادابی اور ہریالی ہو کہ جانور چر سکیں اور تم بھی دودھ پی سکو۔ اس وقت خشک سالی ہے، لہٰذا میں واپس جا رہا ہوں۔ تم لوگ بھی واپس چلے چلو۔ اس پر پورا لشکر کسی مخالفت کے بغیر واپس ہو گیا۔"

مسلمانوں نے بدر میں ٹھہر کر اپنا سامان تجارت بیچا اور ایک درہم کے دو درہم بنائے، پھر اس شان سے واپس آئے کہ ہر دشمن پر ان کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور ہر جانب امن وامان قائم ہو چکا تھا۔ چنانچہ ایک سال سے زیادہ گزر گیا اور دشمنوں کو کچھ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس کی بدولت رسول اللہ ﷺ نے آخری حدود تک امن پھیلانے کا موقع پایا۔ چنانچہ ربیع الاول ۵ ہجری میں ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لئے "دومۃ الجندل" تشریف لے گئے۔ اور یوں ہر چہار جانب امن وامان کا دور دورہ ہو گیا۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری، ترجمۃ باب حدیث بنی النضیر، حدیث: ۲۳۲۶، ۲۹۰۴، ۳۰۹۴، ۴۰۲۹، ۴۰۳۱، ۴۰۳۲، ۴۰۳۳، ۴۶۴۵، ۴۸۸۲، ۴۸۸۴، ۴۸۸۵، ۵۳۵۷، ۵۳۵۸، ۶۷۲۸، ۷۳۰۵۔ سیرت ابن ہشام، ۱۹۰/۲، ۱۹۲۔ زاد المعاد، ۷۱/۲، ۱۱۰۔

[2] سیرت ابن ہشام، ۲۰۹/۲، ۲۱۰۔ زاد المعاد، ۱۱۲/۲۔

غزوۂ خندق

﴿شوال و ذی قعدہ ۵ ہجری﴾

جیسا کہ گزر چکا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو حکیمانہ اقدامات کیے تھے' ان کی بدولت ہر طرف امن و امان چھا گیا تھا۔ چنانچہ غزوۂ بنو نضیر کے بعد ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ تک کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا اور ایسا لگتا تھا کہ اب مسلمان اپنے دین کی اشاعت اور اپنے احوال کی اصلاح کے لئے کلی طور پر فارغ ہو جائیں گے' لیکن یہ یہود تھے -- جنہیں حضرت مسیح علیہ السلام نے سانپ اور سانپوں کی اولاد کہا ہے -- جنہیں گوارا نہ تھا کہ مسلمان چین کا سانس لے سکیں۔ چنانچہ خیبر میں قیام کرنے اور مطمئن ہو جانے کے بعد انہوں نے سازشیں اور پس پردہ حرکتیں شروع کر دیں اور اہل مدینہ کے خلاف "قبائل عرب" کا ایک نہایت زبردست لشکر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

"اہلِ سیر" کہتے ہیں کہ یہود خیبر کے بیس سردار اور رہنما قریش کے پاس گئے اور انہیں مدینہ کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا اور اپنی مدد کا یقین دلایا۔ قریش اس کے لئے تیار ہو گئے تو یہ لوگ بنو غطفان کے پاس گئے۔ انہوں نے بھی بات مان لی۔ اس کے بعد دوسرے قبائل میں گھومے اور ان میں سے متعدد قبائل نے جنگ لڑنی منظور کر لی۔ اس کے بعد سارے قبائل کو ایک منظّم پلان کے تحت اس طرح حرکت دی کہ سب کے سب ایک ہی وقت مدینہ کے اطراف میں پہنچ گئے۔

شوریٰ اور خندق

اس اجتماع اور حرکت کی خبر بروقت مدینہ پہنچ گئی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ یہ رائے پسند کی گئی اور اسی پر اتفاق ہو گیا۔

چونکہ مدینہ کے مشرق' مغرب اور جنوب تین اطراف میں لاوے کی چٹانیں ہیں' اس

لئے صرف شمال کی طرف لشکر کے داخلہ کے لائق ہے' لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اسی جانب حرہ شرقیہ اور غربیہ کے درمیان کا سب سے تنگ مقام منتخب کیا۔ جو کم وبیش ایک میل ہے۔ وہاں خندق کھود کر دونوں حروں کو ملا دیا۔ مغرب میں یہ خندق سلع پہاڑی کے شمال سے شروع ہوتی تھی اور مشرق میں مقام شیخین کے پاس حرہ شرقیہ کے ایک بڑھے ہوئے سرے سے جا ملتی تھی۔

آپ نے ہر دس آدمیوں کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپا اور خود خندق کھودنے اور مٹی ڈھونے میں شریک ہو گئے۔ لوگ رجز پڑھتے اور آپ جواب دیتے' نیز آپ رجز پڑھتے اور لوگ جواب دیتے تھے۔ (۱) لوگوں نے خندق کھودنے میں بڑی مشقتیں برداشت کیں۔ بالخصوص جاڑے اور بھوک کی شدت' چنانچہ ہتھیلی بھر جو لائے جاتے اور بو دینے والی چکنائی کے ساتھ (کھانا) بنایا جاتا' لوگ اسی کو کھالیتے' حالانکہ حلق سے اس کا گزرنا مشکل ہوتا۔ (۲) لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پر ایک ایک پتھر بندھے ہوئے دکھلائے' تو آپ نے انھیں اپنے پیٹ پر دو پتھر دکھلا دیئے۔ (۳)

خندق کی کھدائی کے دوران بعض نشانیاں بھی دیکھنے میں آئیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی بھوک کی سختی دیکھی تو صبر نہ کر سکے۔ اپنی بکری کا ایک بچہ ذبح کیا اور ان کی بیوی نے ایک صاع (تقریباً ڈھائی کلو) جو پیسا۔ پھر انھوں نے خفیہ طور پر رسول اللہ ﷺ کو چند صحابہ سمیت دعوت دی' مگر رسول اللہ ﷺ سارے اہل خندق کے ساتھ جن کی تعداد ایک ہزار تھی' چل پڑے اور سب نے شکم سیر ہو کر کھایا' پھر بھی ہانڈی بھری ہوئی ابلتی رہی اور آٹے سے روٹی پکتی رہی۔ (۴) اسی طرح نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی بہن اپنے والد اور ماموں کے لئے ہتھیلی بھر کھجور لے کر گئیں تو رسول اللہ نے اسے کپڑے کے اوپر بکھیر

---

(۱) صحیح بخاری' حدیث: ۲۸۳۷' ۳۰۳۴' ۴۱۰۴' ۴۱۰۶' ۶۶۲۰' ۷۲۳۶۔

(۲) صحیح بخاری' حدیث: ۴۱۰۰۔

(۳) ترمذی' زہد' باب معیشۃ اصحاب النبی ﷺ' حدیث: ۲۳۷۱۔

(۴) صحیح بخاری' حدیث: ۴۱۰۱' ۴۱۰۲۔

کر سارے اہل خندق کو دعوت دے دی۔ اور سب کھا کھا کر چلے گئے مگر کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کناروں سے باہر گری جارہی تھیں۔ [1]

خندق کی کھدائی کے دوران حضرت جابر اور ان کے ساتھیوں کے حصے میں ایک سخت چٹان نما زمین آگئی۔ نبی ﷺ سے کہا گیا' تو آپ نے اتر کر کدال ماری اور وہ بھربھری ریت میں بدل گئی۔ [2] اسی طرح حضرت براء کے ساتھیوں کا ایک چٹان سے سامنا ہوا۔ نبی ﷺ نے اتر کر "بسم اللہ" کہا اور کدال سے ایک ضرب لگائی' تو ایک ٹکڑا کٹ گیا اور اس سے ایک روشنی نکلی' آپ نے فرمایا:

"اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں اور اس وقت میں اس کے سرخ محل دیکھ رہا ہوں۔"

اس کے بعد آپ نے دوسری ضرب لگائی اور فتح فارس کی خوشخبری سنائی۔ پھر تیسری ضرب لگائی اور فتح یمن کی خوشخبری سنائی اور پوری چٹان کٹ گئی۔ [3]

خندق کے آرپار

ادھر قریش اور ان کے پیرو کار چار ہزار کا لشکر لے کر آئے۔ ان کے ساتھ تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ ان کا سالار ابوسفیان تھا اور جھنڈا عثمان بن طلحہ عبدری نے اٹھا رکھا تھا۔ انہوں نے جرف اور زغابہ کے درمیان رومہ کے "مجتمع الاسیال" میں پڑاؤ ڈالا۔ دوسری طرف غطفان اور ان کے پیرو کار "اہل نجد" چھ ہزار کا لشکر لے کر آئے۔ اور احد کے دامن میں وادی نَقَمیٰ کے آخری سرے پر خیمہ زن ہوئے۔ مدینہ کی دیواروں تک ایسے زبردست لشکر کا پہنچ جانا بڑی سخت آزمائش اور خطرے کا باعث تھا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ ٱلْأَبْصَٰرُ وَبَلَغَتِ ٱلْقُلُوبُ ٱلْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِٱللَّهِ ٱلظُّنُونَا۠ ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ٱبْتُلِىَ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا۟ زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۱۰۔۱۱)

---

[1] سیرت ابن ہشام' ۲/ ۲۱۸۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۴۱۰۱۔

[3] مسند احمد' سنن نسائی ۲/ ۵۶۔

"جب وہ تمہارے اوپر اور تمہارے نیچے سے آئے اور جب نگاہیں کج ہو گئیں' دل حلق کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مؤمنین کو آزمایا گیا۔ اور انہیں شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا۔"

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر مؤمنین کو ثابت قدم رکھا' جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَمَّا رَءَا ٱلْمُؤْمِنُونَ ٱلْأَحْزَابَ قَالُوا۟ هَٰذَا مَا وَعَدَنَا ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَصَدَقَ ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّآ إِيمَٰنًا وَتَسْلِيمًا ﴿٢٢﴾ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۲۲)

"اور جب اہل ایمان نے ان جتھوں کو دیکھا' تو کہنے لگے یہ تو وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا اور اس حالت نے ان کے جذبۂ ایمان واطاعت کو کچھ اور ہی بڑھا دیا۔"

البتہ منافقین اور بیمار دلوں کا حال یہ ہوا کہ انہوں نے کہا:

﴿ مَّا وَعَدَنَا ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۱۲)

"کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا' وہ محض فریب تھا۔"

بہرحال رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پر ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو منتظم مقرر کیا' عورتوں اور بچوں کو گڑھیوں میں محفوظ کیا۔ پھر تین ہزار کا لشکر لے کر نکل پڑے اور جبل سلع کو پشت پر کر کے قلعہ بندی کی شکل اختیار کر لی۔ سامنے خندق تھی جو مسلمان اور کفار کے درمیان حائل تھی۔

ادھر مشرکین نے قرار یابی کے بعد تیار ہو کر مدینہ کی طرف پیش قدمی کی۔ جب مسلمانوں کے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چوڑی سی خندق ان کے اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بھوچکا رہ گئے۔ ابو سفیان نے بے ساختہ کہا:

«تِلْكَ مَكِيْدَةٌ مَا عَرَفَهَا الْعَرَبُ»

"یہ ایسی چال ہے کہ جس کو عرب جانتے ہی نہیں۔"

اب انہوں نے خندق کے گرد غیظ و غضب کے ساتھ چکر کاٹنا شروع کیا' انہیں کسی ایسے نقطے کی تلاش تھی' جہاں سے خندق پار کر سکیں۔ لیکن مسلمان ان پر تیر برسا کر انہیں خندق کے

قریب آنے نہیں دے رہے تھے' تاکہ وہ اس میں نہ کود سکیں اور نہ مٹی ڈال کر راستہ بنا سکیں۔

مجبوراً مشرکین کو مدینے کا محاصرہ کرنا پڑا' حالانکہ وہ اس کے لئے تیار ہو کر نہیں آئے تھے' کیونکہ چلتے وقت یہ منصوبہ ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا' لیکن بہرحال اب وہ روزانہ دن میں نکلتے اور خندق عبور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جب کہ مسلمان پورے راستہ پر ان کے سامنے موجود ہوتے اور تیروں اور پتھروں سے ان کا استقبال کرتے تھے۔ مشرکین نے کئی بار بڑی زبردست کوشش کی اور پورا پورا دن اسی میں صرف کر دیا' لیکن مسلمان بھی دفاع میں ڈٹے رہے' یہاں تک کہ ان کی اور رسول اللہ ﷺ کی کئی کئی نمازیں قضا ہو گئیں اور سورج ڈوبنے کے قریب یا ڈوبنے کے بعد ہی انہیں ادائیگی کا موقع مل سکا۔ (۱) اس وقت تک نماز خوف مشروع نہیں ہوئی تھی۔

ایک روز مشرکین کے شہسواروں کی ایک جماعت نے' جن میں عمرو بن عبدود' عکرمہ بن ابی جہل اور ضرار بن خطاب وغیرہ تھے' ایک تنگ مقام سے خندق پار کرلی اور ان کے گھوڑے خندق اور سلع کے درمیان چکر کاٹنے لگے۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ چند مسلمانوں کے ہمراہ نکلے اور جس مقام سے انہوں نے خندق پار کی تھی' اسے قبضے میں لے کر ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ اس پر عمرو بن عبدود نے مبارزت کے لئے للکارا۔ وہ بڑا جری اور سفاک تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ کہہ کر اسے بھڑکا دیا اور وہ گھوڑے سے اتر آیا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر وار کئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کام تمام کر دیا اور باقی مشرکین بھاگ نکلے۔ وہ اس قدر مرعوب تھے کہ عکرمہ نے بھاگتے ہوئے اپنا نیزہ چھوڑ دیا اور نوفل بن عبداللہ خندق میں جا گرا جسے مسلمانوں نے تہ تیغ کر دیا۔

اس جنگ میں فریقین کے صرف چند افراد مارے گئے۔ یعنی دس مشرک اور چھ مسلمان۔

ایک تیر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو لگا جس سے ان کے بازو کی بڑی رگ کٹ گئی۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اگر قریش کی جنگ کچھ باقی رہ گئی ہو تو اس کے لئے انھیں زندہ رکھے' ورنہ اسی زخم کو ان کی موت کا سبب بنا دے' البتہ اپنی دعا میں یہ بھی کہا کہ:

(۱) صحیح بخاری' حدیث: ۵۹۶' ۵۹۸' ۶۴۱' ۹۴۵' ۲۹۳۱' ۴۱۱۱' ۴۱۱۲' ۴۵۳۳' ۶۳۹۶۔

"مجھے موت نہ دے یہاں تک کہ بنو قریظہ سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔" (1)

بنو قریظہ کی غداری اور غزوے پر اس کا اثر

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ بنو قریظہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد میں بندھے ہوئے تھے، لیکن اس غزوے کے دوران بنو نضیر کے سردار حُیَیّ بن اخطب نے بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس آکر بڑے ڈھنگ سے عہد شکنی پر آمادہ کیا۔ چنانچہ قدرے پس و پیش کے بعد کعب نے عہد توڑ دیا اور قریش اور مشرکین کے ساتھ ہو گیا۔

بنو قریظہ مدینہ کے جنوب میں تھے، جب کہ مسلمانوں کا مورچہ شمال میں تھا، لہٰذا بنو قریظہ اور مسلمان عورتوں اور بچوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ تھی اور انہیں سخت خطرہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ نے مسلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کو دو سو اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو تین سو آدمی دے کر عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے بھیجا اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مزید چند انصار صحابہ کے ساتھ اس خبر کی تحقیق کے لئے روانہ کیا۔ یہ لوگ گئے تو یہود کو انتہائی خباثت پر آمادہ پایا۔ انہوں نے علانیہ گالیاں بکیں، دشمنی کی باتیں کیں اور رسول اللہ ﷺ کی اہانت کی۔ کہنے لگے:

"اللہ کا رسول کون---؟ ہمارے اور محمد کے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں۔"

یہ سن کر وہ لوگ واپس آگئے اور رسول اللہ ﷺ سے صرف اتنا کہا:

"عضل و قارہ۔"

یعنی جس طرح عضل اور قارہ نے اصحاب رجیع کے ساتھ بدعہدی کی تھی، اسی طرح یہود بھی بدعہدی پر تلے ہوئے ہیں۔ (2) لوگوں کو صورت حال سمجھ میں آگئی اور ان پر سخت خوف طاری ہو گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ زَاغَتِ ٱلْأَبْصَـٰرُ وَبَلَغَتِ ٱلْقُلُوبُ ٱلْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِٱللَّهِ

---

(1) صحیح بخاری، ۴۶۳، ۳۹۰۱، ۴۱۲۲۔ سیرت ابن ہشام، ۲/ ۲۲۷۔

(2) سیرت ابن ہشام ۲/ ۲۲۰، ۲۲۱۔

ٱلظُّنُونَا۠ ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ٱبْتُلِىَ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا۟ زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾ ﴾

(الأحزاب۳۳/ ۱۰۔۱۱)

"جب نگاہیں کج ہو گئیں' دل حلق کو آ گئے اور تم لوگ اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت مؤمنین کو آزمایا گیا۔ اور انہیں شدت سے جھنجھوڑ دیا گیا۔"

اسی موقع پر نفاق نے بھی سر نکالا۔ چنانچہ بعض منافقین نے کہا: "محمد تو ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ ہم قیصر و کسریٰ کے خزانے کھائیں گے اور یہاں یہ حالت ہے کہ قضائے حاجت کے لئے نکلنے میں بھی جان کی خیر نہیں۔" (١)

بعض اور منافقین نے کہا:

﴿ مَّا وَعَدَنَا ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥٓ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢﴾ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۱۲)

"ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا تھا' وہ فریب کے سوا کچھ نہیں۔"

ایک اور گروہ نے کہا

﴿ يَٰٓأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَٱرْجِعُوا۟ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۱۳)

"اے اہل یثرب! تمہارے لئے ٹھہرنے کی کوئی گنجائش نہیں' لہٰذا واپس چلو۔"

اور ایک فریق نے بھاگنا چاہا اور نبی ﷺ سے اجازت لینے کے لئے یہ حیلہ کیا کہ:

﴿ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۱۳)

"ہمارے گھر خالی پڑے ہیں' ان کا کوئی نگران نہیں۔"

حالانکہ وہ خالی نہ تھے۔ (٢)

بہرحال جب بنو قریظہ کی غداری کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ کو رنج و قلق ہوا۔ آپ نے اپنا چہرہ اور سر کپڑے سے ڈھک لیا اور دیر تک چت لیٹے رہے۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھے اور مسلمانوں کو فتح و نصرت کی خوشخبری دی۔

---

(١) الدر المنثور عن ابن اسحاق وابن جریر والبیہقی و ابن المنذر' ۳۵۶/۵۔ آیت مذکورہ کی تفسیر۔

(٢) الدر المنثور عن ابن اسحاق وابن جریر والبیہقی و ابن المنذر' ۳۵۶/۵۔ آیت مذکورہ کی تفسیر۔

پھر آپ نے چاہا کہ عیینہ بن حصن کے پاس پیغام بھیج کر مدینہ کے ایک تہائی پھل پر مصالحت کرلیں اور وہ بنو غطفان کو لے کر واپس چلا جائے' لیکن انصار کے دونوں سردار سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے اسے منظور نہ کیا اور کہا:

"جب ہم لوگ اور یہ لوگ دونوں شرک پر تھے' تب تو یہ لوگ ایک دانے کی بھی طمع نہیں کر سکتے تھے' تو بھلا اب جب کہ اللہ نے ہمیں اسلام سے نوازا ہے اور آپ کے ذریعہ عزت بخشی ہے' ہم انہیں اپنا مال دیں گے؟ واللہ! ہم انھیں صرف تلواریں دیں گے۔"

اس پر آپ نے ان دونوں کی رائے کو درست قرار دیا۔

احزاب میں پھوٹ اور غزوے کا خاتمہ

اللہ کے کام بھی نرالے ہیں۔ ابھی حالات اسی سنگین مرحلے سے گزر رہے تھے کہ نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ ان کا تعلق قبیلہ غطفان سے تھا اور وہ قریش اور یہود کے دوست تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ:

"یارسول اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میری قوم کو میرے اسلام کا علم نہیں' لہذا آپ مجھے کوئی حکم فرمائیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم فقط ایک آدمی ہو' اس لئے کر ہی کیا سکتے ہو' البتہ جس قدر ممکن ہو ان میں پھوٹ ڈالو' کیونکہ جنگ تو چالبازی کا نام ہے۔"

اس پر حضرت نعیم رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے ہاں پہنچے۔ انہوں نے دیکھا تو اعزاز واکرام کیا۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

"آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے آپ لوگوں سے محبت اور خصوصی تعلق خاطر ہے۔ اب میں آپ لوگوں کو ایک بات بتا رہا ہوں' اسے میری طرف سے چھپائے رکھیں گے۔"

انہوں نے کہا "جی ہاں۔" حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا:

"بنو قینقاع اور بنو نضیر پر جو گزر چکی ہے' اسے آپ جانتے ہی ہیں۔ اب آپ لوگوں نے قریش اور غطفان کا ساتھ دیا ہے' مگر ان کا معاملہ آپ جیسا نہیں ہے۔ یہ علاقہ آپ کا اپنا علاقہ ہے۔ یہاں آپ کے بال بچے ہیں' عورتیں ہیں اور مال و دولت ہے۔

آپ لوگ یہاں سے کہیں اور نہیں جاسکتے۔ جب کہ ان کا علاقہ' مال ودولت' عورتیں اور بال بچے دور دراز ہیں۔ انہیں موقع ملا تو کوئی قدم اٹھائیں گے' ورنہ اپنے علاقے کی راہ لیں گے اور آپ کو محمد (ﷺ) کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں گے اور وہ جس طرح چاہیں گے انتقام لیں گے۔

یہ سن کر وہ چونک پڑے' بولے "اب کیا کیا جا سکتا ہے؟

حضرت نعیم نے کہا: "جب تک وہ اپنے آدمی یرغمال کے طور پر نہ دیں' ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہ ہونا۔"

انہوں نے کہا "آپ نے بہت درست رائے دی ہے"۔

اس کے بعد حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے قریش کا رخ کیا اور ان کے سرداروں کے ساتھ ملاقات کرتے ہوئے کہا:

"آپ لوگ جانتے ہیں کہ مجھے آپ سے محبت وخیر خواہی ہے۔"

انہوں نے کہا "جی ہاں۔"

حضرت نعیم نے کہا: "تو میں آپ کو ایک بات بتا رہا ہوں' اسے میری جانب سے چھپائے رکھیں۔"

انہوں نے کہا: "ہم ایسا ہی کریں گے۔"

حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا "بات یہ ہے کہ یہود نے محمد (ﷺ) سے جو عہد شکنی کی ہے اس پر وہ نادم ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ آپ لوگ انہیں محمد (ﷺ) کے رحم وکرم پر چھوڑ کر واپس چلے جائیں گے' لٰہذا انہوں نے محمد (ﷺ) سے مراسلت کی ہے کہ آپ لوگوں سے کچھ یرغمالی لے کر ان کے حوالے کر دیں۔ پھر آپ لوگوں کے خلاف ان سے اپنا معاملہ استوار کرلیں اور محمد (ﷺ) اس پر راضی ہو گئے ہیں' لٰہذا آپ لوگ چوکنا رہیں اور اگر وہ آپ سے یرغمالی طلب کریں تو ہر گز نہ دیں۔"

اس کے بعد غطفان کے پاس بھی جاکر یہی بات دہرائی اور ان کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔

اس باحکمت تدبیر سے دلوں میں شبہات پیدا ہو گئے اور پھوٹ پڑ گئی۔ چنانچہ ابو سفیان نے بنو قریظہ کے پاس ایک وفد بھیجا کہ کل جنگ کی جائے۔ بنو قریظہ نے کہا "ایک تو کل ہفتہ کا دن ہے اور ہم پر جو عذاب آیا' اس روز شریعت کے حکم سے تجاوز کرنے کے سبب آیا۔ دوسرے آپ جب تک ہمیں کچھ یرغمالی نہ دیں' ہم آپ کے ساتھ جنگ میں شرکت نہ کریں گے' تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے اپنے علاقوں کی راہ لیں۔" اس پر قریش اور غطفان نے کہا کہ "واللہ! نعیم نے سچ کہا تھا" اور قریش نے یہود کو کہلوا بھیجا' کہ "ہم آپ کو کوئی یرغمال نہ دیں گے۔ آپ لوگ جنگ کے لئے نکل پڑیں۔" اس پر یہود نے کہا کہ "واللہ! نعیم نے سچ کہا تھا۔" اس طرح فریقین کے حوصلے ٹوٹ گئے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی۔

اس دوران مسلمان یہ دعا کر رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اسْتُرْعَوْرَاتِنَا وَآمِن رَوْعَاتِنَا»

"کہ اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خطرات سے مامون کر دے۔"[1]

اور نبی ﷺ نے اپنے رب عزوجل سے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ سَرِيْعَ الْحِسَابِ، اهْزِمِ الأَحْزَابَ، اللّٰهُمَّ اهْزِمْهُمْ وَزَلْزِلْهُمْ»

"اے اللہ! اے کتاب (قرآن) اتارنے والے' اے جلد حساب لینے والے' انہیں شکست دے دے اور جھنجھوڑ کر رکھ دے۔"[2]

اللہ نے دعا قبول کی اور مشرکین پر تند ہواؤں اور فرشتوں کا لشکر بھیج دیا۔ جس نے ان کو ہلا ڈالا۔ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ان کی ہانڈیاں الٹ دیں۔ ان کے خیمے اکھیڑ دیئے اور کڑکڑاتی سردی نے الگ مار ماری اور ان کی کوئی چیز اپنی جگہ نہ رہ سکی۔ چنانچہ انہوں نے کوچ کی تیاری شروع کر دی۔

---

[1] مسند احمد۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۲۹۳۳' ۴۱۱۵' ۶۳۹۲' ۷۴۸۹۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ وہ کفار کے محاذ کے اندر تک گئے اور واپس آئے، انہیں قطعاً سردی نہ لگی، بلکہ انہیں ایسا محسوس ہوا کہ گرم پانی کے حمام میں ہیں۔ انہوں نے واپس آکر (دشمن) قوم کی واپسی کی اطلاع دی اور سو گئے۔ [1] صبح ہوئی تو مسلمانوں نے دیکھا کہ کفار کی طرف کا میدان جنگ صاف ہے۔

''اللہ نے کفار کو کسی خیر کے بغیر غیظ وغضب سمیت واپس کر دیا تھا اور ان سے جنگ کے لئے تنہا ہی کافی ہوا تھا۔ اور اللہ قوی وعزیز ہے۔'' [2]

اس غزوے کی ابتدا شوال ۵ ہجری میں اور انتہا ایک مہینے بعد ذی قعدہ میں ہوئی۔ یہ مدینہ پر ضرب لگانے اور اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے دشمنان اسلام کی سب سے بڑی کوشش تھی، لیکن اللہ نے انہیں نامراد کیا اور ان کی سازش ناکام بنا دی اور ان طاقتوں کے مجموعی طور پر ناکام ہونے کے معنی یہ تھے، کہ اب چھوٹے چھوٹے متفرق گروہ مدینہ کا رخ کرنے کی ہمت بدرجہ اولیٰ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اس کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:

«الآنَ نَغْزُوْهُمْ، وَلاَ يَغْزُوْنَنَا، نَحْنُ نَسِيْرُ إِلَيْهِمْ»

''اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہ کریں گے۔ اب ہمارا لشکر ان کی طرف جائے گا۔'' [3]

---

[1] صحیح مسلم، الجہاد۔

[2] بنو قریظہ سمیت اس غزوے کی تفصیل کے لیے دیکھئے سیرت ابن ہشام، ۲/۲۲۳، ۲۷۳۔ زاد المعاد، ۲/۷۲، ۷۴۔

[3] صحیح بخاری، حدیث: ۴۱۰۹، ۴۱۱۰۔

غزوۂ بنو قریظہ

﴿ ذی قعدہ ۵ ہجری ﴾

رسول اللہ ﷺ غزوۂ خندق سے واپس آنے کے بعد ابھی ہتھیار اور کپڑے اتار کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں غسل کر کے فارغ ہی ہوئے تھے' کہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور بنو قریظہ کی طرف نکلنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ "میں آگے آگے جارہا ہوں' ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کروں گا اور ان کے دلوں میں رعب ڈالوں گا" اور یہ کہہ کر فرشتوں کے جلو میں روانہ ہو گئے۔ [1]

ادھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں میں منادی کرائی کہ جو شخص "سمع وطاعت" پر قائم ہے' وہ عصر کی نماز بنو قریظہ ہی میں پڑھے۔" [2] اس کے بعد مدینے کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ کا پھریرا دے کر ایک جماعت کے ساتھ آگے روانہ فرما دیا۔ بنو قریظہ نے انہیں دیکھا تو رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی اور ہرزہ سرائی کی۔ ادھر اعلان سن کر مسلمان بھی جھٹ پٹ تیار ہوئے اور نکل پڑے' بعض لوگ ابھی راستے ہی میں تھے کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے وہیں نماز پڑھ لی اور کچھ لوگوں نے بنو قریظہ پہنچنے تک مؤخر کی۔ رسول اللہ ﷺ بھی مہاجرین وانصار کے جلو میں نکلے اور بنو قریظہ کے "انا" نامی ایک کنوئیں پر پڑاؤ ڈالا۔

اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند ہو گئے۔ انہیں لڑائی کی جرأت نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے سختی سے محاصرہ جاری رکھا۔ یہود نے

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۲۸۱۳' ۴۱۱۷' ۴۱۱۸' ۴۱۲۲۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۹۴۶' ۴۱۱۹۔

جب دیکھا کہ محاصرہ طول پکڑ رہا ہے' تو چاہا کہ اپنے بعض مسلمان حلیفوں سے مشورہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ وہ ابو لبابہ کو بھیج دیں' تاکہ ان سے مشورہ کر لیا جائے۔ آپ ﷺ نے ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا' انہیں دیکھ کر مرد حضرات ان کی طرف دوڑ پڑے' عورتیں اور بچے ان کے سامنے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ پر رقت طاری ہو گئی۔ یہود نے کہا:

"کیا آپ مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم محمد کے فیصلے پر ہتھیار ڈال دیں؟"

انہوں نے کہا: "ہاں۔"

اور ساتھ ہی ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کر دیا۔ مطلب یہ تھا کہ ذبح کر دیئے جاؤ گے' لیکن انہیں فوراً احساس ہوا کہ اشارہ کر کے انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ وہ سیدھے مسجد نبوی پہنچے اور اپنے آپ کو اس کے ایک ستون سے باندھ لیا اور قسم کھائی کہ اب انہیں رسول اللہ ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے کھولیں گے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی' تو آپ نے فرمایا: "اگر وہ میرے پاس آگئے ہوتے تو میں ان کے لئے دعائے مغفرت کر دیتا' لیکن جب وہ وہی کام کر بیٹھے ہیں تو اب ہم بھی انھیں چھوڑے رکھیں گے' یہاں تک کہ اللہ ہی ان کے بارے میں فیصلہ فرمائے۔"[1]

ادھر طوالت محاصرہ کے ساتھ ہی بنو قریظہ کے حوصلے ٹوٹ گئے' چنانچہ پچیّس روز کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے حوالے کر دیا کہ آپ جو فیصلہ مناسب سمجھیں کریں۔ آپ نے مَردوں کو باندھ لیا اور عورتوں اور بچوں کو علیحدہ کر لیا۔ قبیلۂ اوس کے لوگ عرض پرداز ہوئے کہ: "ہمارے ان حلفاء پر احسان فرمائیں جس طرح خزرج کے حلفاء بنو قینقاع پر احسان فرمایا تھا۔"

آپ نے فرمایا "کیا آپ لوگ اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے متعلق آپ ہی کا ایک آدمی فیصلہ کرے؟"

---

[1] تفسیر ابن کثیر' الانفال' آیت: ۲۷ (۲/۳۳۲) وغیرہ۔

انہوں نے کہا ''کیوں نہیں۔''

آپ نے فرمایا ''تو یہ معاملہ سعد بن معاذ کے حوالے ہے۔''

اوس کے لوگوں نے کہا ''ہم اس پر راضی ہیں۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو غزوۂ خندق میں جو زخم لگا تھا اس کی وجہ سے وہ مدینہ میں تھے۔ انہیں گدھے پر سوار کر کے لایا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا ''اپنے سردار کی جانب اٹھو۔''

چنانچہ لوگ اٹھ کر ان کے استقبال کو گئے اور انھیں دونوں طرف سے گھیر لیا۔ کہنے لگے ''سعد! اپنے حلیفوں کے بارے میں حسن سلوک کیجئے گا۔''

حضرت سعد خاموش تھے' کچھ جواب نہیں دے رہے تھے۔ جب لوگوں نے گزارش کی بھرمار کر دی تو بولے: ''اب وقت آگیا ہے کہ سعد کو اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں۔''

یہ سن کر بعض لوگ وہیں سے مدینہ پلٹ آئے اور قیدیوں کی موت کا اعلان کر دیا۔

جب حضرت سعد اتر چکے اور انھیں بتلایا گیا کہ بنو قریظہ ان کی ثالثی پر راضی ہیں۔ تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ:

''مَردوں کو قتل کر دیا جائے' عورتوں' بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور اموال تقسیم کر دیئے جائیں''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے' جو سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔'' [1]

یہ فیصلہ یہودی شریعت کے مطابق بھی' بلکہ ان کی شریعت کے فیصلے کے مقابلے میں زیادہ رحم و نرمی پر مبنی تھا۔

حضرتِ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کے بعد بنو قریظہ کو مدینہ لایا گیا اور بنو نجار کی

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۴۱۲۱' ۴۱۲۲۔

ایک عورت' جو حارث کی صاحبزادی تھیں' کے گھر میں قید کر دیا گیا اور مدینہ کے بازار میں خندقیں کھودی گئیں' پھر انہیں ایک ایک گروہ کر کے لے جایا گیا اور ان خندقوں میں ان کی گردنیں مار دی گئیں۔ ان کی تعداد چار سو اور کہا جاتا ہے کہ چھ سو اور سات سو کے درمیان تھی۔

انہی کے ساتھ بنو نضیر کا سردار حُیَیِّی حیی بن اخطب بھی مارا گیا۔ یہ یہود کے ان بیس سرداروں میں سے ایک تھا' جنہوں نے قریش اور غطفان کو غزوۂ احزاب کے لئے تیار کیا تھا۔ پھر بنو قریظہ کے پاس آ کر انہیں عہد شکنی پر ورغلایا تھا' یہاں تک کہ انہوں نے مسلمانوں کی زندگی کے مشکل ترین اوقات میں ان کے ساتھ غداری کی تھی اور غداری کرتے وقت حُیَیِّی سے یہ شرط لگائی تھی کہ یہ بھی ان کے ساتھ رہے گا اور جو حشر ان کا ہو گا وہی اس کا بھی ہو گا' چنانچہ محاصرہ اور ہتھیار ڈالنے کے دوران یہ بھی ان کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

بنو قریظہ کے چند افراد ہتھیاڑ ڈالنے سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ ان سے کوئی تَعَرُّض نہیں کیا گیا۔ بعض لوگوں کو ہبہ کروا لیا گیا تھا' انھیں بھی چھوڑ دیا گیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کی ایک عورت بھی قتل کی گئی' کیونکہ اس نے چکی پھینک کر حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا۔ ہتھیار اور اموال جمع کیے گئے۔ ڈیڑھ ہزار تلواریں' تین سو زرہیں' دو ہزار نیزے' پانچ سو ڈھال' بہت سا سامان' بہت سے برتن' اونٹ اور بکریاں جمع ہوئیں۔ آپ نے کھجوروں (درخت) اور قیدیوں سمیت ان سب کا خمس نکال کر بقیہ مال غنیمت فوجیوں پر تقسیم کر دیا' جو پیدل تھا اسے ایک حصہ اور جو شہسوار تھا اسے تین حصے دیئے۔ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔

قیدیوں کو نجد بھیج کر ان کے بدلے ہتھیار خرید لئے گئے' البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے حضرت ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ کو اپنے لئے منتخب کیا۔ پھر کہا جاتا ہے کہ انھیں اپنی ملکیت میں رکھا [1] اور کہا جاتا ہے کہ انھیں آزاد کر کے شادی کر لی۔ حجۃ الوداع کے

---

[1] یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔ دیکھئے سیرت ابن ہشام ۲/۲۴۵۔

بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ [1]

جب بنو قریظہ کا کام تمام ہو چکا' تو بندۂ صالح حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہو گئی۔ وہ مسجد نبوی کے ایک خیمے میں تھے' تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی سے ان کی عیادت کر لیا کریں۔ ان کے اوپر ایک بکری گزر گئی' جس سے زخم ٹوٹ کر (ہنسلی) لبے کے پاس سے بہ پڑا اور اس قدر خون نکلا کہ ان کی وفات واقع ہو گئی۔ [2] ان کا جنازہ مسلمانوں کے ساتھ فرشتوں نے بھی اٹھایا اور ان کی موت پر ''رحمٰن'' کا عرش لرز اٹھا۔ [3]

ادھر ابو لبابہ رضی اللہ عنہ پر چھ راتیں گزر چکی تھیں۔ نماز کے لئے ان کی بیوی انھیں کھول دیتی تھیں۔ اس کے بعد وہ پلٹ کر پھر اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیتے تھے۔ اس کے بعد حضرت ام سلمہ کے مکان میں ان کی توبہ نازل ہوئی۔ حضرت ام سلمہ نے انھیں بشارت دی' تو لوگ انھیں کھولنے کیلئے دوڑ پڑے مگر انہوں نے انکار کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ انھیں کوئی اور نہ کھولے گا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کیلئے نکلے تو انہیں کھول دیا۔ [4]

غزوۂ بنو قریظہ کے بعد مسلمانوں کو مزید کئی عسکری کارروائیاں انجام دینی پڑیں۔ ان میں اہم کارروائیاں حسب ذیل ہیں:

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کا قتل (ذی الحجہ ۵ ہجری)

یہ شخص حجاز کا تاجر اور یہود خیبر کا رئیس تھا اور ان بڑے مجرمین میں سے ایک تھا' جنہوں نے اہل مدینہ کے خلاف جماعتوں کو ورغلانے اور لانے کا کام کیا تھا' چنانچہ جب مسلمان احزاب اور قریظہ سے فارغ ہو چکے [5] تو خزرج کے

---

[1] تلقیح' ص: ۱۲۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۴۱۲۲۔

[3] صحیح مسلم' ۲/۲۹۴۔ جامع ترمذی' حدیث: ۳۸۴۸' ۳۸۴۹' (۵/۶۴۷)

[4] تفسیر ابن کثیر وغیرہ۔ اور ہم پیچھے بتا چکے ہیں کہ اس غزوے کا سیاق بھی ابن ہشام اور زادالمعاد وغیرہ سے ماخوذ ہے۔

[5] فتح الباری' ۷/۳۴۳۔

پانچ آدمی اس شخص کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوئے۔ تاکہ کعب بن اشرف کو قتل کر کے اوس نے جیسا شرف حاصل کیا تھا' ویسا ہی شرف یہ لوگ بھی حاصل کر لیں۔

پھر یہ لوگ خیبر کے اطراف میں واقع اس کے قلعہ کے پاس پہنچے۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ ان کے قائد عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

"تم لوگ یہیں ٹھہرو' میں جاتا ہوں اور دروازے کے پہرے دار کے ساتھ کوئی لطیف حیلہ اختیار کرتا ہوں' ممکن ہے اندر داخل ہو جاؤں۔"

اس کے بعد وہ تشریف لے گئے اور دروازے کے قریب جاکر سر پر کپڑا ڈال کر یوں بیٹھ گئے گویا قضائے حاجت کر رہے ہیں۔ پہرے دار نے زور سے پکار کر کہا "او اللہ کے بندے! اگر اندر آنا ہے تو آ جا ورنہ میں دروازہ بند کرنے جا رہا ہوں۔"

عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اندر داخل ہو گئے اور چھپ گئے' جب لوگ سو گئے' تو انہوں نے کنجیاں لیں اور دروازہ کھول دیا' تاکہ بوقت ضرورت بھاگنے میں آسانی ہو۔ اس کے بعد انہوں نے ابو رافع کے حجرے کا رخ کیا۔ ادھر جاتے ہوئے جو دروازے کھولتے اسے اندر سے بند کر لیتے تاکہ لوگوں کو اگر ان کا پتہ لگ بھی جائے تو لوگوں کے پہنچنے سے پہلے وہ ابو رافع کو قتل کر لیں۔ جب اس کے حجرے میں پہنچے تو وہ اپنے بال بچوں کے درمیان تاریکی میں سو رہا تھا اور پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کہاں ہے؟ لہٰذا انہوں نے آواز دی "ابو رافع! اس نے کہا کون ہے؟ انہوں نے آواز کا رخ کیا اور تلوار کی ایک ضرب لگائی' لیکن چونکہ ہڑبڑائے ہوئے تھے' اس لئے کاری ضرب نہ لگی اور اس نے زور کی چیخ ماری۔ وہ جھٹ باہر نکل گئے اور آواز بدل کر آئے گویا مدد کرنے آئے ہیں۔ کہا "ابو رافع! یہ کیسی آواز تھی؟"

اس نے کہا" تیری ماں برباد ہو۔ ایک آدمی نے ابھی مجھے اس کمرے میں تلوار مار دی ہے۔"

اب انہوں نے دوبارہ اس کا رخ کیا اور تلوار کی ایسی زور دار ضرب لگائی کہ وہ خون میں لت پت ہو گیا' لیکن اب بھی قتل نہ ہو سکا' اس لئے انہوں نے اس کے پیٹ پر تلوار رکھ کر دبا دی اور وہ پیٹھ تک جا رہی۔ اس کے بعد انہوں نے ایک ایک دروازہ کھولا اور باہر

نکلے۔ چاندنی رات تھی اور ان کی نگاہ کمزور' انھوں نے سمجھا زمین تک پہنچ چکے ہیں۔ پاؤں بڑھایا تو سیڑھی سے نیچے آرہے اور پاؤں میں چوٹ آگئی۔ انھوں نے پگڑی سے پاؤں باندھا اور دروازے کے پاس چھپ رہے۔ جب مرغ نے آواز دی تو ایک آدمی نے قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ "میں اہل حجاز کے تاجر ابو رافع کی موت کی اطلاع دیتا ہوں۔" عبد اللہ بن عتیک نے جان لیا کہ وہ مرچکا ہے' لہٰذا اپنے ساتھیوں کے پاس آگئے اور سب نے مدینہ کی راہ لی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے ان کے پاؤں پر دست مبارک پھیرا اور انہیں ایسا لگا کہ گویا کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہیں۔ [1]

سید یمامہ' ثمامہ بن اثال کی گرفتاری (محرم ۶ ہجری)

ثمامہ بن اثال' نبی ﷺ اور آپ کے دین اسلام کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ محرم ۶ ہجری میں مسیلمہ کذاب کے حکم سے بھیس بدل کر نبی ﷺ کو قتل کرنے نکلے۔ [2] ادھر نبی ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو تیس سواروں کے ساتھ "ضریہ" کے اطراف میں' جو بصرہ کے راستہ میں مدینہ سے سات رات کے فاصلے پر واقع ہے' بنی بکر بن کلاب کی تادیب کے لئے بھیجا تھا۔ سواروں نے واپس آتے ہوئے راستہ میں ثمامہ کو پالیا۔ چنانچہ انہیں گرفتار کر کے مدینہ لے آئے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ نبی ﷺ وہاں سے گزرے تو فرمایا "ثمامہ تمہارے نزدیک کیا ہے؟"

انھوں نے کہا "اے محمد! میرے نزدیک خیر ہے' اگر قتل کرو تو ایک خون (قصاص) والے کو قتل کرو گے اور اگر احسان کرو تو ایک قدر داں پر احسان کرو گے اور اگر مال چاہتے ہو تو مانگو' جو چاہو گے دیا جائے گا۔"

اس کے بعد آپ نے انھیں اسی حال میں چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پھر گزرے' اور پھر یہی گفتگو ہوئی' پھر تیسرے دن بھی یہی سوال وجواب ہوا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ:

"ثمامہ کو چھوڑ دو"

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۴۰۳۹' ۴۰۴۰۔

[2] السیرۃ الحلبیہ' ۲/۲۹۷۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں چھوڑ دیا' انہوں نے غسل کیا اور مسلمان ہو گئے۔ پھر کہا:

"واللہ! روئے زمین پر کوئی چہرہ میرے نزدیک آپ کے چہرے سے زیادہ قابل نفرت نہ تھا' لیکن اب آپ کا چہرہ میرے نزدیک دوسرے تمام چہروں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔ اور واللہ! روئے زمین پر کوئی دین میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ ناپسندیدہ نہ تھا' مگر اب آپ کا دین میرے نزدیک دوسرے تمام ادیان سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے۔"

پھر واپسی پر حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لئے مکہ گئے تو قریش نے انھیں اسلام لانے پر ملامت کی۔

انہوں نے کہا: "واللہ! تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہ آئے گا' جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت نہ دے دیں۔"

چنانچہ واپسی کے بعد انہوں نے اہل مکہ کے لئے گیہوں بیچنے کی ممانعت کر دی' جس سے وہ مشکل میں پڑ گئے' حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرابت کا واسطہ دے کر لکھا کہ آپ ثمامہ کو لکھ دیں' وہ گیہوں بیچنے کی اجازت دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ [1]

غزوۂ بنو لحیان (ربیع الاول ۶ ہجری)

بنو لحیان وہی ہیں جنہوں نے "رجیع" میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل کیا تھا۔ یہ حجاز کے بہت اندر عسفان کی حدود میں آباد تھے' اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نمٹنے میں قدرے تاخیر کی۔ جب کفار کے مختلف گروہوں میں پھوٹ پڑ گئی اور آپ دشمنوں سے کسی قدر مطمئن ہو گئے' تو آپ نے مدینہ کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپ کر دو سو صحابہ اور بیس گھوڑوں کے ساتھ ربیع الاول ۶ ہجری میں بنو لحیان کا رخ کیا اور یلغار کرتے ہوئے "بطن غران" تک جا پہنچے۔ یہ امج اور عسفان کے درمیان ایک وادی ہے اور یہیں آپ کے صحابہ کو شہید کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعائے رحمت کی اور دو روز یہیں قیام فرمایا۔ ادھر بنو لحیان کو خبر ہو گئی اور وہ پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ نکلے۔ ان کا کوئی آدمی ہاتھ

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۴۶۲' ۴۶۹' ۲۴۲۲' ۲۴۲۳' ۴۳۷۲- زادالمعاد' ۲/۱۱۹- فتح الباری' ۷/۶۸۸-

نہ آسکا۔ پھر آپ نے عسفان کا قصد کیا اور وہاں سے دس سواروں کا دستہ آگے بھیجا' تاکہ قریش ان کی آمد کا حال سن کر مرعوب ہو جائیں۔ اس دستے نے کراع الغمیم تک کا چکر لگایا۔ اس کے بعد آپ کل چودہ دن مدینہ سے باہر گزار کر مدینہ واپس آگئے۔

سریہ عیص اور ابو العاص (شوہر زینب بنت رسول اللہ ﷺ) کا قبول اسلام

جمادی الاولیٰ ٦ ہجری [1] میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو ستر سواروں کے ساتھ "عیص" کی جانب روانہ کیا۔ مقصد شام سے آنے والے ایک قریشی قافلے کو پکڑنا تھا' جس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص بن ربیع تھے' مسلمانوں نے اس قافلے کو لوگوں سمیت گرفتار کرلیا' البتہ ابو العاص ہاتھ نہ آئے' لیکن وہ سیدھے مدینہ پہنچے' حضرت زینب کی پناہ لی اور ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کہیں کہ آپ قافلے کا مال واپس کر دیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے سفارش کی اور آپ نے چھوٹی بڑی' تھوڑی' زیادہ ہر چیز واپس کر دی۔

ابو العاص تجارت' مال اور امانت کے معاملے میں مکہ کے چند گنے چنے لوگوں میں سے تھے۔ وہ مکہ گئے' امانتیں اہل امانت کو ادا کیں' پھر مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پہلے ہی نکاح کے تحت ان کو واپس کر دیا۔ یہ واپسی تین سال سے کچھ زیادہ عرصہ کی جدائی کے بعد ہوئی۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے اس دوران مزید کئی "سرایا" بھی بھیجے' جن کا دشمن کی سرکشی توڑنے' ان کے شر کی آگ بجھانے اور دور دراز علاقوں تک امن وامان پھیلانے میں بڑا اثر تھا۔ پھر آپ کے پاس کچھ اس طرح کی خبریں آئیں کہ آپ غزوۂ بنو المصطلق کے لئے تشریف لے گئے۔ [3]

---

[1] حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری ٧/ ٤٩٨ میں اس سریہ کو ٦ ھ کا واقعہ بتایا ہے۔

[2] دیکھئے سنن ابی داود مع شرح عون المعبود' باب الی متی ترد علیه امرأته اذا اسلم بعدها۔

[3] گزشتہ اور ان سرایا کے لیے دیکھئے زاد المعاد' ٢/ ١٢٠' ١٢٢۔ رحمۃ للعالمین ٢/ ٢٢٦۔

غزوۂ بنو المصطلق یا غزوۂ مریسیع

﴿ شعبان ۵ ہجری یا ۶ ہجری ﴾

"بنو المصطلق" قبیلہ خزاعہ کی ایک شاخ ہے۔ قبیلہ خزاعہ کے لوگ عام طور پر رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے، مگر یہ شاخ قریش کی طرفدار تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہ لوگ آپ سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ آپ نے اس خبر کی تحقیق کے لئے بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ ان سے معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے، لہٰذا آپ نے مدینہ کا انتظام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ---اور کہا جاتا ہے کہ کسی اور کو--- سونپا اور "بنو المصطلق" کی طرف یلغار کرتے ہوئے نکلے، تاکہ بالکل اچانک ان پر ٹوٹ پڑیں۔ آپ کے ساتھ سات سو صحابہ تھے اور بنوالمصطلق اس وقت "قدید" کے اطراف میں ساحل کے قریب "مریسیع" نامی ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس حال میں چھاپہ مارا کہ وہ غافل تھے، بعض کو قتل کیا۔ عورتوں، بچوں کو قید کیا اور مال مویشی پر قبضہ کر لیا۔ [1] اس وقت شعبان ۵ ہجری اور کہا جاتا ہے کہ ۶ ہجری کی دو راتیں گزر چکی تھیں۔ قیدیوں میں بنوالمصطلق کے رئیس حارث بن ضرار کی صاحبزادی جویریہ بھی تھیں۔ مدینہ آکر ان کے اسلام لانے پر نبی ﷺ نے انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ اس پر صحابہ کرام نے بنوالمصطلق کے ایک سو گھرانے جو مسلمان ہو چکے تھے آزاد کر دیئے اور کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سسرال کے لوگ ہیں، لہٰذا حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لئے نہایت عظیم برکت والی خاتون ثابت ہوئیں۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری، حدیث:۲۵۴۱۔

[2] سیرت ابن ہشام، ۲/۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۴، ۲۹۵۔ زادالمعاد، ۲/۱۱۲، ۱۱۳۔

یہ ہے "غزوہ بنو المصطلق" کی مختصر روداد۔ اس میں کوئی ندرت نہیں' لیکن اس غزوے کے دوران دو تکلیف دہ حادثے پیش آئے' جنہیں منافقین نے اسلامی معاشرے بلکہ نبوی گھرانے تک کے اندر فتنہ واضطراب بھڑکانے کے لئے استعمال کیا' لہٰذا تھوڑی سی روداد اس کی بھی دی جاتی ہے۔

۱۔ پہلا حادثہ

رأس المنافقین (عبداللہ بن ابی) کا یہ قول کہ "مدینہ پلٹ کر عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔"

اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک مہاجرین کے حلیف اور ایک انصار کے حلیف میں "مریسیع" کے چشمہ پر پانی کی وجہ سے جھگڑا ہو گیا اور مہاجر نے انصاری کو مارا تو انصاری نے آواز لگائی "یَا لَلْاَنْصَارِ!" "ہائے انصار کے لوگو!"

اس پر مہاجر نے آواز لگائی "یَا لَلْمُهَاجِرِیْنَ!" "ہائے مہاجرو!"

اور یہ سن کر طرفین کے کچھ لوگ جمع ہو گئے' لیکن رسول اللہ ﷺ نے سبقت کی اور فرمایا "میں تمہارے اندر موجود ہوں اور جاہلیت کی پکار پکاری جارہی ہے؟ اسے چھوڑ دو' یہ بدبودار ہے۔" چنانچہ لوگ اپنے رشد کی طرف پلٹ آئے اور واپس ہو گئے۔ [1]

اس غزوے میں منافقین کی ایک جماعت بھی ہمراہ تھی' جو اس سے پہلے نہیں نکلی تھی' ان کے ساتھ ان کا سردار عبداللہ بن ابی بھی تھا۔ اسے خبر ہوئی تو غصے سے بھڑک اٹھا اور کہنے لگا:

"اچھا تو انہوں نے یہ حرکت کی ہے۔ یہ ہمارے ہی علاقے میں ہمارے حریف اور مدمقابل ہو گئے۔ ہماری اور قریش کے ان کنگلوں کی مثال تو وہی ٹھہری' جو پہلوں نے کہی ہے کہ "اپنے کتے کو پال پوس کر موٹا کرو اور وہ تم ہی کو کاٹ کھائے۔" سنو! واللہ! اب ہم مدینہ واپس ہوئے تو ہم میں سے عزت والا' ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔"

عزت والے سے مراد اس نے اپنے آپ کو لیا اور ذلت والے سے رسول اللہ ﷺ کو۔ العیاذ باللہ۔ اور اس کے لئے فتنوں کی تدبیریں کرنے لگا' حتیٰ کہ اپنے رفقاء سے کہا:

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۵۱۸' ۱۹۰۵' ۱۹۰۷۔

"یہ مصیبت تم نے خود اپنے گلے منڈھ لی ہے۔ انہیں اپنے شہر میں اتارا اور اپنے اموال بانٹ کر دیئے۔ سنو! واللہ! تم لوگ ان سے ہاتھ روک لو' تو یہ تمہارا شہر چھوڑ کر کہیں اور چلتے بنیں گے۔"

جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں' ایک مضبوط ایمان کے نوجوان حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ اس ہرزہ سرائی پر صبر نہ کر سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دی۔ آپ نے عبد اللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے' جو آپ کو معلوم ہوئی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے "سورۂ منافقین" نازل کی اور اسے قیامت تک کے لئے رسوا کر دیا۔ (۱)

اس منافق کے صاحبزادے جن کا نام بھی عبداللہ تھا' خالص مومن تھے' انہیں علم ہوا تو تلوار سونت کر مدینہ کی گزر گاہ پر کھڑے ہو گئے اور اپنے باپ منافقوں کے سردار سے کہا کہ:

"واللہ! جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں تم یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے' کیونکہ وہ عزیز ہیں اور تم ذلیل ہو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے کہلوا بھیجا کہ اجازت دے دو۔ چنانچہ انہوں نے راستہ چھوڑ دیا اور اس حکمت سے یہ فتنہ فرو ہوا۔ (۲)

۲۔ واقعۂ اِفک یہ واقعہ اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غزوہ سے واپسی میں مدینہ کے قریب ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ پھر رات ہی میں کوچ کا اعلان کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ وہ ضرورت کے لئے نکلیں اور واپس آ کر سینہ ٹٹولا تو ہار غائب تھا' لہٰذا جہاں غائب ہوا تھا وہیں تلاش کرنے واپس گئیں اور پا بھی لیا' لیکن اس دوران لشکر کوچ کر گیا اور آپ کا ہودج بھی یہ سمجھتے ہوئے اونٹ پر لاد دیا گیا کہ آپ اس میں موجود ہیں۔ چونکہ ہودج اٹھانے والی ایک جماعت تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابھی

---

(۱) دیکھئے صحیح بخاری ماسبق کے علاوہ حدیث: ۴۹۰۰' ۴۹۰۱' ۴۹۰۲' ۴۹۰۳' ۴۹۰۴۔ صحیح مسلم' حدیث: ۲۵۸۴۔ ترمذی حدیث: ۳۳۱۲ (۳۸۷/۵)

(۲) اس واقعہ کے لیے دیکھئے' سیرت ابن ہشام ۲۹۰/۲' ۲۹۲۔

ہلکی پھلکی تھیں' اس لئے ہودج کے ہلکے پن پر یہ لوگ نہ چونکے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا' لہٰذا وہ وہیں بیٹھ گئیں کہ لوگ انہیں نہ پائیں گے تو پلٹ کر تلاش کرنے آئیں گے۔ پھر ان کی آنکھ لگ گئی اور وہ سو گئیں۔

ادھر ایک صحابی حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ جو لشکر کے پیچھے رہتے تھے تاکہ اہل لشکر کی گری ہوئی چیز ملے تو اسے اٹھا لیں' وہ مزید آگے بڑھے تو ایک سوئے ہوئے انسان کا ڈھانچہ دیکھا۔ قریب پہنچے تو پہچان گئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں' کیونکہ وہ پردے کا حکم آنے سے پہلے انہیں دیکھ چکے تھے۔ دیکھ کر کہا:

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ....؟

اس کے سوا کچھ نہ کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی آواز سن کر بیدار ہو گئیں اور دوپٹے سے چہرا ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے سواری قریب کر کے بٹھائی اور عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہو گئیں۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سواری کی نکیل تھامے آگے آگے پیدل چلتے ہوئے لشکر میں آ گئے۔ یہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اور لشکر پڑاؤ ڈال چکا تھا۔

یہ دیکھ کر اللہ کے دشمن عبد اللہ بن ابی کو نفاق و حسد کے کرب سے ٹھنڈی سانس لینے کا موقع ملا۔ اس نے جھوٹ اور بہتان کے طور پر دونوں کے خلاف بدکاری کی تہمت تراشی۔ پھر اس میں رنگ بھرنا' پھیلانا' بڑھانا' اور ادھیڑنا' بننا شروع کیا۔ اس کے ساتھی بھی اسی کو بنیاد بنا کر اس کا تقرب حاصل کرنے لگے اور جب مدینہ آئے تو اس کا خوب خوب پروپیگنڈا کیا' یہاں تک کہ متعدد اہل ایمان بھی دھوکے میں آ گئے۔

ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ آ کر بیمار پڑ گئیں اور بیماری نے تقریباً ایک مہینہ طول پکڑا۔ اب مدینہ تو تہمت تراشوں کے پروپیگنڈے سے موج مار رہا تھا' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ خبر نہ تھی۔ انہیں صرف یہ بات کھٹکتی تھی کہ وہ اپنی بیماری کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خاص مہربانی دیکھا کرتی تھیں وہ اب کی بار نہیں دیکھ رہی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر سلام کرتے اور یہ پوچھ کر واپس ہو جاتے کہ یہ کیسی ہیں؟ بیٹھتے نہ تھے۔

پھر اس پورے عرصے میں آپ خاموش رہے' کوئی بات نہ کی' لیکن جب لمبے عرصے

تک وحی نہ آئی' تو آپ ﷺ نے اپنے خاص اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اشاروں اشاروں میں مشورہ دیا کہ انہیں علیحدہ کر دیں' لیکن حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے مشورہ دیا کہ برقرار رکھیں۔ وہ کھرا سونا ہیں۔ اس کے بعد آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر اس شخص سے نجات دلانے کی طرف توجہ دلائی' جس کی ایذا رسانیاں آپ کے اہل خانہ تک کے بارے میں پہنچ چکی تھیں۔ اشارہ عبد اللہ بن ابی کی طرف تھا۔ اس پر اوس کے سردار نے خواہش ظاہر کی کہ اسے قتل کر دیں' لیکن خزرج کے سردار پر حمیت غالب آگئی' کیونکہ عبداللہ بن ابی اسی قبیلے سے تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں قبیلے بھڑک اٹھے' اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں مشکل سے خاموش کیا۔

ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیماری سے اٹھ چکیں' تو رات کو قضائے حاجت کے لئے نکلیں' ساتھ میں ام مسطح رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ وہ چادر میں پھسلیں تو اپنے بیٹے مسطح رضی اللہ عنہ کو بددعا دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں ٹوکا' تو انہوں نے سارا قصہ کہہ سنایا اور بتلایا کہ ان کا بیٹا مسطح بھی یہی بات کہتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ سے اجازت لی اور اپنے والدین کے پاس گئیں اور جب یقینی طور سے بات کا علم ہو گیا تو رونے لگیں اور خوب روئیں۔ دو راتیں اور ایک دن روتے روتے گزر گئے' اس دوران نہ نیند آئی نہ آنسو کی جھڑی رکی۔ انہیں اور ان کے والدین کو محسوس ہوتا تھا کہ روتے روتے کلیجہ شق ہو جائے گا۔

دوسری رات کی صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' بیٹھ کر خطبہ پڑھا' پھر فرمایا:

اما بعد! اے عائشہ! مجھے تمہارے متعلق ایسی اور ایسی بات معلوم ہوئی ہے' اگر تم پاک ہو تو اللہ تمہاری براءت ظاہر کر دے گا اور اگر تم نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے' تو اللہ سے مغفرت مانگو اور توبہ کرو' کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کر کے اللہ سے توبہ کرتا ہے' تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔"

اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آنسو تھم گئے اور انہوں نے والدین سے کہا کہ جواب دیں' مگر انہیں سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہیں' لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ہی کہا:

"واللہ! میں جانتی ہوں کہ یہ بات سنتے سنتے آپ لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح بیٹھ گئی ہے اور آپ لوگوں نے اسے سچ سمجھ لیا ہے' اس لئے اب اگر میں یہ کہوں کہ میں پاک ہوں --اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں پاک ہوں-- تو آپ لوگ میری بات سچ نہ مانیں گے اور اگر میں کسی بات کا اعتراف کرلوں --اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں-- تو آپ لوگ صحیح مان لیں گے' اس لئے میں اپنے اور آپ لوگوں کے لئے وہی مثال پاتی ہوں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے کہا تھا کہ:

﴿ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَٱللَّهُ ٱلْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ ﴾ (یوسف۱۲/ ۱۸)

"صبر ہی بہتر ہے اور تم لوگ جو کچھ کہتے ہو اس پر اللہ کی مدد مطلوب ہے۔"

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پلٹ کر لیٹ گئیں اور اسی وقت وحی نازل ہوئی۔ جب نزول وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ:

"اے عائشہ! اللہ نے تمہیں پاک قرار دیا ہے۔"

اس پر ان کی ماں نے کہا "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھو! (شکریہ ادا کرو)"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا "واللہ! میں ان کی طرف نہیں اٹھتی۔ میں تو صرف اللہ کی تعریف کروں گی۔"

اس موقع پر ان کی براءت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے جو آیات نازل کیں وہ سورۂ نور کی دس آیات ہیں جو ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ ﴾ سے شروع ہو کر بیسویں آیت ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ پر ختم ہوتی ہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے۔ انہیں خطبہ دیا اور براءت کے سلسلے میں اللہ نے جو آیات نازل فرمائی تھیں' ان کی تلاوت کی۔ اس کے بعد منبر سے اتر کر خالص مؤمنین میں سے دو مردوں اور ایک عورت کے متعلق حکم دیا اور انہیں اَسی اَسی کوڑے مارے گئے اور یہ تھے حضرت حسان بن ثابت' مسطح بن اثاثہ' اور حمنہ بنت جحش۔ ان کے قدم پھسل گئے تھے اور انہوں نے بھی تہمت تراشی میں حصہ لیا

تھا۔ باقی رہا اس جھوٹ کا پیشوا عبد اللہ بن ابی اور اس کے رفقاء' تو انہیں اس دنیا میں سزا نہ دی گئی' [1] لیکن وہ قیامت کے روز اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے' جہاں نہ مال کام آئے گا' نہ اولاد۔ صرف وہ کامیاب ہوں گے جو اللہ کے پاس "قلب سلیم" لے کر جائیں گے۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح بخاری' حدیث: ۲۶۳۷' ۲۶۶۱' ۴۱۴۱' ۴۷۵۰' ۴۷۵۷' ۶۶۷۹' ۷۳۶۹' صحیح میں اس کا اور بھی سیاق ہے۔ اور دیکھئے سیرت ابن ہشام' ۲/۲۹۷' ۳۰۷۔ زاد المعاد' ۲/۱۱۳' ۱۱۵ اور کتب تفسیر' تفسیر سورۃ النور۔

عمرۂ حدیبیہ

﴿ ذی قعدہ سنہ ٦ ہجری ﴾

عمرہ کے لئے روانگی اور حدیبیہ میں پڑاؤ

مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کو خواب دکھلایا گیا کہ آپ اور آپ کے صحابہ امن کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوئے اور سروں کو منڈوایا اور قصر کرایا۔ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی اطلاع دی اور یہ بتلایا کہ آپ عمرے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ گرد و پیش میں جو اَعراب تھے، ان میں بھی روانگی کا اعلان کر دیا، مگر انہوں نے تاخیر کی۔ ان کا خیال تھا کہ رسول اور مومنین واپس اپنے گھر کبھی نہ آسکیں گے، مگر بعد میں عذر یہ تراشا کہ:

"ہمیں ہمارے اموال واولاد نے مشغول کر رکھا تھا، لہٰذا ہمارے لئے دعائے مغفرت کر دیجئے۔"

رسول اللہ ﷺ بروز پیر، یکم ذی قعدہ ٦ ہجری کو چودہ سو مہاجرین وانصار کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے [١] اور اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے لئے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ آپ جنگ کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کے لئے جا رہے ہیں۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر جانوروں کو قلادے پہنائے، کوہان چیر کر نشان بنایا اور عمرے کا احرام باندھا۔ [٢]

پھر آپ نے سفر جاری رکھا، "عسفان" پہنچے تو آپ کے جاسوس نے آکر اطلاع دی کہ قریش جنگ کا، اور مسلمانوں کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کئے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے "ذِی طُوٰی" میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور خالد بن ولید کو دو سو سواروں کے ساتھ "عسفان" کے قریب "کراع الغمیم" بھیج دیا ہے، تاکہ وہ مکہ آنے والا راستہ بند رکھیں۔ نیز اپنی مدد کیلئے

---

[١] صحیح بخاری، حدیث: ۴۱۵۴، ۴۸۴۰۔

[٢] صحیح بخاری، حدیث: ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۴۱۵۷، ۴۱۵۸، ۴۱۷۸، ۴۱۷۹۔

احابیش کو بھی جمع کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مشورہ کیا کہ کیا کریں؟ یہ احابیش جو جمع ہوئے ہیں، ان کے گھروں پر ہلہ بول دیں، یا سیدھے بیت اللہ کا قصد کریں اور جو روکے اس سے لڑیں؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ہم عمرہ کرنے آئے ہیں، لڑنے نہیں آئے، لہٰذا جو ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو اس سے لڑیں۔" رسول اللہ ﷺ نے یہ رائے قبول کی۔ ①

ادھر خالد بن ولید نے ظہر کی نماز میں مسلمانوں کو رکوع اور سجدہ کرتے دیکھا، تو کہا:

"یہ لوگ غافل تھے، ہم نے حملہ کیا ہوتا تو انہیں مار لیا ہوتا۔"

پھر طے کیا کہ عصر کی نماز کے دوران حملہ کریں گے، لیکن اللہ نے ظہر اور عصر کے درمیان صَلٰوۃِ خَوْف (حالت جنگ کی مخصوص نماز) کا حکم نازل کر دیا اور خالد کے ہاتھ سے موقع جاتا رہا۔ ②

پھر رسول اللہ ﷺ نے اس راستے کو چھوڑ کر ایک دوسرا راستہ اختیار کیا اور مکہ سے نیچے داہنے ہاتھ چل کر "ثَنیۃ المرار" پہنچ گئے، جہاں سے حدیبیہ میں اترتے ہیں، وہاں پہنچ کر اونٹنی بیٹھ گئی اور لوگوں نے ڈانٹا بھی تو نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا "قصواء" اڑ گئی۔ آپ نے فرمایا:

"قصواء اڑی نہیں ہے اور نہ یہ اس کی عادت ہے، لیکن اسے اس ہستی نے روک رکھا ہے، جس نے ہاتھی کو روک دیا تھا۔"

پھر آپ نے فرمایا "اللہ کی قسم! یہ لوگ مجھ سے کسی بھی ایسے معاملے کا مطالبہ نہ کریں گے، جس میں اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کر رہے ہوں، مگر میں اسے ضرور تسلیم کر لوں گا۔"

اس کے بعد آپ نے اونٹنی کو ڈانٹا، تو وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر آپ نے آگے بڑھ کر حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ ③

---

① صحیح بخاری، حدیث: ۴۱۷۸، ۴۱۷۹۔

② احمد و اصحاب السنن، فتح الباری، ۷/۴۸۸۔

③ صحیح بخاری، حدیث: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲۔

اس کے بعد بدیل بن ورقاء خزاعی' خزاعہ کی ایک جماعت کے ساتھ آیا۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے۔ اس نے بتایا کہ قریش آپ سے جنگ کرنے اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کا تہیہ کئے بیٹھے ہیں۔ آپ نے اسے بتایا کہ:

''وہ محض عمرہ کے لئے آئے ہیں' لڑائی کے لئے نہیں' نیز یہ کہ وہ صلح کے لئے تیار ہیں' لیکن اگر قریش نے لڑائی ہی پر اصرار کیا تو آپ اس وقت تک لڑتے رہیں گے' جب تک کہ آپ کا تن سر سے جدا نہ ہو جائے۔ یا اللہ کا حکم نافذ نہ ہو جائے۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ اور قریش کے مابین گفت و شنید

بدیل نے واپس پلٹ کر قریش کو یہ بات سنائی' تو انہوں نے مکرز بن حفص کو بھیجا۔ آپ نے اس سے بھی وہی بات کہی' جو بدیل سے کہی تھی۔ اس کے بعد قریش نے احابیش کے سردار حلیس بن عکرمہ کو بھیجا۔ جب وہ نمودار ہوا' تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا ''یہ شخص ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے' جو قربانی کے جانوروں کا بہت احترام کرتی ہے' لہٰذا جانوروں کو کھڑا کر دو۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم نے جانوروں کو کھڑا کر دیا اور خود بھی لبیک پکارتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس نے یہ کیفیت دیکھی تو کہا ''سبحان اللہ! ان لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا ہرگز مناسب نہیں۔ بھلا یہ کیا کہ لَخم و جُزام اور حِمیَر کے لوگ تو حج کریں اور عبد المطلب کا بیٹا بیت اللہ سے روک دیا جائے؟ بیت اللہ کے رب کی قسم! قریش برباد ہوئے۔ یہ لوگ عمرہ کرنے آئے ہیں۔'' قریش نے یہ بات سنی تو کہا کہ بیٹھ جاؤ' تم اعرابی ہو' تمہیں چالبازیوں کا علم نہیں۔

اس کے بعد قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا' اس نے آکر بات کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی وہی کہا جو بدیل سے کہا تھا۔

اس نے کہا: ''اے محمد (ﷺ)! اگر آپ نے اپنی قوم کا صفایا بھی کر دیا تو کیا آپ نے پہلے کسی عرب کے متعلق سنا ہے کہ اس نے اپنی ہی قوم کا صفایا کر دیا ہو؟ اور اگر دوسری

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۲۷۳۱' ۲۷۳۲۔

صورت پیش آئی' یعنی آپ کو شکست ہوئی تو میں آپ کے گرد ایسے اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں' جو اسی لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔"

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا "لات کی شرمگاہ کا لٹکتا ہوا چمڑہ چوس۔ ہم حضور کو چھوڑ کر بھاگیں گے؟" عروہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب نہ دے سکا' کیونکہ ابوبکر نے اس پر کوئی احسان کیا تھا۔

عروہ بات کرتے کرتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی پکڑ لیتا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مار کر کہتے "اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی سے پرے رکھ۔"

عروہ نے کہا: "او غدار! کیا میں تیری غداری کے سلسلے میں دوڑ دھوپ نہیں کر رہا ہوں؟"

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ' عروہ کے بھتیجے تھے۔ کچھ لوگوں کو قتل کر کے ان کا مال لے لیا تھا۔ اور آکر مسلمان ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اسلام قبول کر لیا تھا' لیکن مال سے براءت اختیار کی تھی۔ عروہ بن مسعود اسی سلسلے میں بھاگ دوڑ کر رہا تھا اور ان کی غداری سے اس نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس موقع پر عروہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا جو منظر دیکھا تو واپس جاکر قریش سے کہنے لگا:

"اے قوم! واللہ! میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے پاس جا چکا ہوں۔ واللہ! میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں' جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعظیم کرتے ہیں۔ واللہ! وہ کھنکار بھی تھوکتے تھے' تو کسی نہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا تھا اور وہ شخص اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا تھا اور جب وہ حکم دیتے تھے تو اس کی بجا آوری کے لئے سب دوڑ پڑتے تھے اور جب وضو کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے وضو کے پانی کے لئے لوگ لڑ پڑیں گے اور جب کوئی بات کرتے تھے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے تھے اور فرط تعظیم کے سبب انہیں بھرپور نظر سے دیکھتے نہ تھے۔ انہوں نے تم پر ایک اچھی تجویز پیش کی ہے' لہٰذا اسے قبول کر لو۔"[1]

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۲۷۳۱' ۲۷۳۲۔

اسی "سلسلۂ گفتگو" کے دوران قریش کے ستر یا اسی پر جوش نوجوان ہنگامہ آرائی کے لئے رات کی تاریکی میں خاموشی کے ساتھ جبل تنعیم سے اتر کر مسلمانوں کے کیمپ میں گھس آئے۔ مقصد یہ تھا کہ صلح کی یہ گفتگو ناکام ہو جائے' لیکن مسلمانوں نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں معاف کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ اس سے ایک طرف تو قریش کے دلوں پر خاصا رعب طاری ہوا۔ دوسری طرف ان کے اندر صلح کا رجحان اور بڑھ گیا۔ اسی سلسلے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَهُوَ ٱلَّذِى كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنۢ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ﴾ (الفتح٤٨/ ٢٤)

"وہی ہے جس نے بطن مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے' اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا۔" (۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارت اور بیعت رضوان

اب رسول اللہ ﷺ نے طے کیا کہ قریش کے پاس ایک سفیر روانہ کریں جو انہیں یقینی طور پر بتلائے کہ آپ عمرہ ہی کے لئے تشریف لائے ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور انہیں یہ بھی حکم دیا کہ وہ مکہ کے کمزور مومن مردوں اور عورتوں کے پاس جاکر انہیں قریب ہی فتح کی بشارت سنا دیں اور یہ بتلا دیں کہ "اللہ عزوجل اپنے دین کو مکہ میں ظاہر وغالب کرنے والا ہے' یہاں تک کہ کسی کو ایمان چھپانے کی ضرورت نہ ہو گی۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابان بن سعید اموی کی پناہ میں مکہ کے اندر داخل ہوئے اور پیغام پہنچایا' قریش نے پیشکش کی کہ بیت اللہ کا طواف کر لیں' مگر انہوں نے اس حالت میں طواف کرنے سے انکار کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو روک رکھا گیا ہو۔

پھر قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ غالباً وہ چاہتے تھے کہ باہم مشورہ کر لیں' پھر جواب سمیت انہیں روانہ کریں' مگر ان کی تاخیر سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ

---

(۱) صحیح مسلم' احمد' اصحاب السنن سوائے ابن ماجہ کے' نیز ابن کثیر آیت مذکورہ کی تفسیر۔

انہیں قتل کر دیا گیا ہے۔ چونکہ قاصد کو قتل کرنے کے معنی اعلان جنگ ہیں' اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا:

"ہم اس جگہ سے ٹل نہیں سکتے' یہاں تک کہ ان لوگوں سے معرکہ آرائی نہ کرلیں۔"

پھر آپ نے ایک درخت کے نیچے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنگ پر بیعت کرنے کی دعوت دی۔ صحابہ ٹوٹ پڑے اور بڑی گرمجوشی کے ساتھ موت پر اور میدان سے نہ بھاگنے پر بیعت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا "یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔" [1] لیکن جب بیعت مکمل ہو چکی' تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ اللہ نے اس بیعت کی فضیلت میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾

(الفتح ۴۸/ ۱۸)

"اللہ مومنین سے راضی ہوا' جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔"

اور یہیں سے اس کا نام "بیعت رضوان" پڑ گیا۔

اتمام صلح

قریش نے اس بیعت کا حال سنا تو ان پر زبردست رعب طاری ہوا اور انہوں نے صلح کرنے کے لئے سہیل بن عمرو کو بھیجا۔ سہیل نے لمبی گفتگو کی' بالآخر درج ذیل شرطیں طے ہوئیں:

1. رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر مسلمانوں کے ساتھ واپس جائیں گے۔ اگلے سال مکہ آئیں گے اور تین روز قیام کریں گے۔ ان کے ساتھ کوئی ہتھیار نہ ہو گا۔ صرف میان کے اندر تلواریں ہوں گی۔
2. فریقین میں دس سال کے لئے جنگ بند رہے گی۔
3. جو محمد (ﷺ) کے "عہد" میں داخل ہونا چاہے' داخل ہو سکتا ہے اور جو قریش کے عہد میں داخل ہونا چاہے' داخل ہو سکتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۶۹۹' ۴۰۶۶۔

﴿۴﴾ قریش کا جو آدمی مسلمانوں کی پناہ میں جائے گا' مسلمان اسے قریش کے حوالے کر دیں گے' لیکن مسلمانوں کا جو آدمی قریش کی پناہ میں آئے گا قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

اس کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور املاء کرایا کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھیں۔ سہیل نے کہا "ہم نہیں جانتے رحمان کیا ہے۔ آپ "بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ" لکھیں۔"
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہی لکھنے کا حکم دیا۔

پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے املاء کرایا کہ "یہ وہ بات ہے' جس پر محمد رسول اللہ نے مصالحت کی۔"
اس پر سہیل نے کہا "اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے' لیکن آپ محمد بن عبد اللہ لکھوائیں۔"
آپ نے فرمایا "میں اللہ کا رسول ہوں' اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ"۔
پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اسے مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھیں' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مٹانا گوارا نہ کیا' لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے مٹایا۔ ﴿۱﴾ پھر پوری دستاویز کے دو نسخے لکھے گئے۔ ایک نسخہ قریش کیلئے اور ایک نسخہ مسلمانوں کیلئے۔

ابو جندل کا قضیہ

صلح نامہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کے صاحبزادے ابو جندل بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے پہنچے۔ سہیل نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"ابھی نوشتہ مکمل نہیں ہوا ہے۔"
سہیل نے کہا "تب میں آپ سے صلح ہی نہیں کرتا۔"
آپ نے فرمایا "اچھا تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو۔"
اس نے کہا "یہ بھی نہیں ہو سکتا۔"
پھر سہیل نے ابو جندل کو مارا۔ ابو جندل نے چیخ کر کہا "مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ مجھے میرے دین سے فتنے میں ڈالیں؟"

﴿۱﴾ صحیح بخاری' حدیث: ۲۷۳۱' ۲۷۳۲' ۲۷۱۱' ۲۷۱۲' ۴۱۸۴' ۴۱۸۰' ۴۱۸۱۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"صبر کرو اور باعث ثواب سمجھو' اللہ تمہارے لئے اور تمہارے علاوہ جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لئے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو جندل کو بھڑکایا کہ وہ اپنے باپ سہیل کو قتل کر دیں' مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ ①

عمرے سے دستبرداری اور صلح پر مسلمانوں کا غم

رسول اللہ ﷺ معاہدۂ صلح لکھوا کر فارغ ہو چکے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا "اٹھو اور اپنے اپنے جانور قربان کر دو۔"

مگر کوئی نہ اٹھا' حتیٰ کہ آپ ﷺ نے یہ بات تین بار کہی' مگر کوئی نہ اٹھا' تو آپ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ اٹھ کر اپنا جانور ذبح کر دیں اور اپنا سر منڈا لیں اور کسی سے کوئی بات نہ کریں۔ آپ نے یہی کیا اور مشرکین کو جلانے' بھنانے کے لئے ابو جہل کا ایک اونٹ بھی ذبح کیا' جس کی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ آپ کو دیکھ کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اپنے اپنے جانور ذبح کر دیئے اور اپنے سر منڈا لئے مگر غم کے سبب ان کی کیفیت یہ تھی کہ لگتا تھا ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔ اس موقع پر گائے اور اونٹ سات سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کئے گئے۔ ②

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غم کی دو وجہیں تھیں۔ ایک یہ کہ وہ عمرہ کئے بغیر واپس ہو رہے تھے' دوسری یہ کہ فریقین میں برابری نہ تھی' کیونکہ طے یہ ہوا تھا کہ مسلمانوں کے پاس کوئی آئے تو اسے مسلمان واپس کر دیں گے' لیکن قریش کے پاس کوئی جائے تو اسے قریش واپس نہ کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں پہلی وجہ کے متعلق مطمئن کیا کہ:

"وہ اگلے سال عمرہ کریں گے' لہٰذا خواب سچا ہے اور صلح کی اس دفعہ میں مسلمانوں کے جذبات کی رعایت کی گئی ہے۔"

---

① ایضاً' وغیرہ و سیرت ابن ہشام۔

② صحیح بخاری' حدیث: ۲۷۳۱' ۲۷۳۲۔

اور دوسری وجہ کے متعلق (یہ کہہ کر) مطمئن کیا کہ "ہمارا جو آدمی ان کے پاس چلا گیا' اللہ نے اسے دور کر دیا اور ان کا جو آدمی ہمارے پاس آئے گا' اللہ اس کے لئے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔" ①

آپ کی یہ بات بہت دور اندیشی پر مبنی تھی' کیونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت ابھی تک حبشہ میں تھی اور ان پر صلح لاگو نہیں ہوتی تھی' لہٰذا مکہ کے قیدیوں کے لئے ان کے پاس پناہ لینی ممکن تھی' لیکن بظاہر صلح بہرحال قریش کے حق میں تھی' اس لئے مسلمانوں کے احساسات پر اس کا گہرا اثر تھا' یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خدمت نبوی میں آکر کہا "اے اللہ کے رسول! کیا ہم لوگ حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں؟"

آپ نے فرمایا "کیوں نہیں۔"

انہوں نے کہا "کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیوں نہیں؟"

انہوں نے کہا "تو پھر ہم کیوں اپنے دین کے بارے میں دباؤ قبول کریں؟ اور ایسی حالت میں پلٹیں کہ ابھی اللہ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا ہے؟"

آپ نے فرمایا "خطاب کے صاحبزادے! میں اللہ کا رسول ہوں' اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ میری مدد کرے گا' اور مجھے ضائع نہ کرے گا۔"

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصے سے بھرے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے بھی وہی کہا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا اور انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ پھر حضرت عمر سے مزید کہا کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب تھامے رہو' یہاں تک کہ تمہاری موت آجائے' کیونکہ واللہ! آپ حق پر ہیں۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ﴿ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴾ کی آیات نازل کیں' جن میں اس صلح کو "فتح مبین" قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پڑھ کر سنایا۔

---

① صحیح مسلم' باب صلح الحدیبیہ' ۱۰۵/۲۔

وہ کہنے لگے "یا رسول اللہ! یہ فتح ہے؟"

آپ نے فرمایا "ہاں"۔

اس سے ان کے دل کو سکون ہو گیا' اور وہ واپس چلے گئے۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی اس تقصیر پر سخت ندامت ہوئی اور اس کی تلافی کے لئے انہوں نے بہت سے اعمال کئے' برابر صدقہ وخیرات کیا' روزے رکھے' نماز پڑھی اور غلام آزاد کئے' یہاں تک کہ خیر کی امید بندھی۔ (۱)

مہاجر عورتوں کا قضیہ

صلح مکمل ہو چکی اور لوگ عمرے سے حلال ہو چکے' تو کچھ مومن عورتیں آگئیں' ان کے کافر سرپرستوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ انہیں واپس کیا جائے' مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دلیل کی بنا پر واپس کرنے سے انکار کر دیا کہ عورتیں معاہدہ میں شامل نہیں ہیں۔ ادھر اللہ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا جَآءَكُمُ ٱلْمُؤْمِنَـٰتُ مُهَـٰجِرَٰتٍ فَٱمْتَحِنُوهُنَّ ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَـٰنِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَـٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَءَاتُوهُم مَّآ أَنفَقُوا۟ ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَن تَنكِحُوهُنَّ إِذَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا۟ بِعِصَمِ ٱلْكَوَافِرِ﴾ (الممتحنه ۶۰/ ۱۰)

"اے اہل ایمان! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا امتحان لو' اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے۔ پس اگر انہیں مومنہ جانو تو کفار کی طرف نہ پلٹاؤ' نہ وہ کفار کے لئے حلال ہیں' نہ کفار ان کے لئے حلال ہیں' البتہ ان کے کافر شوہروں نے جو مہر ان کو دیئے تھے اسے واپس دے دو اور (پھر) تم پر کوئی حرج نہیں کہ ان سے نکاح کر لو' جب کہ انہیں ان کے مہر ادا کرو اور کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔"

یوں ایمان والی عورتوں کو کفار پر اور کافر عورتوں کو مؤمنین پر حرام کر دیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کا امتحان اس آیت کی روشنی میں لیتے:

---

(۱) صحیح بخاری' حدیث: ۲۷۳۱' ۲۷۳۲' ۳۱۸۲' ۴۸۴۴' ۴۱۷۷' ۴۸۳۳' ۵۰۱۲۔

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ إِذَا جَآءَكَ ٱلْمُؤْمِنَـٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰٓ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِٱللَّهِ شَيْـًٔا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَـٰدَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَـٰنٍ يَفْتَرِينَهُۥ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِى مَعْرُوفٍ ۙ فَبَايِعْهُنَّ وَٱسْتَغْفِرْ لَهُنَّ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ ﴾ (الممتحنہ ٦٠/ ١٢)

''اے نبی! جب تمہارے پاس مومن عورتیں آئیں اور اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی' چوری نہ کریں گی' زنا نہ کریں گی' اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی' اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے کوئی بہتان گھڑ کر کے نہ لائیں گی اور کسی معروف بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی۔ تو ان سے بیعت لے لو' اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو' یقیناً اللہ غفور رحیم ہے۔''

چنانچہ جو عورت ان شرائط کا اقرار کرتی اس سے آپ فرماتے کہ ''میں نے تم سے بیعت کر لی۔''

صرف زبان سے کہتے' مصافحہ نہ فرماتے اور پھر اسے کفار کو واپس نہ کرتے' نیز مسلمانوں نے اپنی کافرہ بیویوں کو طلاق دے دی اور مسلمان عورتوں کو ان کے کافر شوہروں سے علیحدہ کر لیا۔ [1]

مسلمانوں کے معاہدہ میں بنو خزاعہ کی شرکت

''بنو خزاعہ'' نے پسند کیا کہ وہ اس معاہدے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں گے' چنانچہ وہ آپ کے ''عہد'' میں داخل ہو گئے۔ یہ لوگ زمانۂ جاہلیت سے بنو ہاشم کے حلیف چلے آ رہے تھے۔ جب کہ ان کے حریف بنو بکر' قریش کے ''عہد'' میں داخل ہو گئے اور وہی فتح مکہ کا سبب بنے' جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

کمزور مسلمانوں کے قضیے کا حل

رہے وہ مسلمان جو مکہ میں تعذیب کا شکار تھے' تو ان میں سے ابو بصیر نامی ایک صاحب چھوٹ کر مدینہ بھاگ آئے۔ قریش نے ان کی واپسی کے لیے نبی ﷺ کے پاس دو آدمی بھیجے۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۲۷۱۳' ۲۷۳۱' ۲۷۳۲' ۲۷۳۳' ۴۱۸۲' ۴۸۹۱' ۵۲۸۸' ۷۲۱۴۔

آپ ﷺ نے انہیں واپس کر دیا۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر ابوبصیر نے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرا بھاگ کر سیدھا نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا' میرا ساتھی قتل کر دیا گیا اور بس میں بھی قتل ہی کیا جانے والا ہوں' اتنے میں ابو بصیر آ گئے۔ نبی ﷺ نے ڈانٹا تو سمجھ گئے کہ پھر واپس کیا جاؤں گا' لہٰذا وہ ساحل سمندر پر جا رہے۔ ادھر ابو جندل بھی چھوٹ کر ابو بصیر سے آن ملے' اس کے بعد قریش کا جو آدمی بھی اسلام لا کر بھاگتا وہ ابو بصیر سے جاملتا' یہاں تک کہ ان کی ایک جماعت اکٹھا ہو گئی۔ اس کے بعد قریش کا جو قافلہ بھی ملک شام جاتا اس سے یہ لوگ ضرور چھیڑ چھاڑ کرتے۔ اس پر حملے کرتے اور اس کا مال چھین لیتے۔ اس سے تنگ آ کر قریش نے نبی ﷺ کو اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دیا کہ انہیں مدینہ بلا لیں۔ اب جو بھی آپ کے پاس آئے گا محفوظ رہے گا۔ چنانچہ آپ نے انہیں مدینہ بلا بھیجا۔ وہ آ گئے اور مشکل حل ہو گئی۔ [1]

صلح کا اثر

اسلامی دعوت کی رفتار پر اس صلح کا بڑا اثر ہوا۔ مسلمانوں کو عام عرب سے ملنے اور انہیں اللہ کی دعوت دینے کا موقع ملا' چنانچہ لوگ بہ کثرت اسلام میں داخل ہوئے اور صرف دو سال میں مسلمانوں کی تعداد اتنی ہو گئی کہ انیس برسوں میں نہیں ہوئی تھی۔ اکابرین قریش' جو قریش کا نچوڑ اور عطر تھے' یعنی عمرو بن عاص' خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ اپنی رغبت اور مرضی سے ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت دیتے ہوئے خدمت نبوی میں حاضر ہوئے' اسلام پر بیعت کی اور اس کی راہ میں جان و مال اور صلاحیت و قدرت سب کچھ صرف کرنے کا وعدہ کر لیا۔ جب یہ لوگ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو ہمارے حوالے کر دیا ہے۔''

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۲۷۳۱' ۲۷۳۲ نیز تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح مسلم' ۲/۱۰۴' ۱۰۶' سیرت ابن ہشام' ۲/۳۰۸' ۳۲۲۔ زادالمعاد' ۲/۱۲۲' ۱۲۷۔ تاریخ عمر بن الخطاب' ابن جوزی' ص: ۳۹' ۴۰۔

بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط

جب رسول اللہ ﷺ قریش سے معاہدہ کر کے اور ان کی طرف سے مطمئن ہو کر حدیبیہ سے واپس تشریف لائے' تو بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان کی دہری ذمہ داری یاد دلائی۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ یہ خطوط نقل کئے جارہے ہیں:

نجاشی شاہ حبشہ کے نام خط اس کا نام اصحمہ بن ابجر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے نام اسے حسب ذیل خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(یہ خط ہے محمد نبی (ﷺ) کی طرف سے نجاشی اصحمہ شاہ حبشہ کی جانب۔)

"اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس نے نہ کسی کو اپنی بیوی بنایا' نہ لڑکا۔ اور (میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ) محمد (ﷺ) اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اور میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں' کیونکہ میں اس کا رسول ہوں' للہذا اسلام لاؤ' سلامت رہو گے۔

"اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے' (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض' بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔"

اگر تم نے یہ دعوت قبول نہ کی تو تم پر اپنی قوم کے نصاریٰ کا گناہ ہے۔"[1]

---

[1] دلائل النبوہ' للبیہقی' ۳۰۸/۲۔ مستدرک حاکم' ۶۲۳/۲۔

یہ خط آپ ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ روانہ کیا۔ نجاشی نے جب اسے لیا تو اپنی آنکھوں پر رکھا اور تخت سے نیچے اتر آیا اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا اور نبی ﷺ کو اپنے اسلام اور بیعت کے متعلق خط لکھا[1] اور ام المؤمنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کی شادی نبی ﷺ سے کر دی اور انہیں اپنی طرف سے چار سو دینار مہر دیا' پھر انہیں اور مہاجرین حبشہ کو عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ دو کشتیوں میں روانہ کر دیا اور وہ انہیں لے کر اس وقت پہنچے جب نبی ﷺ خیبر میں تھے۔[2]

اس نجاشی نے رجب ۹ ہجری میں وفات پائی اور نبی ﷺ نے اس کی وفات ہی کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی موت کی اطلاع دی اور اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔[3] اس کی وفات کے بعد دوسرا بادشاہ اس کا جانشین ہوا' تو آپ نے اس کے پاس بھی ایک خط روانہ فرمایا اور اسے اسلام کی دعوت دی'[4] لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس نے اسلام قبول کیا یا نہیں۔

مقوقس شاہ اسکندریہ و مصر کے نام خط | نبی ﷺ نے اس کے نام جو خط لکھا وہ یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے مقوقس سربراہ قبط کی جانب)

اس پر سلام' جو ہدایت کی پیروی کرے' امابعد!

"میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔ اسلام لاؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا' لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہل قبط کا بھی گناہ ہو گا۔"

"اور اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر

---

[1] زادالمعاد' ۶۱/۳۔

[2] سیرت ابن ہشام' ۳۵۹/۲۔

[3] اس کی وفات و جنازے کی حدیث صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے۔ دیکھئے حدیث: ۱۲۴۵' ۱۳۱۷' ۱۳۱۸' ۱۳۲۰' ۱۳۲۷' ۱۳۲۸' ۱۳۳۳' ۱۳۳۴' ۳۸۷۷' ۳۸۷۸' ۳۸۷۹' ۳۸۸۰۔

[4] یہ بات صحیح مسلم' ۹۹/۲ حضرت انس کی روایت سے اخذ ہو سکتی ہے۔

ہے' (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض' بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔" (۱)

یہ خط آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ انہوں نے مقوقس سے گفتگو کی اور اسے خط پہنچایا۔ مقوقس نے ان کی عزت افزائی کی اور خط ہاتھی دانت کے ایک ڈبے میں رکھ کر اس پر مہر لگائی اور اسے محفوظ کر لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب لکھا اور اس میں اقرار کیا کہ "ایک نبی باقی رہ گیا ہے اور میں سمجھتا تھا کہ وہ ملک شام سے نکلے گا۔" لیکن وہ مسلمان نہیں ہوا۔ تحفے میں ماریہ اور سیرین دو لونڈیاں بھیج دیں جن کا قبط میں بڑا مقام تھا۔ کچھ کپڑے اور ایک خچر بھی ہدیہ کیا' جس کا نام دُلدُل تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ کو اپنے لئے اور دُلدُل کو اپنی سواری کے لئے منتخب فرمایا اور سیرین کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے ہبہ کر دیا۔ (۲)

خسرو پرویز شاہ فارس کے نام خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے کسریٰ' والیٔ فارس کی جانب)

"اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں' کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اس کا فرستادہ ہوں' تاکہ جو شخص زندہ ہے اسے انجام بد سے ڈرایا جائے اور کافروں پر حق بات ثابت ہو جائے۔ (یعنی حجت

---

(۱) زاد المعاد ۶۱/۳' ڈاکٹر حمید اللہ نے اس خط کا فوٹو شائع کیا ہے۔ صرف ایک حرف اور ایک لفظ کا فرق ہے۔ دیکھئے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیاسی زندگی' ص: ۱۳۶' ۱۳۷۔

(۲) زاد المعاد' ۶۱/۳ وغیرہ۔

تمام ہو جائے) پس تم اسلام لاؤ' سالم رہو گے اور اگر اس سے انکار کیا تو تم پر مجوس کا بار گناہ ہو گا۔"

یہ خط آپ نے عبداللہ بن حُذافہ رضی اللہ عنہ کے ذریعہ بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ اسے "عظیم بحرین" کے حوالہ کر دیں۔ اور سربراہ بحرین اسے کسریٰ کے حوالے کرے گا۔ جب یہ خط کسریٰ کے سامنے پڑھا گیا' تو اس نے اسے چاک کر دیا [1] اور کہا "میری رعایا میں سے ایک حقیر غلام اپنا نام مجھ سے پہلے لکھتا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا "اللہ اس کی بادشاہت کو پارہ پارہ کرے۔" اور پھر وہی ہوا' جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس کے لشکر نے رومیوں کے سامنے بدترین شکست کھائی۔ پھر خسرو کے بیٹے شیرویہ نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کر کے بادشاہت پر قبضہ کر لیا۔ پھر وہاں افتراق وانتشار کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا تاآنکہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی لشکر نے اس ملک پر قبضہ کر لیا اور یہ بادشاہت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔

قیصر شاہ روم کے نام خط اس کے نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے ہرقل سربراہ روم کی طرف)

"اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تم اسلام لاؤ' سالم رہو گے۔ اسلام لاؤ' اللہ تمہیں تمہارا اجر دوبار دے گا اور اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر اریسیوں (رعایا) کا (بھی) گناہ ہو گا۔"

"اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۶۴' ۲۹۳۹' ۴۴۲۴' ۷۲۶۴۔

شریک نہ کریں اور اللہ کے سوا ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ پس اگر یہ لوگ رخ پھیریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔"

آپ نے یہ خط حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ یہ خط "عظیم بُصریٰ" کے حوالے کر دیں اور وہ اسے قیصر کے پاس پہنچائے گا۔ قیصر اس وقت اس بات پر اللہ کا شکر بجا لانے کے لئے حمص سے پیدل چل کر بیت المقدس آیا تھا کہ اللہ نے اسے اہل فارس پر فتح و نصرت عطا کی ہے۔ جب یہ خط اسے ملا تو اس نے اپنے ہرکارے دوڑائے کہ عرب کا کوئی ایسا آدمی لائیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتا ہو۔ انہیں ابو سفیان کی سربراہی میں قریش کا ایک قافلہ مل گیا۔ انہوں نے قافلے کو ہرقل کے پاس حاضر کیا۔ ہرقل نے انہیں اپنے دربار میں بلایا' اس وقت روم کے بڑے بڑے لوگ اس کے گرداگرد موجود تھے۔ اس نے پوچھا کہ نسب کے لحاظ سے کون شخص آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیادہ قریب ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ابو سفیان' ہرقل نے ابو سفیان کو اپنے قریب کیا اور بقیہ لوگوں کو اس کے پیچھے بٹھایا اور کہا میں اس سے اس شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں پوچھوں گا' اگر یہ جھوٹ بولے تو تم اسے جھٹلا دینا۔ اس پر ابو سفیان کو شرم آئی کہ جھوٹ بولے' اس کے بعد ہرقل اور ابو سفیان میں یہ گفتگو ہوئی۔

ہرقل : تم لوگوں میں اس کا نسب کیسا ہے؟

ابو سفیان : "وہ اونچے نسب والا ہے۔"

ہرقل : "تو کیا یہ بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی تھی؟"

ابو سفیان : "نہیں۔"

ہرقل : "کیا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟"

ابوسفیان : "نہیں۔"

ہرقل : "اچھا تو بڑے لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے یا کمزوروں نے؟"

ابوسفیان : "کمزوروں نے۔"

ہرقل : "یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟"

ابو سفیان : "بڑھ رہے ہیں۔"

ہرقل : "تو کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص اس دین سے برگشتہ ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟"

ابو سفیان : "نہیں۔"

ہرقل : تو کیا جو بات اس نے اب کہی ہے' اس سے پہلے تم اسے جھوٹ کا الزام دیتے تھے؟"

ابو سفیان : "نہیں۔"

ہرقل : "کیا وہ بدعہدی بھی کرتا ہے؟"

ابو سفیان : "نہیں۔" (اور یہاں ابو سفیان کو ایک مشکوک بات کہنے کا موقع ملا۔ چنانچہ اس نے مزید کہا) البتہ ہم لوگ اس وقت اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں' معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرے گا؟"

ہرقل : "کیا تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟"

ابو سفیان : "جی ہاں۔"

ہرقل : "تو تمہاری اور اس کی جنگ کیسی رہی؟"

ابو سفیان : "جنگ ہمارے اور اس کے درمیان ڈول ہے۔ وہ ہمیں زک پہنچالیتا ہے اور ہم اسے زک پہنچالیتے ہیں۔"

ہرقل : "وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟"

ابو سفیان : "وہ کہتا ہے صرف اللہ کی عبادت کرو' اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو' تمہارے باپ دادا جو کچھ کہتے تھے اسے چھوڑ دو۔ اور وہ ہمیں نماز' سچائی' پرہیزگاری' پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔"

اس کے بعد ہرقل نے اس گفتگو پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

- تم نے بتایا کہ وہ اونچے نسب والا ہے' تو دستور یہی ہے کہ پیغمبر اپنی قوم کے اونچے نسب سے بھیجے جاتے ہیں۔

- اور تم نے بتایا کہ اس سے پہلے تم میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی' تو میں کہتا ہوں کہ اگر ایسا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقل کر رہا ہے' جو اس سے پہلے کہی جا چکی ہے۔
- اور تم نے بتایا کہ اس کے باپ دادوں میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے باپ دادوں میں اگر کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو یہ شخص اپنے باپ دادا کی بادشاہت طلب کر رہا ہے۔
- اور تم نے بتایا کہ جو بات اس نے کہی ہے' اس سے پہلے تم لوگ اس پر جھوٹ کا الزام نہیں لگاتے تھے' تو میں نے یہ جان لیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں سے تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ کے معاملے میں جھوٹ بولے۔
- اور تم نے یہ بھی بتایا کہ کمزور لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ پیغمبروں کے پیروکار ہوتے ہیں۔
- اور تم نے بتایا کہ یہ لوگ زیادہ ہو رہے ہیں اور ایمان کا معاملہ ایسا ہی ہے' یہاں تک کہ وہ مکمل ہو جائے۔
- اور تم نے بتایا کہ ان میں سے کوئی آدمی مرتد نہیں ہوتا اور حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی بشاشت جب دلوں میں گھر کر جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔
- اور تم نے بتایا کہ وہ بد عہدی نہیں کرتا اور پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں کہ وہ بد عہدی نہیں کرتے۔
- اور تم نے بتایا کہ وہ تمہیں صرف اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانے کا حکم دیتا ہے۔ بت پرستی سے منع کرتا ہے اور نماز' سچائی' پرہیز گاری اور پاکدامنی کا حکم دیتا ہے۔
- تو جو کچھ تم نے بتایا ہے' اگر وہ برحق ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان دونوں قدموں کی جگہ کا مالک ہو جائے گا۔ اور میں جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے' لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا۔ اور اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس پہنچ

سکوں گا' تو اس سے ملاقات کی زحمت اٹھاتا اور اگر اس کے پاس ہوتا تو اس کے دونوں پاؤں دھوتا۔

اس کے بعد ہرقل نے آپ کا خط منگوا کر پڑھا' تو آوازیں بلند ہو گئیں اور بہت شور مچا۔ چنانچہ اس نے ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کو باہر کرا دیا۔ باہر آ کر ابو سفیان نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''ابو کبشہ کے بیٹے کا معاملہ بہت زور پکڑ گیا۔ اس سے تو بنو اصفر (رومیوں) کا بادشاہ ڈرتا ہے۔''

اس کے بعد ابو سفیان کو پختہ یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب آ کر رہے گا' یہاں تک کہ اللہ نے اسے اسلام کی توفیق دی۔

ہرقل نے نامہ بر حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو مال اور پارچہ جات سے نوازا اور پھر حمص واپس چلا گیا۔ وہاں ایک بڑے ہال میں عظماء روم کو باریابی بخشی اور اس کے دروازے بند کر دیئے۔

پھر کہا ''اے جماعت روم! کیا تم لوگ فلاح ورشد چاہتے ہو؟ اور یہ چاہتے ہو کہ تمہاری بادشاہت برقرار رہے؟ تو اس نبی کی پیروی کر لو۔''

اس پر وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح بدک کر دروازوں کی طرف بھاگے' مگر دروازوں کو بند پایا۔

ادھر قیصر نے ان کی نفرت دیکھی تو کہا ''انہیں میرے پاس پلٹا لاؤ۔''

پھر ان سے کہا: ''میں نے جو بات کہی تھی' اس سے تمہارے دین میں تمہاری پختگی آزما رہا تھا' جسے میں نے دیکھ لیا۔'' اس پر ان عظماء نے اسے سجدہ کیا اور اس سے خوش ہو گئے۔ [1]

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیصر نے نبی ﷺ کو اور آپ کی نبوت کی سچائی کو پوری طرح جان اور پہچان لیا تھا' لیکن بادشاہت کی محبت غالب آ گئی اور وہ اسلام نہ لایا' چنانچہ اپنا گناہ بھی اٹھایا اور اپنی رعایا کا بار گناہ بھی۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے نامہ مبارک میں تحریر فرمایا تھا۔

---

[1] اس خط اور اس ساری تفصیل کے لیے دیکھئے صحیح بخاری' حدیث: ۷' ۲۹۴۰' ۲۹۴۱' ۴۵۵۳' صحیح مسلم' ۲/۹۷' ۹۹۔

ادھر دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ مدینہ سے واپس آتے ہوئے ''حسمی'' سے گزرے تو بنو جذام کے لوگوں نے ان پر ڈاکہ ڈال کر سب کچھ لوٹ لیا اور ان کے پاس کچھ بھی نہ چھوڑا۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی' تو آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں پانچ سو سوار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستہ روانہ کیا۔ انہوں نے شبخون مار کر لوگوں کو قتل کیا اور غنیمت میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ سو بکریاں حاصل کیں اور ایک سو عورتوں اور بچوں کو قید کیا۔

اس واقعہ پر قبیلہ جذام کے ایک سردار حضرت زید بن رفاعہ جذامی رضی اللہ عنہ جھٹ پٹ مدینہ آئے۔ وہ اور ان کی قوم کے کچھ لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور جب حضرت دحیہ پر ڈاکہ پڑا تھا' تو انہوں نے دحیہ کی مدد بھی کی تھی' لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت اور قیدی انہیں واپس کر دیئے۔[1]

حارث بن ابی شمر غسانی کے نام خط

یہ قیصر کی طرف سے دمشق کا امیر تھا۔ اس کے نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط لکھا وہ یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حارث بن ابی شمر کی جانب)

''اس پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے' اور اللہ پر ایمان لائے اور تصدیق کرے۔ میں تجھے دعوت دیتا ہوں کہ ''اللہ وحدہ لا شریک لہ'' پر ایمان لا! تیرے لئے تیرا ملک باقی رہے گا۔''

یہ خط آپ نے شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ یہ اسد خزیمہ کی طرف منسوب ہیں۔ حارث نے یہ خط پڑھا تو اسے پھینک دیا اور کہا کہ:

''کون ہے جو مجھ سے میرا ملک چھینے گا؟

پھر مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کرنے لگا اور حضرت ابن وہب سے کہا کہ ''جو کچھ دیکھ رہے ہو اپنے صاحب کو اس کی خبر کر دینا۔''

---

[1] زاد المعاد' ۲/۱۲۲۔

اور قیصر سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ کی اجازت چاہی' مگر قیصر نے اس کو اس عزم سے باز رکھا۔ اس کے بعد اس نے شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو کپڑے اور مال سے نوازا' اور اچھائی کے ساتھ واپس کیا۔ [1]

امیر بُصریٰ کے نام خط اس خط میں نبی ﷺ نے "امیر بصریٰ" کو اسلام کی دعوت دی اور اسے حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بھیجا۔ حضرت حارث جنوبی اردن میں علاقہ بلقاء کے ایک مقام موتہ میں پہنچے' تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کا سامنا کیا اور ان کی گردن مار دی۔

قاصدوں کے سلسلے میں یہ سب سے سخت ظالمانہ قدم تھا۔ ان کے سوا نبی ﷺ کا کوئی قاصد قتل نہیں کیا گیا۔ نبی ﷺ نے اس پر سخت غم وغصے کا اظہار فرمایا اور یہی غزوۂ موتہ کا سبب بنا' جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

ہوذہ بن علی' صاحب یمامہ کے نام خط نبی ﷺ نے اس کے پاس یہ خط لکھا:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

(محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے ہوذہ بن علی کی جانب)

"اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میرا دین اونٹوں اور گھوڑوں کی رسائی کی آخری حد تک غالب آکر رہے گا' لہٰذا اسلام لاؤ' سالم رہو گے اور تمہارے ماتحت جو کچھ ہے اسے تمہارے لئے برقرار رکھوں گا۔"

یہ خط آپ نے سلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ ہوذہ نے ان کی عزت کی' انہیں انعام سے نوازا' ہجر کے کپڑے دیئے اور جواب میں لکھا:

"آپ جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس کی بہتری اور عمدگی کا کیا پوچھنا اور میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب ہوں اور عرب پر میری ہیبت بیٹھی ہوئی ہے' اس لئے کچھ کارپردازی میرے ذمہ کردیں۔ میں آپ کی پیروی کروں گا۔"

---

[1] زاد المعاد' ۳/ ۶۳۔ تاریخ الخضری' ۱/ ۱۴۶۔

یہ خط رسول اللہ ﷺ کو ملا تو آپ نے فرمایا "اگر وہ مجھ سے زمین کا ایک ٹکڑا بھی مانگے گا تو اسے نہ دوں گا۔ وہ خود بھی تباہ ہو گا اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ بھی تباہ ہو گا۔"

جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے واپس تشریف لائے تو اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ [1]

منذر بن ساوی حاکم بحرین کے نام خط اس خط میں آپ ﷺ نے منذر کو اسلام کی دعوت دی اور اسے علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ منذر مسلمان ہو گیا۔ کچھ اہل بحرین بھی مسلمان ہو گئے۔ جبکہ کچھ دوسرے اپنے دین یہودیت اور مجوسیت پر برقرار رہے۔ منذر نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر لکھی اور اس کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے اسے لکھا کہ:

"مسلمان جس حال پر ایمان لائے ہیں' انہیں اسی حال پر چھوڑ دو اور یہود اور مجوس سے جزیہ لو اور تم جب تک درست راہ پر رہو گے' ہم تمہیں تمہارے عہد سے معزول نہ کریں گے۔" [2]

شاہان عمان جیفر اور اس کے بھائی کے نام خط ان کے نام نبی ﷺ کا خط یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جلندی کے دونوں صاحبزادے جیفر اور عبد کے نام)

"اس شخص پر سلام جو ہدایت کی پیروی کرے' امابعد!

"میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں' اسلام لاؤ' سالم رہو گے' کیونکہ میں تمام انسانوں کی جانب اللہ کا رسول ہوں' تاکہ جو زندہ ہے اسے انجام کے خطرے سے آگاہ کر دوں اور کافروں پر سچی بات واضح ہو جائے۔ اگر تم دونوں اسلام کا اقرار کر لو گے' تو تم دونوں ہی کو والی اور حاکم بناؤں گا اور اگر تم دونوں نے اسلام کا اقرار کرنے سے گریز کیا' تو تمہاری بادشاہت ختم ہو جائے گی۔ تمہاری زمین پر گھوڑوں کی یلغار ہو گی اور تمہاری بادشاہت پر میری نبوت غالب آ جائے گی۔"

---

[1] زادالمعاد' ۳/ ۶۳۔ [2] زادالمعاد' ۳/ ۶۱' ۶۲۔

یہ خط آپ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ آپ جب عمان تشریف لے گئے' تو عبد بن جلندی سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ عبد نے پوچھا "تم کس کی دعوت دیتے ہو؟"

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا "ہم اللہ کی طرف بلاتے ہیں' جو تنہا ہے' جس کا کوئی شریک نہیں اور ہم کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ جس کی پوجا کی جاتی ہے اسے چھوڑ دو اور یہ گواہی دو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

پھر قدرے گفتگو کے بعد عبد نے پوچھا "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کس بات کا حکم دیتے ہیں؟

حضرت عمرو نے کہا "آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور نافرمانی سے روکتے ہیں۔ نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں' ظلم وزیادتی' زناکاری وشراب نوشی اور پتھر' بت اور صلیب کی عبادت سے منع کرتے ہیں۔"

عبد نے کہا "یہ کتنی اچھی بات ہے' جس کی طرف بلاتے ہیں' اگر میرا بھائی بھی اس بات پر میری پیروی کرتا تو ہم لوگ سوار ہو کر چل پڑتے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق کرتے' لیکن میرا بھائی اپنی بادشاہت کا اس سے کہیں زیادہ حریص ہے کہ اسے چھوڑ کر کسی کا تابع فرمان بن جائے۔"

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا "اگر تمہارا بھائی اسلام قبول کر لے' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قوم پر اس کی بادشاہت برقرار رکھیں گے' البتہ ان کے مالداروں سے صدقہ لے کر فقیروں میں بانٹیں گے۔"

عبد نے کہا "یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔" پھر پوچھا کہ "صدقہ کیا ہے؟"

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے تفصیل بتائی' جب مویشیوں کا ذکر کیا' تو اس نے کہا "میں نہیں سمجھتا کہ میری قوم اس کو مان لے گی۔"

پھر عبد نے حضرت عمرو بن عاص کو اپنے بھائی جیفر کے پاس پہنچایا' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس کو خط دیا۔ اس نے خط پڑھا' پھر اپنے بھائی کے حوالے کر دیا اور عمرو سے پوچھا کہ "قریش نے کیا کیا؟"

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ "وہ مسلمان ہو گئے ہیں"
اور یہ بھی کہا "اگر وہ اسلام لائے تو سالم رہے گا ورنہ شہسوار اس کو روندیں گے اور اس کی ہریالی کا صفایا کر دیں گے۔"
جیفر نے کل تک کے لئے اپنا معاملہ مؤخر کر دیا۔ کل ہوئی تو قوت وطاقت کا مظاہرہ کیا' لیکن پھر اپنے بھائی سے تنہائی میں مشورہ کیا اور اس کے دوسرے دن دونوں بھائی مسلمان ہو گئے اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو صدقہ وصول کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا اور جس کسی نے ان کی مخالفت کی اس کے خلاف مددگار ثابت ہوئے۔ [۱]

❁ عبد اور جیفر کے پاس یہ خط فتح مکہ کے بعد بھیجا گیا۔ جب کہ بقیہ خطوط' حدیبیہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد بھیجے گئے تھے۔

---

[۱] زاد المعاد' ۳/ ۶۲' ۶۳۔

❁ ❁ ❁

غزوۂ غابہ یا غزوۂ ذی قرد

محرم ۷ ہجری

حدیبیہ کی صلح میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ دس سال جنگ بند رہے گی۔ اس کی بدولت رسول اللہ ﷺ جزیرۃ العرب میں اپنے سب سے بڑے دشمن قریش سے مطمئن ہو کر مکر و دغا' غداری وبدعہدی اور گروہوں کو بھڑکانے کے لحاظ سے سب سے گندے دشمن یہود سے حساب چکانے کے لئے فارغ ہو چکے تھے۔ یہود' خیبر اور اس کے شمال میں آباد تھے۔ نبی ﷺ ان کی طرف نکلنے کی تیاری فرما رہے تھے کہ ایک ہلکا سا حادثہ پیش آگیا' جسے "غزوۂ غابہ" کہتے ہیں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اونٹ "احد" کے اطراف میں غابہ کے اندر چرنے کے لئے بھیج رکھے تھے۔ ساتھ میں آپ کا غلام رَباح' اونٹوں کا چرواہا اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت سلمہ کے ساتھ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا بھی تھا۔ اچانک عبدالرحمان بن عیینہ فزاری نے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور چرواہے کو قتل کر کے سارے اونٹ ہانک لے گیا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنا گھوڑا رباح کو دیا کہ وہ جلدی سے مدینہ جاکر حادثے کی اطلاع دیں اور خود ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف چہرہ کیا اور تین بار نہایت بلند آواز سے پکارا: ((يَا صَبَاحَاهُ!)) "ہائے صبح کا حملہ!"

پھر حملہ آوروں کے پیچھے چل نکلے۔ وہ تیر برسا رہے تھے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے:

خُذْهَا، أَنَا ابْنُ الأَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ

"یہ لے! میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کا دن کمینے کی ہلاکت کا دن ہے۔"

غرض وہ مسلسل تیر برساتے اور زخمی کرتے رہے۔ جب دشمن کا کوئی سوار پلٹ کر آتا تو وہ کسی درخت کی اوٹ میں بیٹھ جاتے اور تیر مارتے' پھر دشمن پہاڑ کے ایک تنگ راستے

میں داخل ہوا تو یہ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے اور اس پر پتھر لڑھکانے لگے۔ یوں اس کا پیچھا کیے رکھا' یہاں تک کہ اس نے سارے اونٹ چھوڑ دیئے' لیکن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے پھر بھی اس کا پیچھا کیے رکھا اور اس کو تیر مارتے رہے' یہاں تک کہ بوجھ کم کرنے کے لئے اس نے تیس چادریں اور تیس نیزے پھینک دیئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ان پر (بطور نشان) تھوڑے تھوڑے پتھر ڈالتے گئے' تاکہ انہیں پہچان لیا جائے۔

پھر وہ لوگ گھاٹی کے ایک تنگ موڑ پر بیٹھ گئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بھی ایک چوٹی پر جا بیٹھے یہ دیکھ کر ان کے چار آدمی چڑھ کر حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی طرف آئے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں سلمہ بن اکوع ہوں۔ تم میں سے جس کسی کو دوڑاؤں گا' بے دھڑک پالوں گا اور جو کوئی مجھے دوڑائے گا' ہرگز نہ پاسکے گا۔"

یہ سن کر وہ سب واپس چلے گئے۔

کچھ دیر بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں کو دیکھا کہ وہ درختوں کے درمیان سے چلے آرہے تھے۔ آگے اخرم تھے' پھر ابو قتادہ' پھر مقداد' رضی اللہ عنہم ۔ حضرت اخرم اور عبد الرحمٰن میں ٹکر ہوئی' اخرم نے عبد الرحمٰن کے گھوڑے کو زخمی کیا' لیکن عبد الرحمٰن نے انہیں نیزہ مار کر قتل کر دیا اور ان کے گھوڑے پر پلٹ آیا مگر اتنے میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ' عبد الرحمٰن کے سر پر جا پہنچے اور اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ دشمن کے باقی آدمی بھاگ کھڑے ہوئے اور انہیں ان سواروں نے جا کھدیڑا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ پیدل دوڑ رہے تھے۔ سورج ڈوبنے سے کچھ پہلے دشمن ایک گھاٹی میں پہنچا' جس میں "ذی قرد" نام کا ایک چشمہ تھا۔ دشمن پیاسا تھا' اور پانی پینا چاہتا تھا' لیکن حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ نے تیر مار کر اسے پرے رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور شہسوار صحابہ دن ڈوبنے کے بعد حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے کہا "یارسول اللہ! یہ سب پیاسے تھے' اگر آپ مجھے سو آدمی دے دیں تو میں ان کے جانوروں سمیت ان کی گردنیں پکڑ لاؤں"

آپ نے فرمایا "اکوع کے صاحبزادے! تم قابو پا گئے۔ اب نرمی برتو۔"

پھر آپ نے فرمایا ”اس وقت بنو غطفان میں ان کی مہمان نوازی کی جارہی ہے۔“

اس غزوے میں آپ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو پیدل اور سوار دونوں کے حصے دیئے اور ”عضباء“ اونٹنی پر انہیں اپنے پیچھے بٹھایا اور فرمایا کہ ”آج ہمارے بہترین سوار ابو قتادہ اور بہترین پیادہ سلمہ ہیں۔“

یہ غزوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیبر روانگی سے صرف تین روز پہلے پیش آیا۔ اس غزوے کے دوران میں آپ نے مدینہ کا انتظام حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو سونپا اور پرچم حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو دیا۔ [1]

---

[1] صحیح بخاری، حدیث: ۴۱۹۴، ۳۰۴۱۔ صحیح مسلم، باب غزوۃ ذی قرد وغیرھا ۲/ ۱۱۳، ۱۱۵، نیز کتاب الحج، حدیث: ۴۷۵ (۱۳۷۴) ۲/ ۱۰۰۱، فتح الباری، ۷/ ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۳۔ زاد المعاد، ۲/ ۱۲۰۔

غزوۂ خیبر

محرم ۷ ہجری

محرم ۷ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے خیبر کا قصد فرمایا۔ اس موقع پر ان لوگوں نے بھی اجازت چاہی' جو حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ:

"آپ کے ساتھ وہی آدمی روانہ ہو' جسے جہاد کی خواہش ہے۔ رہا مال غنیمت' تو اس میں سے کچھ نہ ملے گا۔"

نتیجہ یہ ہوا کہ بیعت رضوان والے چودہ سو افراد کے سوا کوئی نہ نکلا۔

آپ نے مدینہ کا انتظام سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو سونپا' [1] پھر خیبر جانے والے معروف کاروانی راستہ پر چل پڑے۔ تقریباً آدھا راستہ طے کر لینے کے بعد آپ نے ایک دوسرا راستہ منتخب فرمایا' جو ملک شام کی جانب سے خیبر پہنچاتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح یہودیوں کے ملک شام بھاگنے کا راستہ بند کر دیں۔

آپ نے آخری رات خیبر کے قریب گزاری' مگر یہود بے خبر رہے۔ پھر صبح فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی اور سوار ہو کر خیبر کی آبادی کا رخ کیا۔ ادھر یہود بے خبری میں اپنے پھاوڑے اور ٹوکریاں وغیرہ لے کر اپنی زمینوں میں نکلے' تو اچانک لشکر دیکھ کر چیختے ہوئے بھاگے کہ "واللہ! محمد (ﷺ) لشکر سمیت آگئے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

"اللہ اکبر! خیبر تباہ ہوا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر پڑتے ہیں' تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو جاتی ہے۔" [2]

---

[1] زادالمعاد' ۲/۱۳۳۔ فتح الباری' ۷/۴۶۵۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۳۷۱ اور اس کے اطراف اور ۴۱۹۷' ۴۱۹۸۔

خیبر مدینہ سے ۱۷۱ کلو میٹر شمال میں ہے۔ اس وقت اس کی آبادی تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی: ایک نطاۃ دوسرے کتیبہ' تیسرے شق۔

''نطاۃ'' میں تین قلعے تھے: حصن ناعم' حصن صعب بن معاذ' حصن قلعۃ الزبیر۔

''شق'' میں دو قلعے تھے۔ حصن ابی' حصن نزار۔

اور ''کتیبہ'' میں تین قلعے تھے۔ حصن قموص' حصن وطیح' حصن سلالم۔

ان کے علاوہ خیبر میں مزید قلعے اور گڑھیاں بھی تھیں' مگر وہ چھوٹی تھیں اور قوت وحفاظت میں ان قلعوں کے ہم پلہ نہ تھیں۔

نطاۃ کی فتح

رسول اللہ ﷺ نے ''نطاۃ'' کے قلعوں کے مشرق میں تیروں کی پہنچ سے دور پڑاؤ ڈالا اور ''حصن ناعم'' کے محاصرے سے جنگ کا آغاز کیا۔ یہ بہت محفوظ' بلند اور مشکل چڑھائی والا قلعہ تھا اور یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی میں ان کا شہ زور بہادر مرحب بھی تھا' جو ہزار مرد کے برابر مانا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ چند روز فریقین میں تیر اندازی ہوئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فتح کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

''کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا' جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں۔''

یہ سن کر انصار ومہاجرین سب نے اسی آرزو کے ساتھ رات گزاری کہ جھنڈا اسے دیا جائے' صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا ''علی کہاں ہیں؟''

صحابہ نے کہا ''ان کی آنکھ آئی ہوئی ہے۔''

آپ ﷺ نے انہیں بلا بھیجا اور وہ لائے گئے۔ آپ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی' وہ شفایاب ہو گئے۔ گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر انہیں جھنڈا دیا اور فرمایا کہ:

''جنگ سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دو۔'' [1]

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۴۲۱۰۔

ادھر یہود نے اپنی عورتیں اور بچے "شق" کے قلعہ میں منتقل کر دیئے تھے اور اسی صبح طے کیا تھا کہ کھلے میدان میں جنگ کریں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے تو انھیں جنگ کے لئے بالکل تیار پایا۔ آپ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے صاف صاف انکار کر دیا اور مرحب نے اپنی تلوار لے کر نازو تکبر سے اٹھلاتے ہوئے دعوت مبارزت دی' وہ کہتا تھا:

قَــدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ   شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ
إِذَا الْحُرُوْبُ أَقْبَلَتْ تُلَهَّبُ

"خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں' ہتھیار پوش' بہادر اور تجربہ کار' جب جنگ وپیکار شعلہ زن ہو۔"

اس کے مقابل حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے' وہ کہہ رہے تھے:

قَــدْ عَلِـمَتْ خَيْبَـرُ أَنِّي عَامِرُ   شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُغَامِرُ

"خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں' ہتھیار پوش' شہ زور اور جنگ جو۔"

پھر دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیا۔ مرحب کی تلوار حضرت عامر کی ڈھال میں پھنس گئی اور حضرت عامر نے چاہا کہ اپنی تلوار سے یہودی کی پنڈلی مار دیں' مگر ان کی تلوار چھوٹی تھی۔ اس کی پنڈلی تک پہنچنے کے بجائے پلٹ کر حضرت عامر کے گھٹنے میں آلگی اور بعد میں وہ اسی چوٹ سے انتقال کر گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا کہ:

"ان کے لئے دوگنا اجر ہے' وہ بڑے جانباز مجاہد تھے' کم ہی ان جیسا کوئی عرب روئے زمین پر چلا ہوگا۔"

اب مرحب کے مد مقابل حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے' وہ یہ رجز کہہ رہے تھے:

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِيْ أُمِّيْ حَيْدَرَهْ   كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَهْ
أُوْفِيْهِمِ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

"میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح خوفناک۔ میں انہیں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کردوں گا۔"

اس کے بعد مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ (1) پھر مرحب کے بھائی یاسر نے نکل کر دعوت مبارزت دی۔ اس کے مقابل زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے اور اسے اس کے بھائی کے پاس پہنچا دیا۔ اس کے بعد گھمسان کا رن پڑا اور کئی یہودی مارے گئے' جس سے ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور وہ اپنے مورچے چھوڑ کر بھاگ نکلے' مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور بزور قلعہ میں داخل ہو گئے۔ یہود نے بھاگ کر اس سے متصل ''حصن الصعب'' میں مورچہ بندی کی۔ مسلمانوں کو ''حصن ناعم'' میں بہت سا غلہ' کھجور اور ہتھیار ہاتھ آئے۔

اس کے بعد مسلمانوں نے حضرت حباب بن منذر کی زیر قیادت ''حصن صعب'' کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ تین دن جاری رہا۔ تیسرے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح و غنیمت کی دعا کی۔ پھر مسلمانوں کو حملے کی دعوت دی۔ مسلمانوں نے شدت کا حملہ کیا۔ جنگ و مبارزت پیش آئی اور گھمسان کا رن پڑا' جو یہود کی شکست پر ختم ہوا اور مسلمانوں نے سورج ڈوبنے سے پہلے فتح کر لیا۔ یہاں غنیمت میں بہت سا غلہ ہاتھ آیا۔ اس قلعے میں سب سے زیادہ خوراک اور چربی تھی (2) اور یہ مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ کار آمد قلعہ تھا۔ مسلمان اس سے پہلے سخت بھوک کا شکار تھے' چنانچہ بہت سے لوگوں نے گدھے ذبح کر دیئے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا گوشت کھانے سے منع کر دیا۔ چنانچہ آپ کے حکم سے ہانڈیاں' جو آگ پر چڑھی تھیں اور جن میں یہ گوشت پک رہا تھا' الٹ دی گئیں۔ (3)

یہود نے یہاں سے بھاگ کر قلعۃ الزبیر میں پناہ لی اور وہاں قلعہ بند ہو گئے۔ یہ ''نطاۃ'' کا تیسرا اور آخری قلعہ تھا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس کا بھی محاصرہ کر لیا۔ چوتھے دن

---

(1) صحیح بخاری' حدیث: ۴۱۹۶' ۶۱۴۸' ۶۳۳۱' ۶۸۹۱۔ صحیح مسلم' باب غزوۃ خیبر ۱۲۲/۲' باب غزوۃ ذی قرد وغیرہ' ۱۱۵/۲۔

(2) سیرت ابن ہشام' ۳۳۲/۲۔

(3) صحیح بخاری' حدیث: ۴۱۹۸' ۴۱۹۹' ۴۲۱۵' ۴۲۱۶' ۴۲۱۷' ۴۲۱۸' ۴۲۱۹' ۴۲۲۰' ۴۲۲۱' ۴۲۲۲' ۴۲۲۳ ۴۲۲۴' ۴۲۲۶' ۴۲۲۷۔

ایک یہودی نے آکر پانی کی بعض نالیوں کی نشاندہی کر دی' جس سے یہود پانی لیا کرتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں نے یہ نالیاں کاٹ دیں۔ اس پر یہود نے باہر نکل کر سخت لڑائی کی۔ لیکن شکست کھا کر "شق" کی جانب پسپا ہو گئے۔ اور "حصن ابی" میں قلعہ بندی اختیار کر لی۔

شق کی فتح

مسلمانوں نے پیچھا کر کے وہاں بھی ان کا محاصرہ کر لیا۔ چنانچہ وہ نہایت سخت لڑائی کے لئے تیار ہو کر نکلے۔ ان کے ایک بہادر نے نکل کر دعوت مبارزت دی اور مارا گیا۔ پھر دوسرا نکلا اور وہ بھی مارا گیا۔ اسے حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ نے قتل کیا اور اسے قتل کرتے ہی وہ تیزی سے قلعہ میں گھسے اور ان کے ساتھ ہی مسلمان بھی گھس گئے۔ کچھ دیر قلعہ کے اندر لڑائی ہوئی۔ پھر یہود نے راہ فرار اختیار کی اور اس علاقے کے دوسرے اور آخری قلعے "حصن نزار" میں قلعہ بند ہو گئے۔ مسلمانوں کو "حصن ابی" میں بہت سا سامان' بھیڑ بکریاں اور غلہ ہاتھ آیا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے آگے بڑھ کر "حصن نزار" کا محاصرہ کر لیا۔ مگر یہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ جہاں پہنچنے کی کوئی سبیل نہ تھی اور یہاں یہود نے اپنی حفاظت کا بڑا سخت انتظام کیا تھا۔ انہیں تقریباً یقین تھا کہ اس میں مسلمان داخل نہیں ہو سکتے' اس لئے اس میں عورتوں اور بچوں سمیت قیام کیا۔ تیر اور پتھر برسا برسا کر سخت ترین جوابی کاروائی کی۔ جواب میں مسلمانوں نے منجنیق نصب کیا' جس سے ان کے دلوں پر رعب چھا گیا اور وہ کوئی قابل ذکر سختی جھیلے بغیر "کتیبہ" کے علاقے میں بھاگ نکلے' مسلمانوں نے اس قلعے میں تانبے اور مٹی کے برتن پائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "انہیں دھو لو اور ان میں پکاؤ۔"

کتیبہ کی فتح

اس کے بعد مسلمان "قلعہ قموص" کی طرف بڑھے۔ یہ کتیبہ کا پہلا قلعہ تھا۔ چودہ دن یا بیس دن تک اس کا محاصرہ جاری رکھا۔ اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ یہود نے پناہ طلب کر لی [1] اور کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے بزور طاقت قلعہ فتح کیا۔ اور یہود باقی دو قلعے "وطیح" اور "سلالم" کی طرف بھاگے [2] لیکن جب مسلمانوں نے ان

---

[1] یہ واقدی کا قول ہے۔

[2] یہ ابن اسحاق کا قول ہے۔

کے محاصرے کے لئے پیش قدمی کی تو یہود نے اس شرط پر امان طلب کر لی کہ وہ عورتوں اور بچوں سمیت خیبر کی سرزمین سے جلا وطن ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے یہ شرط منظور فرمائی اور یہ بھی اجازت دے دی کہ سونے' چاندی' گھوڑے اور ہتھیار کے علاوہ وہ اپنی سواریوں پر جو کچھ اور جتنا کچھ لاد سکتے ہیں' لے جائیں [1] اور اگر کچھ چھپایا تو ذمہ ختم سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں یا تینوں قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیئے۔ مسلمانوں کو ایک سو زرہیں' چار سو تلواریں' ایک ہزار نیزے اور پانچ سو عربی کمانیں ہاتھ آئیں' تورات کے کچھ صحیفے بھی ملے' لیکن یہ مانگنے والوں کو واپس دے دیئے گئے۔

کنانہ بن ابی الحقیق اور اس کے بھائی نے بدعہدی کی اور بہت سا سونا چاندی اور جواہرات چھپا دیئے' للذا ان سے ذمہ ختم ہو گیا اور بدعہدی کی سزا میں ان دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ حُیَیی بن اخطب کی صاحبزادی حضرت صفیہ کنانہ کے نکاح میں تھیں۔ انھیں قیدیوں میں داخل کر لیا گیا۔ [2]

فریقین کے مقتولین

اس غزوے میں کل ۹۳ یہودی مارے گئے اور مسلمان شہداء کی تعداد ۱۵ یا ۱۶ یا ۱۸ تھی۔

مہاجرین حبشہ' ابوہریرہ اور ابان بن سعید رضی اللہ عنہما کی آمد

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ جو نجاشی کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر گئے تھے' جب وہ مہاجرین حبشہ کو ساتھ لے کر واپس ہوئے' تو ان میں سے ایک جماعت نے خیبر کا رخ کیا' جس میں جعفر بن ابی طالب اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما تھے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو خیبر فتح ہو چکا تھا اور ابھی مال غنیمت تقسیم نہیں ہوا تھا۔ نبی ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا اور فرمایا:

"واللہ میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہے؟ خیبر کی فتح کی یا جعفر کی آمد کی۔" [3]

---

[1] دیکھئے سنن ابی داود' باب ماجاء فی حکم ارض خیبر' ۷۶/۲۔

[2] سیرت ابن ہشام' ۳۳۱/۲' ۳۳۶' ۳۳۷۔ زادالمعاد' ۱۳۶/۲۔

[3] زادالمعاد' ۱۳۹/۲۔

اور جب مال خیبر تقسیم فرمایا تو انہیں بھی مال غنیمت سے حصہ دیا۔ [۱] باقی مہاجرین حبشہ سے، بچوں اور عورتوں سمیت سیدھے مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ [۲]

فتح خیبر کے بعد آپ کی خدمت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے۔ وہ آپ کے خیبر روانہ ہونے کے بعد مدینہ آکر مسلمان ہوئے تھے۔ پھر اجازت لے کر خیبر روانہ ہو گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بھی خیبر کی غنیمت میں سے حصہ دیا۔

فتح خیبر کے بعد آپ کی خدمت میں حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے۔ وہ ایک "سریہ" لے کر نجد تشریف لے گئے تھے اور اپنی مہم پوری کر کے خیبر آگئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے مال غنیمت میں ان کا اور ان کے ساتھیوں کا حصہ نہ رکھا۔ [۳]

خیبر کی تقسیم

جب یہود نے امان حاصل کر لی، تو جلا وطنی سے پہلے ایک نئی تجویز پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمیں اسی سرزمین میں رہنے دیں۔ ہم اس کی دیکھ بھال کریں گے، کیونکہ ہمیں آپ لوگوں سے زیادہ اس کی معلومات ہیں اور پھل اور غلے کی جو پیداوار ہو گی اس کا آدھا آپ ہمیں دے دیں گے۔"

آپ نے اس شرط پر اسے منظور کر لیا کہ آپ جب چاہیں گے، انھیں خیبر سے جلا وطن کر دیں گے۔ چنانچہ اس شرط پر وہ باقی رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں --جب کہ انہوں نے شر اور خبث کی راہ اختیار کر لی تھی-- انھیں جلا وطن کر دیا گیا۔ [۴]

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو چھتیس حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصہ ایک سو حصوں کا مجموعہ تھا۔ اس میں سے نصف یعنی اٹھارہ حصے مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات و حوادث کے لئے الگ کر لئے اور باقی نصف یعنی اٹھارہ حصے اس طرح غازیوں میں تقسیم کئے کہ پاپیادہ کو

---

[۱] صحیح بخاری، حدیث: ۳۱۳۶، ۴۲۳۳۔

[۲] محاضرات خضری ۱/۱۲۸۔

[۳] صحیح بخاری، حدیث: ۴۲۳۸ اور فتح الباری متعلقہ حصہ۔

[۴] صحیح بخاری، حدیث: ۲۳۳۸، ۳۱۵۲۔

ایک حصہ اور گھڑ سوار کو تین حصے دیئے۔ ایک حصہ اس کا اپنا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ اس غزوے میں دو سو شہسوار تھے' انکے چھ حصے ہوئے اور بارہ سو پیدل تھے۔ ان کے بارہ حصے ہوئے۔ [1]

خیبر کھجور اور غلوں سے بھرا پڑا تھا' چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب خیبر فتح ہوا تو ہم نے کہا "اب ہمیں پیٹ بھر کر کھجور ملے گی [2] اور خیبر سے مدینہ واپس آ کر مہاجرین نے انصار کو کھجوروں کے وہ درخت واپس کر دیئے' جو انصار نے بطور امداد انھیں دے رکھے تھے۔" [3]

زہریلی بکری

جب حالات پر سکون ہوئے اور خوف جاتا رہا' تو یہود اپنے خبث پر پلٹ آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی۔ چنانچہ اپنے اکابر میں سے ایک شخص سلام بن مشکم کی بیوی کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زہر آلود بکری ہدیہ کی۔ اسے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بازو پسند ہے' لہٰذا اس نے بازو میں زیادہ زہر ڈالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کا ایک لقمہ لے کر چبایا' پھر اسے تھوک دیا اور فرمایا "کہ یہ زہر آلود بکری ہے"

پھر آپ نے اس عورت سے اور یہود سے دریافت کیا تو انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور کہا کہ: "ہم نے سوچا کہ اگر یہ بادشاہ ہے تو ہم اس سے راحت پا جائیں گے اور اگر نبی ہے تو اسے زہر نقصان نہ پہنچا سکے گا۔"

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اور اس عورت کو معاف کر دیا' لیکن بعد میں بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ اسی زہر کی وجہ سے انتقال کر گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو قصاص میں قتل کرا دیا۔ [4]

---

[1] زاد المعاد' ۲/ ۱۳۷' ۱۳۸۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۴۲۴۲۔

[3] صحیح بخاری' حدیث: ۲۶۳۰۔ [4] صحیح بخاری' حدیث: ۳۱۶۹' ۴۲۴۹' ۵۷۷۷۔ سیرت ابن ہشام' ۲/ ۳۳۷' ۳۳۸۔ زاد المعاد' ۲/ ۱۳۹' ۱۴۰۔

اہل فدک کی سپردگی

فدک، خیبر کے مشرق میں دو دن کے فاصلے پر ایک بستی تھی۔ جو آج کل "حائل" کے علاقے میں "حائط" کے نام سے معروف ہے۔ آپ نے خیبر پہنچ کر محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو "یہود فدک" کے پاس بھیجا کہ انہیں اسلام کی دعوت دیں، مگر انہوں نے تاخیر کی، لیکن جب خیبر کی فتح کا حال سنا، تو ان پر رعب طاری ہو گیا اور انہوں نے پیغام دیا کہ ان کے ساتھ بھی اہل خیبر جیسا معاملہ کیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرمالیا۔ چنانچہ فدک کی زمین صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھی۔ اس میں سے آپ اپنے اوپر خرچ فرماتے تھے۔ بنو ہاشم کے بچوں کی عیالداری کرتے تھے اور ان میں سے غیر شادی شدہ ضرورت مندوں کی شادی فرماتے تھے۔ (۱)

وادی القُریٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے بعد "وادی القُریٰ" تشریف لے گئے اور وہاں کے باشندوں کو جو یہودی تھے، اسلام کی دعوت دی، مگر انہوں نے نہ اسلام قبول کیا، نہ آپ کے تابع فرمان ہوئے، بلکہ جنگ کے لئے نکل آئے۔ ان کا ایک آدمی میدان میں آیا اور اسے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔ پھر دوسرا آیا، اسے بھی انہوں نے قتل کیا۔ پھر تیسرا آیا، اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ اس طرح ان کے گیارہ آدمی قتل ہوئے۔ جب بھی کوئی ایک آدمی مارا جاتا تو آپ باقی یہود کو اسلام کی دعوت دیتے اور جب بھی کوئی نماز پڑھتے تو انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ غرض اسی طرح شام ہو گئی۔ دوسرے دن صبح آپ پھر تشریف لے گئے، لیکن سورج ابھی نیزہ برابر بھی بلند نہ ہوا تھا کہ یہود شکست کھا گئے اور مسلمانوں نے بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ پھر یہود نے گزارش کی کہ ان کے ساتھ بھی اہل خیبر جیسا معاملہ کیا جائے۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ اور ان کے لیے یہ بات تحریر فرمادی۔ (۲)

اہل تیماء کی مصالحت

"تیماء" کے یہود کو خیبر، فدک اور وادی القُریٰ کی خبریں موصول ہوئیں تو انہوں نے جزیہ کی ادائیگی پر مصالحت کر لی اور اپنے

(۱) سیرت ابن ہشام، ۲/۳۴۳، ۳۵۳۔

(۲) زادالمعاد، ۲/۱۴۶، ۱۴۷۔ طبقات ابن سعد، ۱/۲۷۹۔

علاقے میں امن کے ساتھ برقرار رہے۔ [1]

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے شادی

حضرت صفیہ بنت حُیَیی بن اخطب کو جب قیدیوں میں شامل کیا گیا تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ نے لے لیا' لیکن صحابہ نے آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان ہیں۔ وہ قریظہ اور نضیر کی سردار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلاکر ان پر اسلام پیش کیا' انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس پر آپ نے انہیں آزاد کرکے ان سے شادی کر لی اور ان کی آزادی ہی کو مہر قرار دیا اور انہیں بعض عورتوں کے حوالے کر دیا۔

جب خیبر اور وادی القُریٰ فتح ہو گئے' فدک اور تیماء کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی اور آپ نے مدینہ واپسی کی راہ لی' تو "وادیٔ صہباء" میں پہنچ کر حضرت صفیہ حلال ہو گئیں۔ چنانچہ انہیں آپ کے پاس رخصت کر دیا گیا اور آپ نے دولہے کی حیثیت سے ان کے ہمراہ صبح کی اور کھجور' پنیر اور گھی سان کر ولیمہ کھلایا' اور تین روز شب ہائے عروسی کے طور پر ان کے ساتھ قیام فرمایا' پھر روانہ ہو گئے۔ [2] اور صفر ۷ ہجری کے آخر یا ربیع الاول ۷ ہجری کے اوائل میں مدینہ تشریف لائے۔

---

[1] زاد المعاد' ۱۴۷/۲۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۳۷۱' اور اس کے اطراف جو بڑی کثرت سے ہیں۔

غزوۂ ذات الرقاع

جمادی الاولیٰ ۷ ہجری

خیبر سے مدینہ آکر رسول اللہ ﷺ مطمئن ہو چکے تو سنا کہ بنو انمار، ثعلبہ اور محارب کے بدو اکٹھا ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینے کا انتظام حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سونپا اور سات سو صحابہ کی معیت میں مدینہ سے دو دن کے فاصلے پر واقع مقام "نخل" کا رخ کیا۔ وہاں بنو غطفان کی ایک جمعیت سے آمنا سامنا ہوا، دونوں فریق ایک دوسرے کے قریب آئے اور بعض نے بعض کو خوف زدہ کیا، لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ نماز کی اقامت کہی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ خوف پڑھائی [1] یعنی ایک گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی، پھر وہ لوگ پیچھے چلے گئے تو دوسرے گروہ کو دو رکعت نماز پڑھائی، اس طرح آپ کی چار رکعت نماز ہوئی اور لشکر کی دو دو رکعت۔ یہی صلوٰۃ خوف ہے اور اس کی اور بھی صورتیں ہیں جو احادیث میں مروی ہیں۔ [2]

پھر اللہ نے دشمن کے دل میں رعب ڈال دیا۔ اس کی جمعیت پراگندہ ہو گئی۔ اور رسول اللہ ﷺ مدینہ واپس آگئے۔

اس غزوے کا نام اس لئے "ذات الرقاع" پڑ گیا کہ مسلمانوں کے قدم پیدل چلنے کی وجہ سے زخمی ہو گئے تھے اور انہوں نے ان پر چیتھڑے لپیٹ لئے تھے۔ [3] چیتھڑوں کو عربی میں "رقاع" کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس کی زمین اور پہاڑ مختلف رنگ کے تھے، گویا وہ "رقاع" یعنی پیوند تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ غزوے کی جگہ کا نام ہی یہی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث: ۴۱۲۶، ۴۱۲۷۔

[2] صحیح بخاری، کتاب صلوٰۃ الخوف، نیز حدیث: ۴۱۲۷، ۴۱۲۹، ۴۱۳۱، ۴۱۳۳۔ صحیح مسلم، باب صلوٰۃ الخوف۔

[3] صحیح بخاری، حدیث: ۴۱۲۸۔ صحیح مسلم، باب غزوۃ ذات الرقاع، ۲/ ۱۱۸۔

تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟

اس غزوے میں سب سے دلچسپ بات یہ پیش آئی کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالا اور اس پر اپنی تلوار لٹکا کر سو گئے۔ بقیہ لوگ مختلف درختوں کے نیچے جاکر سو گئے۔ ایک مشرک نے آکر رسول اللہ ﷺ کی تلوار سونت لی۔ آپ بے خبر سو رہے تھے' مگر اتنے میں آپ جاگ گئے' تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی۔

اس نے کہا: "تم مجھ سے ڈرتے ہو؟"

آپ نے فرمایا: "نہیں"

اس نے کہا: "تو تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟"

آپ نے فرمایا: "اللہ!"

"یہ سن کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ وہ تلوار رسول اللہ ﷺ نے اٹھالی۔

پھر فرمایا: "اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا؟"

اس نے کہا "آپ اچھے پکڑنے والے ہوئے (یعنی احسان کیجئے۔)"

آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی۔ وہ مسلمان تو نہ ہوا' لیکن یہ عہد کیا کہ وہ نہ آپ سے لڑائی کرے گا' نہ لڑنے والوں کے ساتھ ہو گا۔ اسکے بعد آپ نے اس کی راہ چھوڑ دی۔ اس نے اپنی قوم میں واپس جاکر کہا "میں تمہارے پاس سب سے اچھے انسان کے یہاں سے آرہا ہوں۔"[1]

عام اہل مغازی کہتے ہیں کہ یہ غزوہ ۴ ہجری میں پیش آیا'[2] مگر صحیح یہ ہے کہ یہ ۷ ہجری میں غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا' کیونکہ ابو ہریرہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما اس غزوے میں موجود تھے اور یہ دونوں نبی ﷺ کے پاس غزوۂ خیبر کے بعد آئے تھا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

اس غزوے سے پہلے اور اس کے بعد راستوں کے امن' دہشت گردوں کی سرکوبی اور (تخریبی) مجمعوں کو منتشر کرنے کے لئے متعدد "سرایا" روانہ کئے گئے' لیکن طوالت سے بچنے کے لئے ان کا ذکر چھوڑا جا رہا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۲۹۱۰' ۲۹۱۳' ۴۱۳۵' ۴۱۳۶ وغیرہ۔

[2] تفصیل کے لیے دیکھئے' سیرت ابن ہشام' ۲/ ۲۰۳' ۲۰۹۔ زاد المعاد' ۲/ ۱۱۰' ۱۱۲۔ فتح الباری' ۷/ ۴۱۷' ۴۲۸۔

عمرۂ قضاء

ذی قعدہ ۷ ہجری

ذی قعدہ ۷ ہجری میں رسول اللہ ﷺ اس عمرے کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوئے' جس پر حدیبیہ کی صلح میں اتفاق ہوا تھا۔ چنانچہ مدینہ کا انتظام حضرت ابو رھم غفاری رضی اللہ عنہ کو سونپا' قربانی کے ساٹھ اونٹ ساتھ لئے اور ان پر ناجیہ بن جندب اسلمی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور ایک سو گھوڑے بھی ہمراہ تھے جن پر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

پھر ذو الحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا اور لبیک پکارا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے ساتھ لبیک پکارا۔ پھر اپنا سفر جاری رکھا۔ جب وادیٔ "یاجج" پہنچے تو سارے ہتھیار رکھ دیئے اور ان کی حفاظت کے لئے حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں دو سو آدمی وہیں چھوڑ دیئے۔ صرف سوار کا ہتھیار یعنی میان میں رکھی ہوئی تلواریں [1] لے کر "کداء" کے راستے سے جو "حجون" پر نکلتا ہے' مکہ میں داخل ہوئے۔ [2] اس وقت آپ ﷺ اپنی قصواء اونٹنی پر سوار تھے اور صحابہ کرام تلواریں حمائل کئے آپ کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ آپ بھی لبیک پکار رہے تھے اور وہ بھی لبیک پکار رہے تھے' اس طرح آپ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ چھڑی سے حجر اسود کو چھوا' پھر سواری ہی پر طواف کیا۔ [3] مسلمانوں نے بھی طواف کیا۔ وہ قوت وجوانمردی کی شان کے مطابق داہنے کندھے کھولے خانہ کعبہ کے گرد دوڑ رہے تھے اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے آگے آگے تلوار حمائل کئے ہوئے یہ اشعار کہہ رہے تھے۔

---

[1] فتح الباری' ۷/۵۰۰۔ زاد المعاد' ۲/۱۵۱۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۱۵۷۵' ۱۵۷۶۔

[3] صحیح بخاری' حدیث: ۱۶۰۰' ۱۷۹۱' ۴۱۸۸' ۴۲۵۵۔

خَلُّوا بَنِی الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهٖ   خَلُّوا، فَکُلُّ الْخَیْرِ فِی رَسُوْلِهٖ
اَلْیَوْمَ نَضْرِبْکُمْ عَلٰی تَأْوِیْلِهٖ   کَمَا ضَرَبْنَاکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ
ضَرْبًا یُزِیْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِیْلِهٖ   وَیُذْهِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِهٖ

''کفار کے پوتو! ان کا راستہ چھوڑ دو۔ راستہ چھوڑ دو کہ ساری بھلائی اس کے پیغمبر ہی میں ہے۔ آج ہم اس کی تاویل پر تمہیں ماریں گے' جیسے اس کی تنزیل پر تمہیں مار چکے ہیں اور مار بھی ایسی ماریں گے کہ کھوپڑی اپنی جگہ سے چھٹک جائے گی اور دوست کو دوست سے بے خبر کر جائے گی۔''[۱]

''مشرکین کعبہ کے شمال میں ''قُعَیْقِعَانْ'' پہاڑ پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

''تمہارے پاس ایک ایسی جماعت آ رہی ہے' جسے یثرب کے بخار نے توڑ ڈالا ہے۔''

لیکن جب مسلمانوں کو دیکھا کہ دوڑ رہے ہیں' تو کہنے لگے کہ یہ تو ایسے اور ایسے لوگوں سے بھی تگڑے ہیں۔ درحقیقت رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ پہلے تین چکروں میں دوڑ لگائیں' تاکہ مشرکین کو اپنی قوت دکھلائیں' البتہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان نہ دوڑیں'[۲] کیونکہ یہ حصہ جنوب میں تھا جسے مشرکین دیکھ نہیں رہے تھے۔

طواف سے فارغ ہو کر آپ نے صفا مروہ کی ''سعی'' کی اور ان کے سات پھیرے لگا کر[۳] مروہ کے پاس قربانی کے جانور ذبح کئے اور وہیں اپنا سر منڈوایا۔ مسلمانوں نے بھی یہی کیا۔ اس کے بعد کچھ لوگوں کو ''یاجج'' بھیج دیا کہ وہ ہتھیاروں کی حفاظت کریں' اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے وہ آ کر اپنا عمرہ ادا کر لیں۔

مکے میں آپ ﷺ نے تین روز قیام فرمایا اور اس دوران حضرت میمونہ بنت الحارث

---

[۱] ترمذی' ابواب الاستیذان' انشاد الشعر ۲/۱۰۷ (طبع ہند)
[۲] صحیح بخاری' حدیث: ۱۶۰۲' ۴۲۵۶۔
[۳] صحیح بخاری' حدیث: ۴۲۵۷۔

ہلالیہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ [1] وہ سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ انھیں جب شادی کا پیغام ملا' تو انھوں نے اپنا معاملہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شادی کر دی۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم "حلال" تھے' کیونکہ مکہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا۔ پھر "حلال" ہوئے تو حلال ہی باقی رہے۔

چوتھے دن صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی۔ [2] مکہ سے نو میل دور مقام "سرِف" پہنچے تو پڑاؤ ڈال کر قیام فرمایا اور وہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رخصت ہو گئیں۔ پھر اللہ نے آپ کے خواب کی جو تصدیق فرمائی تھی اور اپنے گھر کے طواف کا جو شرف بخشا تھا' اس پر خوش خوش مدینہ واپس تشریف لائے۔ [3]

اللہ کی تقدیر کا یہ بھی عجیب پہلو ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات بھی مقام "سرف" ہی میں ہوئی اور وہیں انھیں سپرد خاک کیا گیا۔ [4]

عمرۂ قضاء سے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جہات میں چند "سرایا" روانہ فرمائے' ان میں سے سب سے زیادہ اہمیت سریہ مؤتہ کو حاصل ہے' پھر سریہ ذات السلاسل کو۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۱۸۳۷' ۴۲۵۸' ۴۲۵۹' ۵۱۱۴۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۴۲۵۱۔

[3] اس عمرے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو زادالمعاد' ۲/۲۵۱' ۲۵۲۔

[4] صحیح بخاری' حدیث: ۵۰۶۷۔

معرکۂ موتہ

جمادی الاولیٰ سنہ ۸ ہجری

امراء اور بادشاہوں کو رسول اللہ ﷺ نے جو خطوط لکھے تھے ان کے ذکر میں یہ بات گزر چکی ہے کہ شرحبیل بن عمرو غسانی نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو' جو رسول اللہ ﷺ کا خط لے کر امیر بصریٰ کے پاس گئے تھے' قتل کر دیا تھا۔ یہ حرکت اعلان جنگ کے مترادف تھی' اس لئے جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ پر یہ بات سخت گراں گزری۔ چنانچہ آپ نے تین ہزار [1] کا ایک لشکر تیار کر کے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا سپہ سالار مقرر کیا اور فرمایا کہ "اگر زید قتل کر دیئے جائیں تو جعفر اور جعفر قتل کر دیے جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔" [2] اس لشکر کے لئے آپ نے سفید پرچم باندھا اور اسے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا اور وصیت فرمائی کہ جہاں حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ قتل کیے گئے تھے' وہاں پہنچ کر اس مقام کے باشندوں کو اسلام کی دعوت دیں اور اگر وہ انکار کریں تو لڑائی کریں۔

آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے نام سے' اللہ کی راہ میں' اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے غزوہ کرو اور دیکھو! بدعہدی نہ کرنا' خیانت نہ کرنا' کسی بچے' عورت اور فنا کے قریب بڈھے کو اور گرجے میں رہنے والے تارک الدنیا کو قتل نہ کرنا' کھجور اور کوئی درخت نہ کاٹنا اور نہ کسی عمارت کو منہدم کرنا۔" [3]

---

[1] زادالمعاد' ۲/۱۵۵- فتح الباری' ۷/۵۱۱-

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۴۲۶۱-

[3] مختصر السیرۃ' شیخ عبداللہ' ص: ۳۲۷' واقعہ کی تعیین کے بغیر یہ حدیث صحیح مسلم' سنن ابی داود' ترمذی' ابن ماجہ وغیرہ میں بھی مختلف الفاظ سے مروی ہے۔

آپ ''ثنیۃ الوداع'' تک لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے' پھر اسے الوداع کہا۔ [1] اس لشکر نے جنوبی اردن پہنچ کر معان کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں اسے معلوم ہوا کہ ہرقل ایک لاکھ کا لشکر لے کر ''مآب'' میں خیمہ زن ہے اور اس کے ساتھ مزید ایک لاکھ نصرانی عرب بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اس اطلاع پر مسلمانوں نے دو رات مشورہ کیا کہ آیا رسول اللہ ﷺ کو لکھ کر آپ سے کمک طلب کریں یا جنگ میں کود پڑیں۔ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر انھیں گرما دیا کہ ''اب آپ لوگ جس بات سے کترا رہے ہیں' یعنی شہادت' یہ وہی چیز ہے' جس کی طلب میں ہم نکلے ہیں۔'' انہوں نے کہا:

''ہم تعداد اور قوت و کثرت کے بل پر نہیں لڑتے' بلکہ ہماری لڑائی اس دین کے بل بوتے پر ہے جس سے اللہ نے ہمیں نوازا ہے۔ ہمارے سامنے دو خوبیاں ہیں' غلبہ یا شہادت۔''

لوگوں نے کہا واللہ! ''ابن رواحہ سچ کہتے ہیں۔''

چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر ''موتہ'' میں پڑاؤ ڈال دیا' پھر وہیں لشکر کو ترتیب دیا اور لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ [2]

اب کیا تھا' ایک خوفناک اور سنگین معرکہ شروع ہو گیا' جو تاریخ انسانی کا عجیب ترین معرکہ تھا۔ تین ہزار جانباز' دو لاکھ کے لشکر جرار کا مقابلہ کر رہے تھے اور دو بدو ڈٹے ہوئے تھے۔ ہتھیاروں سے لیس یہ بھاری بھرکم لشکر دن بھر حملے کرتا اور اپنے بہت سے بہادر گنوا بیٹھتا تھا' لیکن اس مختصر سی نفری کو پسپا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا۔

مسلمانوں کا ''عَلم'' پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے لیا۔ پھر وہ لڑتے رہے' یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں میں گتھ گئے اور خلعت شہادت سے مشرف ہو کر زمین پر آ رہے۔ ان کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ''علم'' سنبھالا اور خوب خوب جنگ کی۔ جب لڑائی کی شدت شباب کو پہنچی' تو اپنے سرخ و سیاہ گھوڑے کی پشت سے کود پڑے' کوچیں کاٹ دیں اور

---

[1] زادالمعاد' ۱۵۶/۲۔

[2] سیرت ابن ہشام' ۳۷۴/۲' ۳۷۴۔

وار پر وار کئے' یہاں تک کہ ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ انہوں نے پھر جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا اور بلند رکھا' یہاں تک کہ ان کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا گیا۔ پھر دونوں باقی ماندہ بازوؤں کی مدد سے جھنڈا آغوش میں لے لیا اور وہ آسمانی فضا میں لہراتا رہا' یہاں تک کہ وہ نیزوں اور تیر کے ٹوے سے زیادہ زخم کھا کر خلعت شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ یہ سارے زخم ان کے جسم کے اگلے حصے میں آئے تھے۔ [1] ان کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی باری تھی۔ انہوں نے جھنڈا لیا' آگے بڑھے' پھر اپنے مَعمَہ نامی گھوڑے سے اتر کر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

ان کی شہادت پر جھنڈا حضرت ثابت بن ارقم رضی اللہ عنہ نے تھام لیا' تاکہ گرنے نہ پائے اور مسلمانوں سے کہا "کہ آپ لوگ کسی آدمی پر اتفاق کر لیں۔"

لوگوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اتفاق کر لیا اور اس طرح "جھنڈا" اللہ کی تلواروں میں سے ایک "تلوار" کی طرف منتقل ہو گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر اتنی پر زور اور بے نظیر جنگ کی کہ ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں' ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مدینہ میں اسی دن تینوں سپہ سالاروں کی شہادت کی خبر دی اور بتلایا کہ اب کمان خالد بن ولید کے ہاتھ میں آگئی ہے اور انہیں اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار قرار دیا۔ [2]

دن ختم ہوا تو دونوں فریق اپنے اپنے کیمپوں میں واپس چلے گئے۔ صبح ہوئی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لشکر کی ترتیب بدل دی' پیچھے کو آگے اور آگے کو پیچھے' دائیں کو بائیں اور بائیں کو دائیں کر دیا۔ دشمن نے سمجھا مسلمانوں کے پاس کمک آگئی ہے اس پر رعب چھا گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ہلکی سی جھڑپ کے بعد لشکر کو پیچھے ہٹانا شروع کیا' لیکن دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسے خطرہ تھا کہ یہ کوئی چال نہ ہو۔ اس طرح مسلمان "موتہ" کی طرف سمٹ آئے اور سات دن تک دشمن سے جھڑپ کرتے رہے۔ پھر

---

[1] صحیح بخاری' باب غزوۃ موتۃ من ارض الشام' نیز سیرت ابن ہشام' زاد المعاد۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۴۲۶۲' ۴۲۶۵' ۴۲۶۶۔

دونوں فریق رک گئے اور لڑائی ختم ہو گئی' کیونکہ رومیوں نے سمجھا کہ مسلسل کمک پہنچ رہی ہے اور وہ چال چل کر رومیوں کو صحرا میں گھسیٹ لے جانا چاہتے ہیں' جہاں سے بچ نکلنا آسان نہیں۔ اس طرح اس جنگ میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہا۔ [1]

اس غزوے میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔ دشمن خاصی تعداد میں مارے گئے' مگر ان کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔

سریہ "ذات السلاسل" (جمادی الآخرۃ سنہ ۸ ہجری)

معرکہ "موتہ" میں شامی عربوں کا جو موقف تھا اس کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے حکیمانہ اقدام کی ضرورت محسوس کی جو انہیں رومیوں کی مدد سے باز رکھ سکے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ اور تیس گھوڑوں کے ساتھ روانہ کیا۔ چونکہ حضرت عمرو کی دادی' ان کے قبائل میں سے ایک قبیلہ بلی سے تعلق رکھتی تھیں' اس لئے مقصود یہ تھا کہ ان کی تالیف قلب کی جائے' لیکن اگر وہ انکار کریں تو روم کی تائید میں کھڑے ہونے پر انھیں سبق سکھایا جائے۔ حضرت عمرو قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے بڑی فوج فراہم کر رکھی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرو نے رسول اللہ ﷺ سے کمک طلب کی۔ آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں دو سو سربرآوردہ مہاجرین وانصار کی کمک بھیجی' لیکن امیر عام اور نماز کے امام حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ کمک آجانے کے بعد انہوں نے قضاعہ کے علاقوں کو دور تک روندا۔ ایک لشکر سے سامنا ہوا' لیکن جب مسلمانوں نے حملہ کیا تو وہ ادھر ادھر بھاگ کر بکھر گیا۔

سلاسل' وادی القُریٰ سے آگے ایک خطۂ زمین اور ایک چشمے کا نام ہے۔ اسی کی طرف یہ "سریہ" منسوب ہے' کیونکہ مسلمانوں نے یہیں پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ "سریہ" جمادی الآخرۃ سنہ ۸ ہجری میں یعنی غزوۂ موتہ کے ایک مہینہ بعد بھیجا گیا۔ [2]

---

[1] اس معرکے کی تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری' ۷/ ۵۱۳' ۵۱۴- زاد المعاد' ۲/ ۱۵۶-

[2] سیرت ابن ہشام' ۲/ ۶۲۳' ۶۲۶- زاد المعاد' ۲/ ۱۵۷-

غزوۂ فتح مکہ

رمضان سنہ ۸ ہجری

رمضان ۸ ہجری میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ مکرمہ کی فتح کا شرف بخشا۔ یہ سب سے عظیم فتح تھی' جس سے اللہ نے اپنے دین اور رسول اللہ ﷺ کو عزت بخشی' اپنے گھر اور اپنے شہر کو غلط ہاتھوں سے آزاد کیا۔ اس فتح پر آسمان والوں نے خوشی منائی اور کفار' اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ بنو بکر' حدیبیہ کے معاہدہ میں قریش کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ ان کی بنو خزاعہ کے ساتھ دور جاہلیت سے خونریزی اور کشاکش چلی آرہی تھی' جس کی آگ اسلام کی آمد آمد کے سبب وقتی طور پر بجھ گئی تھی۔ جب حدیبیہ کی صلح واقع ہو چکی تو بنو بکر نے اسے غنیمت جانا اور موقع پاکر شعبان ۸ ہجری میں رات کے وقت بنو خزاعہ پر چھاپہ مارا۔ اس وقت بنو خزاعہ "وتیر" نامی ایک چشمے پر تھے۔ بنو بکر نے ان کے بیس سے زیادہ آدمی قتل کئے اور انھیں مکہ تک دھکیل لائے' بلکہ مکہ کے اندر بھی ان سے لڑائی کی۔ قریش نے بھی پس پردہ ہتھیاروں اور آدمیوں سے ان کی مدد کی۔

بنو خزاعہ چونکہ صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور ان کے متعدد افراد مسلمان بھی ہو چکے تھے' اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع دی۔

آپ نے فرمایا "واللہ! میں جس چیز سے اپنی حفاظت کرتا ہوں' اس سے تمہاری بھی ضرور حفاظت کروں گا۔"

ادھر قریش نے اپنی غلط کاری محسوس کی اور اس کے نتائج سے خوفزدہ ہوئے اس لئے جھٹ ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ عہد کو پختہ کرے اور مدت اور بڑھا دے۔ ابو سفیان

مدینہ پہنچا تو اپنی صاحبزادی ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر آیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنا چاہا، تو انہوں نے بستر لپیٹ دیا۔

ابو سفیان نے کہا: "بیٹی! کیا تم نے اس بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا؟"

انہوں نے کہا "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔"

ابو سفیان نے کہا: "واللہ! میرے بعد تمہیں شر پہنچ گیا ہے۔"

پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے گفتگو کی۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کریں۔ انہوں نے کہا "میں نہیں کر سکتا۔" اس کے بعد وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہوں نے انکار کیا اور سخت بات کی۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ انہوں نے معذرت کی اور مشورہ دیا کہ وہ خود لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کرے اور واپس چلا جائے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوے کی تیاری شروع کر دی۔ صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا اور مدینہ کے گرد و پیش جو "اعراب" تھے انہیں بھی تیاری کے لئے کہا، لیکن خبر چھپائے رکھی اور دعا فرمائی کہ:

"اے اللہ! جاسوسوں اور خبروں کو قریش تک پہنچنے سے روک لے، تاکہ ہم ان کے علاقے میں اچانک ان کے سروں پر پہنچ جائیں۔"

مزید رازداری کے لئے آپ نے اوائل رمضان میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے ۳۶ میل دور "بطن اِضم" کی طرف روانہ فرمایا، تاکہ سمجھنے والا یہ سمجھے کہ آپ اسی علاقہ کا رخ کریں گے۔ (۱)

ادھر حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے قریش کو ایک رقعہ لکھ کر یہ اطلاع دے بھیجی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حملہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے یہ رقعہ ایک عورت کو دیا اور اسے قریش تک پہنچانے پر معاوضہ رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آسمان سے خبر آگئی اور آپ

(۱) سیرت ابن ہشام ۲۲۶/۲، ۲۲۸، زاد المعاد ۱۵۰/۲۔

نے حضرت علی، حضرت مقداد، حضرت زبیر اور حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہم کو یہ کہہ کر بھیجا کہ "روضۂ خاخ" جاؤ، وہاں ایک ہودج نشین عورت ہو گی، جس کے پاس ایک رقعہ ہو گا، وہ اس سے لے لینا۔ انہوں نے جاکر رقعہ طلب کیا۔

عورت نے کہا: "میرے پاس کوئی رقعہ نہیں۔"

ان لوگوں نے کہا "یا تو رقعہ نکالو، یا ہم تمہیں ننگا کر دیں گے۔"

اس پر اس نے اپنے جوڑے سے رقعہ نکالا۔ یہ لوگ اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔

آپ نے فرمایا "حاطب یہ کیا ہے؟"

حاطب نے معذرت کی کہ مکہ میں ان کے اہل وعیال اور بال بچے ہیں اور قریش میں ان کی کوئی قرابت داری نہیں کہ اس کی وجہ سے وہ ان کے بال بچوں کی حفاظت کریں تو انہوں نے چاہا کہ ان پر کوئی احسان کر دیں کہ اس کے بدلے وہ ان کے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔ ورنہ انہوں نے یہ کام نہ اسلام سے مرتد ہونے کے سبب کیا ہے، نہ کفر سے راضی ہونے کے سبب۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "اللہ کے رسول! مجھے چھوڑیئے میں اس کی گردن مار دوں، کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کی خیانت کی ہے اور منافق ہو گیا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ جنگ بدر میں حاضر ہو چکا ہے اور تمہیں کیا پتہ؟ ہو سکتا ہے اللہ نے اہل بدر پر جھانک کر کہا ہو، تم لوگ جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں نم ہو گئیں اور کہا "اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔" [1]

مکہ کی راہ میں

۱۰ رمضان سنہ ۸ ہجری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ چھوڑ کر مکے کا رخ کیا۔ آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرام تھے۔ مدینہ پر (بطور منتظم) ابو رھم غفاری رضی اللہ عنہ کا تقرر فرمایا۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث: ۳۰۰۷، ۳۰۰۷، ۳۰۸۱، ۳۹۸۳، ۴۲۷۴، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، ۶۹۳۹۔

"جحفہ" پہنچے تو آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ملے' وہ مسلمان ہو کر اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ "ابواء" میں آپ کے چچیرے بھائی ابو سفیان بن حارث اور پھوپھی زاد بھائی عبد اللہ بن ابی امیہ ملے۔ آپ نے ان دونوں سے منہ پھیر لیا' کیونکہ یہ دونوں آپ کو سخت اذیت پہنچاتے اور ہجو کرتے رہے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ "ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ آپ کے چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی ہی آپ کے یہاں سب سے بدبخت ہوں۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو سفیان بن حارث کو سکھایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جاؤ اور ان سے وہی کہو جو برادران یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا:

﴿ تَاللَّهِ لَقَدْ ءَاثَرَكَ ٱللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا لَخَٰطِـِٔينَ ﴿٩١﴾ ﴾

(یوسف ۱۲/ ۹۱)

"اللہ کی قسم! اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی اور یقیناً ہم ہی خطاکار تھے۔"

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ ٱلْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ ٱللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ ٱلرَّٰحِمِينَ ﴿٩٢﴾ ﴾ (یوسف ۱۲/ ۹۲)

"آج تم پر کوئی سرزنش نہیں ہے۔ اللہ تمہیں بخش دے گا اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔"

اس پر ابو سفیان نے آپ کو چند اشعار سنائے اور اپنی سابقہ حرکت سے معذرت کی۔ [1]

جب آپ "کدید" پہنچے اور دیکھا کہ لوگوں پر روزہ گراں گزر رہا ہے' تو روزہ کھول دیا اور لوگوں کو بھی کھولنے کا حکم دیا۔ [2] پھر سفر جاری رکھا' یہاں تک کہ عشاء کے وقت "مرالظہران" میں نزول فرمایا۔ آپ کے حکم سے لشکر نے الگ الگ آگ جلائی۔ یوں آگ کے دس ہزار الاؤ روشن کیے گئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہرے پر مقرر فرمایا۔

---

[1] زاد المعاد' ۲/ ۱۶۲' ۱۶۳۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۴۲۷۵' ۴۲۷۶' ۴۲۷۷۔

ادھر ابو سفیان خوف اور اندیشے کے عالم میں نکلا۔ اسے کچھ پتہ نہ تھا۔ اس کے ساتھ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء بھی تھے۔ آگ دیکھی تو کہنے لگا ''آج جیسی آگ اور لشکر تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔''

بدیل نے کہا ''یہ خزاعہ ہیں۔''

ابو سفیان نے کہا ''خزاعہ اس سے کہیں کم اور ذلیل ہیں کہ یہ ان کی آگ اور ان کا لشکر ہو۔''

ابو سفیان دربار نبوت میں

اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر چکر لگا رہے تھے۔ آواز سنی تو پہچان گئے اور کہا ''ابو حنظلہ ؟''

اس نے کہا: ''ابو الفضل؟''

کہا ''ہاں۔''

اس نے کہا: ''کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان''۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لشکر سمیت۔ ہائے قریش کی تباہی' واللہ !''

اس نے کہا: ''اب کیا ترکیب ہے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر وہ تمہیں پا گئے تو تمہاری گردن مار دیں گے' لہٰذا اس خچر پر پیچھے بیٹھ جاؤ' میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلتا ہوں۔''

چنانچہ وہ پیچھے بیٹھ گیا۔ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا اور انہوں نے دیکھا تو کہا ''ابو سفیان؟ اللہ کا دشمن؟ اللہ کی تعریف ہے کہ اس نے بغیر کسی عہد و پیمان کے تجھے (ہمارے) قابو میں کر دیا۔''

اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ لگائی۔ ادھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خچر کو ایڑ ماری۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلے پہنچ گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔ انہوں نے پہنچتے ہی آپ سے ابو سفیان کی گردن مارنے کی اجازت چاہی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ''میں نے اسے پناہ دے رکھی ہے۔'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر

مبارک پکڑلیا اور کہا "آج رات میرے سوا کوئی اور آپ سے سرگوشی نہ کرے گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بار بار اجازت چاہی' لیکن رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: "اسے اپنے ڈیرے پر لے جاؤ' صبح میرے پاس لے آنا۔"

پھر جب صبح خدمت نبوی میں حاضر کیا تو آپ نے فرمایا "ابو سفیان! تم پر افسوس' کیا اب بھی تمہارے لئے وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں؟"

ابو سفیان نے کہا "میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ آپ کتنے بردبار' کتنے کریم اور کتنے خویش پرور ہیں! اگر اللہ کے ساتھ کوئی "الٰہ" ہوتا تو اب تک تو میرے کچھ کام آیا ہوتا۔"

آپ نے فرمایا "ابو سفیان! تم پر افسوس' کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم جان سکو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔"

ابو سفیان نے کہا "اس بات کے متعلق تو اب بھی دل میں کچھ نہ کچھ کھٹک ہے۔"

اس پر حضرت عباس نے کہا "اس سے پہلے کہ تمہاری گردن ماری جائے' اسلام لاؤ۔"

چنانچہ ابو سفیان مسلمان ہو گیا اور حق کی شہادت دی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "اے اللہ کے رسول! ابو سفیان اعزاز پسند ہے' اسے کوئی اعزاز دے دیجئے۔"

آپ نے فرمایا "ہاں! جو ابو سفیان کے گھر میں گھس جائے' اسے امان ہے۔ اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے' اسے امان ہے۔"

مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کا داخلہ

اسی صبح رسول اللہ مکہ روانہ ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ابوسفیان کو وادی کے تنگنائے پر پہاڑ کے ناکے کے پاس روکے رکھیں' تاکہ وہاں سے گزرنے والی خدائی فوجوں کو ابو سفیان دیکھ سکے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ ادھر قبائل اپنے اپنے پرچم لئے گزرنے لگے' جب کوئی قبیلہ گذرتا تو ابو سفیان پوچھتا کہ "عباس! یہ کون لوگ ہیں؟"

جواب میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے "بنو فلاں (مثلاً بنو سلیم)"
ابو سفیان کہتا "مجھ کو بنو فلاں سے کیا واسطہ؟"
یہاں تک کہ انصار کا دستہ گزرا' جس کا پرچم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا "ابو سفیان! آج خونریزی اور مار دھاڑ کا دن ہے۔ آج کعبہ حلال کیا جائے گا۔"
ابو سفیان نے کہا "عباس! پامالی کا دن مبارک ہو۔"
پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے "سبز" دستے میں تشریف لائے۔ آپ مہاجرین وانصار کے درمیان فروکش تھے۔ یہاں صرف لوہے کی باڑ دکھائی پڑ رہی تھی۔ ابو سفیان نے کہا "سبحان اللہ! عباس! یہ کون لوگ ہیں؟"
حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "یہ انصار ومہاجرین کے جلو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔"
ابو سفیان نے کہا "بھلا ان سے محاذ آرائی کی کسے طاقت ہے؟ تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بڑی زبردست ہو گئی۔"
حضرت عباس نے کہا "یہ نبوت ہے۔"
اس نے کہا: "اب تو جی ہاں!"۔
پھر اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات بتلائی۔ آپ نے فرمایا: "سعد نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی تعظیم کی جائے گی۔ آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا" اور پرچم حضرت سعد سے لے کر ان کے صاحبزادے قیس کے حوالے کر دیا۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گزرنے کے بعد ابو سفیان تیزی سے مکہ پہنچا اور نہایت بلند آواز سے پکارا "قریش کے لوگو! یہ محمد ہیں۔ تمہارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آئے ہیں کہ مقابلہ کی تاب نہیں' لہٰذا جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے' اسے امان ہے۔"
لوگوں نے کہا "تجھ پر اللہ کی لعنت' تیرا گھر ہمارے کتنے آدمیوں کے کام آسکتا ہے؟"
ابو سفیان نے کہا: "اور جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔"

یہ سن کر لوگ تیزی سے اپنے اپنے گھروں اور مسجد حرام کی طرف بھاگے۔

جب رسول اللہ ﷺ ذی طُوٰی پہنچے تو میسرہ کے سالار حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ ''کدی'' کے راستے مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں' اور کوئی آڑے آئے تو اسے کاٹ کر رکھ دیں' یہاں تک کہ صفا پر آپ ﷺ سے آملیں اور میمنہ کے قائد اور رسول اللہ ﷺ کے علمبردار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کداء کے راستے بالائی حصے سے مکہ میں داخل ہوں اور حجون میں آپ کا پرچم گاڑ دیں نیز رسول اللہ ﷺ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں جبکہ پیادہ اور بے ہتھیار لوگوں کے قائد حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ''بطن وادی'' کا راستہ پکڑیں اور مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے آگے اتریں۔

اس موقع پر قریش نے خندمہ میں کچھ اوباشوں کو جمع کیا۔ کہا کہ اگر انہیں کچھ کامیابی ہوئی تو ان کے ساتھ ہو رہیں گے' ورنہ جو کچھ مطالبہ کیا جائے گا منظور کر لیں گے۔ جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے تو ایک معمولی سی جھڑپ میں ان کے بارہ آدمیوں کو کاٹ ڈالا اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ مکہ کے گلی کوچوں کو روندتے ہوئے کوہ صفا پر رسول اللہ ﷺ سے جا ملے' البتہ ان کے دستے کے دو آدمی راستہ بھٹک کر لشکر سے بچھڑ گئے اور مارے گئے۔ [1]

ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ''حجون'' میں ''مسجد فتح'' کے پاس جھنڈا گاڑا اور ایک خیمہ نصب کیا' جس میں حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما نے قیام کیا اور وہیں ٹھہرے رہے' یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ تھوڑی دیر استراحت فرمایا۔ پھر آگے بڑھے۔ اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ تھے اور باتیں کر رہے تھے۔ پھر آپ سورۂ فتح کی تلاوت کرتے ہوئے مہاجرین وانصار کے جلو میں مسجد حرام کے اندر داخل ہوئے۔ حجر اسود کو چوما اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ حالت احرام میں نہ تھے۔ اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ایک لکڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی' انھیں کچوکے لگاتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے:

---

[1] ساری تفصیل کے لیے دیکھیے سیرت ابن ہشام اور مختصراً دیکھیے صحیح بخاری' حدیث: ۴۲۸۰۔

﴿ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾ ﴾ (الإسراء ١٧/ ٨١)

"حق آگیا اور باطل چلا گیا' یقیناً باطل جانے ہی والا ہے۔"

﴿ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾ ﴾ (سبا ٣٤/ ٤٩)

"حق آگیا اور باطل کی چلت پھرت ختم ہو گئی۔"

اس ضرب سے بت اپنے چہروں کے بل گرتے جا رہے تھے۔ [1]

کعبہ کی تطہیر اور اس میں نماز

جب آپ طواف سے فارغ ہو گئے' تو عثمان بن طلحہ کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی اور اسے کھولنے کا حکم دیا۔ پھر اس میں جو بت تھے انھیں نکلوا کر تڑوا دیا اور جو تصویریں تھیں' انھیں مٹوادیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ' اسامہ بن زید اور بلال رضی اللہ عنہما اندر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا۔ پھر دروازے کے مقابل کی دیوار کے رخ سے تین ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہوئے۔ اپنے بائیں ایک ستون اور دائیں دو ستون اور پیچھے تین ستون کئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر بیت اللہ میں گھوم کر اس کے اطراف میں اللہ کی تکبیر و توحید کے کلمات کہے۔ [2]

آج تم پر کوئی سرزنش نہیں

پھر آپ ﷺ نے دروازہ کھولا۔ قریش مسجد حرام میں صفیں لگائے کھچا کھچ بھرے تھے۔ آپ نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر ایک بلیغ خطبہ دیا' جس میں اسلام کے بہت سے احکام بیان کیے۔ امور جاہلیت کو ساقط کیا اور اس کی نخوت کے خاتمے کا اعلان کیا۔ پھر فرمایا: "قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے؟ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟" انہوں نے کہا "اچھا۔ آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں۔" آپ نے فرمایا:

«لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ»

"آج تم پر کوئی سرزنش نہیں' جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۲۴۷۸' ۴۲۸۷' ۴۷۲۰۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۳۹۷' ۳۹۸' ۴۶۸' ۵۰۴' ۵۰۵' ۱۱۶۷' ۱۵۹۸' ۱۵۹۹' ۱۶۰۱' ۲۹۸۸' ۳۳۵۱' ۳۳۵۲' ۴۲۲۸' ۴۲۸۹' ۴۴۰۰۔

پھر نیچے تشریف لا کر مسجد حرام میں بیٹھے' کنجی عثمان بن طلحہ کو واپس کی اور فرمایا:
"اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لے لو۔ تم لوگوں سے اسے وہی چھینے گا جو ظالم ہو گا۔"

بیعت

اس کے بعد آپ ﷺ صفا پر تشریف لائے اور اتنا اوپر چڑھے کہ بیت اللہ کو دیکھ سکیں۔ پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اس کے بعد لوگوں سے اسلام پر بیعت لی۔ اس دن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ بھی مسلمان ہوئے۔ ان کے اسلام لانے سے رسول اللہ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی۔ پھر مردوں کے بعد آپ نے اس بات پر عورتوں سے بیعت لی کہ:

"اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی' چوری نہ کریں گی' زنا نہ کریں گی' اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے درمیان سے گھڑ کر کوئی بہتان نہ لائیں گی اور کسی بھلی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی۔"

اس دن بیعت کرنے والی عورتوں میں ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی تھیں۔ وہ نقاب لگا کر اور بھیس بدل کر آئیں۔ [1] دراصل حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے ساتھ انہوں نے جو حرکت کی تھی اس کی وجہ سے انہیں اپنی جان کا ڈر تھا۔ جب ان کی بیعت پوری ہو چکی۔ تو انہوں نے کہا "اے اللہ کے رسول! روئے زمین پر کوئی خیمہ ایسا نہ تھا کہ جس کا ذلیل ہونا مجھے آپ کے خیمے والوں سے بڑھ کر پسند رہا ہو اور اب روئے زمین پر کوئی خیمہ ایسا نہیں ہے کہ اس کا عزیز ہونا مجھے آپ کے خیمے والوں سے بڑھ کر پسند ہو۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ [2] معاملہ بالکل ایسا ہی ہے۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگوں کو آپ کی بات پہنچا رہے تھے اور آپ کی طرف سے بیعت بھی لے رہے تھے۔ عورتوں سے مصافحہ کے بغیر صرف کلام کے ذریعہ بیعت ہوتی تھی۔

بعض لوگ رسول اللہ ﷺ سے ہجرت پر بیعت کرنے آئے۔ آپ نے فرمایا "اہل

---

[1] تفسیر مدارک نسفی' زیر آیت بیعۃ النساء۔
[2] صحیح بخاری' حدیث: ۳۸۲۵' ۷۱۶۱۔

ہجرت' ہجرت کا اجر لے گئے۔ فتح مکہ کے بعد (مکہ سے) ہجرت نہیں' البتہ جہاد اور نیت ہے اور جب تم سے جنگ میں نکلنے کے لئے کہا جائے تو نکل پڑو۔''[1]

مجرمین کے خون رائیگاں قرار دیئے گئے

رسول اللہ ﷺ نے اس دن کچھ اکابر مجرمین کے خون رائیگاں قرار دیے اور حکم دیا کہ اگر وہ خانہ کعبہ کے پردے سے لٹکے ہوئے پائے جائیں تو بھی ان کی گردن مار دی جائے۔ اس کی وجہ سے زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔ اب ان میں سے بعض پر تو کلمۂ عذاب برحق ہوا اور وہ مارے گئے اور بعض پر اللہ کی عنایت ہوئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ جو لوگ مارے گئے ان کے نام یہ ہیں:

ابن خطل' مقیس بن صبابہ' حارث بن نفیل' اور ابن خطل کی ایک لونڈی' اور کہا جاتا ہے کہ حارث بن طلاطل خزاعی اور ام سعد کو بھی مارا گیا۔ جب کہ ام سعد کے بارے میں احتمال ہے کہ وہی ابن خطل کی لونڈی رہی ہو' لہٰذا کل پانچ یا چھ افراد ہوئے۔

رہے وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا' یعنی جو پہلے بھاگ یا چھپ گئے' پھر ان کے لئے امان حاصل کی گئی اور وہ آکر مسلمان ہو گئے۔ تو یہ تھے:

عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح' عکرمہ بن ابی جہل' ھبار بن اسود' اور ابن خطل کی ایک دوسری لونڈی کل چار افراد اور کہا جاتا ہے کہ کعب بن زہیر' اور وحشی بن حرب اور ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی۔ کل سات افراد۔ (رضی اللہ عنہم)

کچھ اور لوگ اپنی جان کے خوف سے چھپ گئے تھے' حالانکہ ان کے خون رائیگاں قرار نہ دیے گئے تھے۔ ان میں یہ نام آتے ہیں:

صفوان بن امیہ' زہیر بن ابی امیہ' اور سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہم پھر یہ سب مسلمان ہو گئے۔ وللہ الحمد۔

فتح کی نماز

رسول اللہ ﷺ چاشت کے وقت ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں داخل ہوئے اور غسل کر کے آٹھ رکعت فتح کی نماز پڑھی' ہر دو رکعت پر سلام

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۱۸۳۴' ۲۷۸۳' ۲۸۲۵' ۳۰۷۷' ۳۱۸۹۔

پھیرا۔ [1] ام ہانی نے اپنے دو دیوروں کو پناہ دے رکھی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ انھیں قتل کرنا چاہتے تھے۔ ام ہانی نے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جسے تم نے پناہ دی ہے' اسے ہم نے پناہ دی۔" [2]

کعبے کی چھت پر اذان بلالی

نماز ظہر کا وقت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انھوں نے کعبہ کی چھت پر اذان دی۔ یہ غلبۂ اسلام کے اعلان کا ہم معنی تھا اور یہ جس قدر مشرکین کو ناگوار تھا' اسی قدر مسلمانوں کے لئے خوش گوار تھا۔ وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

مکے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام

جب مکہ کی فتح مکمل ہو چکی تو انصار کو اندیشہ ہوا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں مقیم نہ ہو جائیں' کیونکہ یہ آپ کا اور آپ کے خاندان اور قبیلے کا شہر تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر ہاتھ اٹھائے دعا فرما رہے تھے' دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا "اللہ کی پناہ! اب زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے۔"

اس سے انصار مطمئن ہو گئے' ان کا خوف جاتا رہا اور وہ خوش ہو گئے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں انیس روز قیام فرمایا اور اس دوران آثار اسلام کی تجدید کی۔ مکہ کو آثار جاہلیت سے پاک کیا۔ نئے سرے سے حرم کے ستون نصب کئے اور آپ کے منادی نے اعلان کیا کہ "جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے گھر میں کوئی بت نہ چھوڑے' بلکہ اسے توڑ دے۔"

عزیٰ' سواع اور منات کا خاتمہ

۲۵ رمضان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سواروں کے ساتھ حضرت خالد بن ولید کو عزیٰ اور اس کا بت خانہ ڈھانے کے لئے "نخلہ" روانہ کیا۔ حضرت خالد نے جاکر اسے ڈھایا۔ یہ مشرکین کا سب سے بڑا بت تھا۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۱۱۰۳' ۱۱۷۶' ۴۲۹۲۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۳۵۷' ۳۱۷۱' ۶۱۵۸۔

پھر آپ ﷺ نے رمضان ہی میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ''سواع'' نامی بت ڈھانے کے لئے روانہ کیا۔ یہ ہذیل کا سب سے بڑا بت تھا۔ اس کا استھان مکہ سے شمال مشرق میں ۱۵۰ کلو میٹر کے فاصلے پر ''رہاط'' نامی مقام پر تھا۔ حضرت عمرو نے اسے جاکر ڈھایا اور اس کا مجاور بت کی بے بسی دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

پھر آپ ﷺ نے سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو اسی ماہ رمضان میں بیس سوار دے کر ''منات'' کی جانب روانہ کیا۔ یہ قدید کے پاس مشلل میں تھا۔ اور یہ کلب' خزاعہ' غسان اور اوس وخزرج کا بت تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جاکر اسے توڑ دیا اور بت خانہ ڈھا دیا۔

بنو جذیمہ کے پاس حضرت خالد کی روانگی

پھر آپ ﷺ نے ماہ شوال میں حضرت خالد بن ولید کو بنوجذیمہ کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا۔ ان کے ساتھ مہاجرین وانصار اور بنو سلیم کے ساڑھے تین سو افراد تھے' جب انہیں اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے کہا ((صَبَأْنَا صَبَأْنَا)) ''ہم نے اپنا دین چھوڑا' ہم نے اپنا دین چھوڑا۔'' اس پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل اور قید کر لیا اور پھر ایک دن حکم دیا کہ ہر آدمی اپنے قیدی کو قتل کر دے' لیکن حضرت ابن عمر اور ان کے ساتھیوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور واپس آ کر نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا ہے۔

آپ نے ہاتھ اٹھا کر دو بار کہا ''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے میں اس سے تیری طرف براءت اختیار کرتا ہوں۔'' [1]

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مال دے کر بھیجا اور انہوں نے ان مقتولین کی دیت دی اور ان کا جو مال ضائع ہوا تھا اس کا معاوضہ دیا۔ کچھ مال اضافی بچ رہا تو وہ بھی ان ہی کے لئے چھوڑ دیا۔

اس موقع پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا تھا' اس کی وجہ سے ان میں اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں کچھ سخت کلامی اور بدگمانی ہو گئی تھی۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۴۳۳۹' ۷۱۸۹۔

جب لوگوں نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا ''خالد ٹھہر جاؤ' میرے رفقاء کو کچھ کہنے سے باز رہو۔ واللہ! اگر احد پہاڑ (کے برابر) سونا ہو۔ پھر تم اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو' تب بھی میرے رفقاء میں سے کسی ایک آدمی کی ایک صبح کی عبادت یا ایک شام کی عبادت کو نہیں پہنچ سکتے۔'' [1]

---

[1] اس غزوے کی تفصیل کے لیے دیکھئے' سیرت ابن ہشام ۳۸۹/۲ تا ۴۳۷۔ زادالمعاد ' ۱۶۰/۲' ۱۶۸۔ صحیح بخاری 'کتاب المناسک' کتاب الجہاد' کتاب المغازی' صحیح مسلم '۴۳۷/۱' ۴۳۹' ۱۰۲/۲' ۱۰۳' ۱۳۰۔

❀ ❀ ❀

غزوۂ حنین

﴿شوال ۸ سنہ ہجری﴾

مکہ فتح ہو چکا تو قیس عیلان کے قبائل مشورے کے لیے اکٹھے ہوئے۔ ان میں ثقیف وہوازن پیش پیش تھے۔ انہوں نے کہا:

"محمد اپنی قوم کی جنگ سے فارغ ہو چکے ہیں' اب انھیں ہمارے ساتھ جنگ سے روکنے والا کوئی نہیں' لہٰذا کیوں نہ ہم ہی پہل کریں۔ چنانچہ انہوں نے جنگ کا فیصلہ کر لیا اور اپنی سپہ سالاری کے لئے مالک بن عوف نصری کو منتخب کیا اور ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے اوطاس میں اتر پڑے۔ ان کے ساتھ عورتیں' بچے اور مال مویشی بھی تھے۔ لشکر میں درید بن صمہ بھی تھا' جو رائے کی پختگی کے لئے مشہور تھا۔ اس نے بچوں اور جانوروں کی آواز سنی' تو مالک سے اس کی وجہ دریافت کی۔

اس نے کہا "میں نے سوچا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کے اہل اور مال کو لگا دوں' تاکہ وہ ان کی حفاظت کے جذبے کے ساتھ جنگ کرے۔"

درید نے کہا "واللہ! بھیڑ کے چرواہے ہو' بھلا شکست کھانے والے کو بھی کوئی چیز روک سکتی ہے؟ دیکھو! اگر جنگ میں تم غالب رہے' تو بھی کار آمد تو محض آدمی ہی اپنی تلوار اور نیزے کے ساتھ ہو گا اور اگر شکست کھا گئے' تو تمہیں اپنے اہل اور مال کے سلسلے میں رسوا ہونا پڑے گا۔"

پھر درید نے مشورہ دیا کہ انہیں ان کے علاقے میں واپس بھیج دو' لیکن مالک نے اس کی رائے قبول نہ کی' بال بچوں اور ان مویشیوں کو وادیٔ اوطاس میں جمع کیا اور خود فوجیوں کو لے کر وادیٔ حنین میں منتقل ہو گیا' جو وادیٔ اوطاس کے بازو میں ہے اور وہاں کے فوجیوں کو کمین گاہوں میں چھپا دیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو ان کے اجتماع کا علم ہوا تو آپ مکہ سے ہفتہ ۶ شوال کو روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ بارہ ہزار کا لشکر تھا۔ اس موقع پر آپ نے صفوان بن امیہ سے ایک سو زرہیں سازو سامان سمیت ادھار لیں اور مکہ کا انتظام عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو سونپا۔

راستے میں لوگوں نے بیر کا ایک بڑا سا درخت دیکھا' جس پر عرب اپنا ہتھیار لٹکاتے تھے' وہاں جانور ذبح کرتے تھے اور درگاہ لگاتے تھے۔ اسے ''ذات انواط'' کہا جاتا تھا۔

بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ''آپ ہمارے لئے بھی ''ذات انواط'' بنا دیجئے' جیسے ان کے لئے ''ذات انواط'' ہے۔''

آپ نے فرمایا ''اللہ اکبر! تم نے تو ویسی ہی بات کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہی تھی:

﴿ اَجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ﴾ (الأعراف ۷/ ۱۳۸)

''ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دیجئے جیسے ان کے لئے معبود ہیں''

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا تھا کہ ''تم لوگ جہالت (کی بات) کر رہے ہو۔'' (پھر آپ نے فرمایا) ''یہ طور طریقے ہیں۔ تم لوگ بھی یقیناً پہلوں کے طور طریقے اپناؤ گے۔'' [۱]

بعض لوگوں نے لشکر کی کثرت کے پیش نظر کہا ''آج ہم مغلوب نہ ہوں گے۔''

یہ بات رسول اللہ ﷺ پر گراں گزری۔ شام ہوئی تو ایک سوار نے آکر خبر دی کہ بنوہوازن' عورتوں' بچوں اور اونٹ' بکریوں سمیت نکلے ہیں۔ آپ نے تبسم فرمایا اور کہا: ''کہ یہ کل ان شاء اللہ مسلمانوں کا مال غنیمت ہو گا۔'' [۲]

۱۰ شوال ۸ ہجری کی رات رسول اللہ ﷺ حنین پہنچے۔ وادی میں داخل ہونے سے پہلے سحر کے وقت لشکر کو مرتب فرمایا۔ مہاجرین کا پرچم حضرت علی بن ابی طالب کو دیا۔ اوس کا پرچم اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور خزرج کا پرچم حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو اور کچھ دوسرے پرچم

---

[۱] مسند احمد' ۲۱۸/۵- ترمذی' فتن' باب لترکبن' سنن من کان قبلکم' ۴۱۲/۲-

[۲] سنن ابی داود' الجهاد' فضل الحرس فی سبیل اللہ ۱۰/۲-

دوسرے قبائل کو دیئے۔ دو زرہیں پہنیں' سر اور چہرے پر خود لگائی۔ اس کے بعد ہراول دستے نے وادی میں اترنا شروع کیا۔ اسے چھپے ہوئے دشمن کی موجودگی کا علم نہ تھا۔ ابھی وہ اتر ہی رہا تھا کہ اچانک دشمن نے ٹڈی دل کی طرح تیروں کی بارش کر دی' پھر وہ فرد واحد کی طرح ٹوٹ پڑا۔ اس اچانک حملے سے ہراول دستے میں اضطراب پھیل گیا اور اس میں موجود مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے' جو لوگ پیچھے تھے' وہ بھی انہی کے ساتھ ہو لئے اور یوں شکست ہو گئی۔ اس صورت حال سے بعض مشرکین اور بعض نو مسلم خوش ہو گئے۔

ابو سفیان نے کہا "اب ان کی بھگدڑ سمندر سے پہلے نہ رکے گی"

اور صفوان کے ایک بھائی نے کہا "آج جادو باطل ہو گیا۔"

اور اس کے ایک اور بھائی نے کہا "محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کی شکست کی خوش خبری سن لو' اب یہ اس کو کبھی نہیں جوڑ سکتے۔"

مگر اس پر مشرک صفوان اور نو مسلم عکرمہ بن ابی جہل بگڑ گئے اور دونوں کو ڈانٹ پلائی۔

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ کہ آپ تھوڑے سے انصار اور مہاجرین کی معیت میں ثابت قدم رہے' بلکہ آپ دشمن کی طرف بڑھنے کے لئے خچر کو ایڑ لگاتے اور فرماتے جارہے تھے!

أَنَـا الـنَّـبِيُّ لاَ كَـذِبْ أَنَـا ابْـنُ عَـبْـدِالْمُـطَّلِبْ

"میں نبی ہوں' جھوٹا نہیں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔"

ابو سفیان بن حارث نے آپ کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ حضرت عباس نے رکاب تھام رکھی تھی' تاکہ دشمن کی طرف تیزی سے نہ جائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ خچر سے اتر گئے' اور اپنے رب سے دعا کی اور مدد مانگی اور حضرت عباس کو --- جن کی آواز خاصی بلند تھی--- حکم دیا کہ آپ کے صحابہ کو پکاریں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پکارا --- اپنی آواز سے وادی بھر دی--- اے درخت والو! (بیعت رضوان والو!) کہاں ہو؟

یہ سن کر وہ اس طرح مڑے' جیسے گائے اپنے بچوں پر مڑتی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے

"ہاں! ہاں! آئے' آئے۔"

اس طرح جب سو آدمی جمع ہو گئے تو آپ نے دشمن کا سامنا کیا اور لڑائی شروع کر دی۔ اس کے بعد انصار کی پکار شروع ہوئی' پھر بنو الحارث بن خزرج میں محدود ہو گئی۔ ادھر مسلمان دستے ایک کے پیچھے ایک' آتے چلے گئے' یہاں تک کہ آپ کے گرد بڑی جماعت جمع ہو گئی [1] اور اللہ نے اپنے رسول ﷺ اور مؤمنین پر سکینت نازل کی اور ان دیکھا لشکر اتارا۔ چنانچہ مسلمانوں نے پلٹ کر حملہ کیا اور دھواں دھار جنگ شروع ہو گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اب چولھا گرم ہو گیا ہے۔"

پھر آپ نے ایک مٹھی مٹی لے کر قوم کے چہرے پر ماری۔

اور فرمایا: ((شَاهَتِ الْوُجُوْهُ)) "چہرے بگڑ جائیں۔"

اس مٹی سے ان کی آنکھیں بھر گئیں۔ اس کے بعد ان کی دھار کند اور ان کا کام بچھڑتا چلا گیا' یہاں تک کہ وہ پراگندہ ہو کر بھاگ چلے اور مسلمانوں نے مارتے پکڑتے ان کا پیچھا کیا۔ چنانچہ عورتوں' بچوں کو پکڑ لیا اور بہت سے فوجیوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ اس دن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھی بہت سے زخم آئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اللہ کی عنایت دیکھ کر بہت سے مشرکین مکہ مسلمان ہو گئے۔

مشرکین کا تعاقب

مشرکین بھاگے تو تین گروہوں میں بٹ گئے۔ سب سے بڑا گروہ "طائف" (کی جانب) بھاگا۔ دوسرے گروہ نے "نخلہ" کا رخ کیا اور تیسرے گروہ نے "اوطاس" میں مورچہ بندی کی۔ آپ نے اوطاس میں ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے چچا ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا۔ انہوں نے دشمن کو پراگندہ کر کے سارے مال غنیمت پر قبضہ کر لیا' البتہ خود ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ معرکے میں شہید ہو گئے اور ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سنبھالی اور کامیاب و کامران واپس ہوئے۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۲۸۶۴' ۲۸۷۴' ۲۹۳۰' ۳۰۴۲' ۴۳۱۵' ۴۳۱۶' ۴۳۱۷۔ صحیح مسلم' ۲/ ۱۰۰۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۴۳۲۳۔

ادھر مسلمان سواروں کی ایک جماعت نے "نخلہ" بھاگنے والے مشرکین کا تعاقب کیا اور درید بن صمہ کو جا پکڑا اور اسے قتل کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت اور قیدیوں کو جمع کرنے کا حکم دیا، جس کی کل مقدار یہ تھی:

اونٹ تقریباً چوبیس ہزار، بکریاں چالیس ہزار سے زیادہ، چاندی چار ہزار اوقیہ (یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم)، عورتیں اور بچے چھ ہزار۔

ان سب کو جِعِرَّانہ میں جمع کر کے حضرت مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کو ان کا نگراں مقرر فرمایا۔

غزوۂ طائف (شوال سنہ ۸ ہجری)

اس کے بعد آپ ﷺ نے طائف کا رخ کیا۔ راستے میں مالک بن عوف نصری کے قلعے سے گزرے، تو اسے ڈھانے کا حکم دیا۔ طائف پہنچے، تو دشمن ایک سال کی خوراک کا انتظام کر کے قلعہ بند ہو چکا تھا، لہٰذا اس کا محاصرہ کر لیا۔ پہلے مسلمانوں کا پڑاؤ قریب تھا، اس لئے دشمن نے تیر برسا کر مسلمانوں کو زخمی کر دیا، لہٰذا وہ اس مقام پر اٹھ آئے جہاں آج طائف کی مسجد ہے۔

مسلمانوں نے دشمن کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے لئے کئی تدبیریں اختیار کیں، لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ روزانہ نکل کر دعوت مبارزت دیتے، لیکن کبھی کوئی آدمی سامنے نہ آیا۔ ان پر منجنیق نصب کیا گیا، لیکن یہ بھی کارگر نہ ہوئی۔ مسلمان جانبازوں کا ایک گروہ دو دبابوں (ٹاپوں) میں گھس کر نقب لگانے کے لئے قلعہ کی دیوار تک پہنچا، لیکن دشمن نے ان پر لوہے کے جلتے ٹکڑے پھینکے، جس سے وہ واپسی پر مجبور ہو گیا اور دیوار میں نقب نہ لگا سکا۔ ان کے انگور اور کھجور کے درخت کاٹے گئے، مگر انہوں نے اللہ اور قرابت کا واسطہ دیا تو چھوڑ دیئے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا:

"جو غلام قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آجائے وہ آزاد ہے۔"

اس اعلان پر تیئس (۲۳) غلام اتر آئے۔ انہی میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ قلعہ کی دیوار پر چڑھ کر ایک چرخی کی مدد سے، جس کے ذریعہ رہٹ سے پانی کھینچا جاتا ہے، لٹک کر نیچے آگئے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابو بکرہ رکھ دی۔ (عربی میں چرخی کو بکرہ کہتے ہیں) غلاموں کا یہ فرار قلعہ والوں کے لیے جانکاہ تھا۔ [۱]

محاصرہ نے طول پکڑا اور فائدہ کچھ نہ ہوا۔ چنانچہ محاصرہ پر تقریباً بیس دن اور کہا جاتا ہے کہ پورا ایک مہینہ گزر گیا، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن معاویہ دیلی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔

انہوں نے کہا: "لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے، اگر آپ ڈٹ گئے تو پکڑ لیں گے، اگر چھوڑ بھی دیں تو یہ آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔"

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کا اعلان فرمایا۔ بعض لوگوں نے گزارش کی کہ آپ ان پر بددعا کر دیں۔

آپ نے فرمایا "اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انھیں مسلمان بنا کر لے آ۔"

اموال غنیمت اور قیدیوں کی تقسیم

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے "جِعِرَّانہ" واپس آ کر دس دن سے زیادہ ٹھہرے رہے اور مال غنیمت تقسیم نہ فرمایا۔ آپ کو انتظار تھا کہ ہوازن توبہ کر کے آجائیں اور اپنے مال اور قیدی واپس لے جائیں، لیکن جب کوئی نہ آیا تو آپ نے غنیمت سے خمس نکالا اور اسے تالیف قلب کے لیے کمزور اسلام والوں کو دیا اور کچھ ایسے لوگوں کو بھی دیا، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، تاکہ ان کی نظر میں بھی اسلام محبوب ہو جائے۔ چنانچہ ابو سفیان کو چالیس اوقیہ چاندی (ایک ہزار چھ سو درہم) اور ایک سو اونٹ دیے۔ پھر اتنا ہی اس کے بیٹے یزید کو دیا اور پھر اتنا ہی اس کے دوسرے بیٹے معاویہ کو دیا۔ صفوان بن امیہ کو سو، پھر سو، پھر سو۔ یعنی تین سو اونٹ دیے۔ حکیم بن حزام، حارث بن حارث بن کلدہ، عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس، عباس بن مرداس، علقمہ بن علاثہ، مالک بن عوف، علاء بن

---

[۱] صحیح بخاری، حدیث: ۴۳۲۶، ۴۳۲۷۔

حارثہ‘ حارث بن ہشام‘ جبیر بن مطعم‘ سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالعزیٰ وغیرھم کو سو سو اونٹ دیئے۔ کچھ اور لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ دیئے‘ یہاں تک کہ لوگوں میں شہرہ ہو گیا کہ:

"محمد ﷺ اس طرح بے دریغ عطیہ دیتے ہیں کہ انہیں فقر کا اندیشہ ہی نہیں۔"

چنانچہ مال کی طلب میں بدو آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے اور آپ کو ایک درخت کی جانب سمٹنے پر مجبور کر دیا‘ جس میں آپ کی چادر پھنس گئی۔

آپ نے فرمایا "میری چادر دے دو‘ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر میرے پاس تہامہ کے درختوں کی تعداد میں بھی چوپائے ہوتے تو میں انہیں تم میں تقسیم کر دیتا‘ پھر تم مجھے نہ بخیل پاتے نہ بزدل نہ جھوٹا۔"

پھر آپ نے ایک اونٹ کی کوہان سے کچھ بال لئے اور فرمایا "واللہ! میرے لئے تمہارے "مال فے" میں سے کچھ بھی نہیں‘ حتیٰ کہ اتنا سا بال بھی نہیں۔ صرف خمس ہے اور خمس بھی تم ہی پر پلٹا دیا جاتا ہے‘ لہٰذا سوئی اور دھاگا تک ادا کرو‘ کیونکہ خیانت‘ صاحب خیانت کے لئے قیامت کے روز عار‘ رسوائی اور آگ ہو گی۔"

یہ سن کر لوگوں نے ایک معمولی چیز تک‘ غنیمت سے جو کچھ لیا تھا سب واپس کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مال غنیمت تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ غنیمت کی مذکورہ مقدار کے حساب سے خمس نکالنے کے بعد ایک آدمی کے حصے میں جتنا مال غنیمت آتا ہے‘ اس کی مقدار یہ ہے:

تقریباً ڈیڑھ اونٹ‘ ڈھائی بکری‘ دس درہم‘ اور ایک قیدی کا ایک تہائی حصہ‘ اب اگر ایک آدمی کو دس درہم دے کر باقی کوئی ایک ہی چیز دی جائے تو اس کے حصے میں یا تو صرف چار اونٹ آئیں گے۔ یا صرف چالیس بکریاں‘ یا ایک قیدی کا صرف دو تہائی حصہ۔"

انصار کا شکوہ اور رسول اللہ ﷺ کا خطاب

انصار کو رسول اللہ ﷺ کے اس فعل پر حیرت ہوئی کہ آپ نے "مؤلفہ قلوب" کو اندازے سے بڑھ کر عطیے دیئے اور انصار کو کچھ نہ دیا۔ چنانچہ بعض انصار نے کہا:

"یہ کیسی تعجب کی بات ہے کہ آپ قریش کو دے رہے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیا ہے' حالانکہ ہماری تلواریں ان کے خون سے ٹپک رہی ہیں۔"

یہ بات انصار کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ نے آپ ﷺ کو پہنچائی۔ آپ نے صرف انصار کو جمع کیا' اللہ کی حمد و ثنا کی پھر اللہ نے آپ پر جو احسان کیا تھا' اسے ذکر فرمایا۔

پھر فرمایا "انصار کے لوگو! تم اپنے جی میں دنیا کی ایک حقیر سی گھاس کے لئے ناراض ہو گئے' جس کے ذریعہ میں نے لوگوں کا دل جوڑا تھا' تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں اور تم کو تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا۔ اے انصار! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے ڈیروں میں جاؤ؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا اور اگر سارے لوگ ایک راہ چلیں اور انصار دوسری راہ چلیں تو میں بھی انصار ہی کی راہ چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر۔"

اس پر لوگ اس قدر روئے کہ داڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے اور نصیب میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس آ گئے اور انصار بھی واپس ہو گئے۔ [1]

وفد ہوازن کی آمد (ذی قعدہ سنہ ۸ ہجری)

مال غنیمت تقسیم ہو چکا تو ہوازن کا وفد آ گیا۔ ان کا رئیس زہیر بن صرد تھا۔

انہوں نے اسلام قبول کیا' بیعت کی۔ پھر عرض پرداز ہوئے کہ:

"یا رسول اللہ (ﷺ)! آپ نے جنھیں گرفتار کیا ہے' ان میں مائیں ہیں' بہنیں ہیں' پھوپھیاں ہیں' خالائیں ہیں اور یہی قوموں کی رسوائی کا سبب ہوتی ہیں:

فَامْنُنْ عَلَيْنَا رَسُوْلَ اللهِ فِي كَرَمٍ ... فَإِنَّكَ الْمَرْءُ نَرْجُوْهُ وَنَنْتَظِرُ
امْنُنْ عَلَى نِسْوَةٍ قَدْ كُنْتَ تَرْضَعُهَا ... إِذْفُوْكَ تَمْلَؤُهُ مِنْ مَحْضِهَا الدِّرَرِ

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۴۳۳۰' ۴۳۳۱' ۴۳۳۲' ۴۳۳۳' ۴۳۳۴' ۴۳۳۷۔ سیرت ابن ہشام' ۴۹۹/۲' ۵۰۰۔

"لہٰذا' اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم پر احسان و کرم فرمائیے۔ آپ ایسے آدمی ہیں کہ آپ سے امیدیں وابستہ ہیں اور آپ کے کرم کا انتظار ہے۔ آپ ان عورتوں پر احسان کیجئے' جن کا دودھ پیتے تھے' جب آپ کا منہ ان کے دودھ کے موتیوں سے بھر جاتا تھا۔"
اور مزید چند اشعار کہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا "میرے ساتھ جو لوگ ہیں انہیں دیکھ ہی رہے ہو اور مجھے سچ بات زیادہ پسند ہے' لہٰذا قیدی اور مال میں سے کوئی ایک چیز چن لو"

انہوں نے کہا "ہمارے نزدیک خاندانی شرف کے برابر کوئی چیز نہیں۔ ہماری عورتیں اور بچے ہمیں واپس کر دیجئے اور ہم بکری اور اونٹ کے بارے میں کچھ نہ بولیں گے۔"

آپ نے فرمایا "اچھا تو جب میں ظہر کی نماز پڑھ لوں تو تم لوگ اٹھ پڑو' اپنے اسلام کا اظہار کرو اور کہو کہ ہم بھی آپ لوگوں کے دینی بھائی ہیں۔ پھر کہو کہ ہم رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کی جانب اور مسلمانوں کو رسول ﷺ کی جانب سفارشی بناتے ہیں کہ آپ ہمارے قیدی ہمیں واپس کر دیں۔"

ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کہ میرا اور بنو عبدالمطلب کا جو حصہ ہے وہ تمہارے لئے ہے اور میں ابھی لوگوں سے پوچھے لیتا ہوں۔"

اس پر انصار اور مہاجرین نے کہا "جو ہمارا حصہ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔"

البتہ بعض اعراب مثلاً اقرع بن حابس' عیینہ بن حصن اور عباس بن مرداس رضی اللہ عنہم نے انکار کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا "جو بخوشی واپس کر دے تو بہت اچھی راہ ہے' ورنہ واپس تو بہرحال کر دے اور آئندہ جو سب سے پہلا "مال فے" حاصل ہو گا' اس سے ہم اس کو ایک حصہ کے بدلے چھ حصے دیں گے۔"

اس کے بعد عیینہ بن حصن کے علاوہ سارے لوگوں نے بخوشی واپس کر دیا اور نبی ﷺ نے سارے قیدیوں کو ایک ایک قبطی چادر عطا فرمائی۔ [1] قیدی واپس کرنے کے بعد اب

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۲۳۰۷' ۲۳۰۸' ۲۵۳۹' ۲۵۴۰' ۲۵۸۳' ۲۵۸۴' ۲۶۰۷' ۲۶۰۸' ۳۱۳۱' ۳۱۳۲' ۴۳۱۸' ۴۳۱۹' ۷۱۷۶' ۷۱۷۷۔ سیاق سیرت ابن ہشام اور مغازی الواقدی کا ہے۔

ایک آدمی کے حصے میں یا تو صرف دو اونٹ آتے تھے یا بیس بکریاں۔

عمرۂ جِعِرَّانہ (ذی قعدہ سنہ ۸ ہجری)

مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ نے عمرے کا احرام باندھا۔ یہی عمرۂ جعرانہ ہے۔ [1] اور عمرے سے فارغ ہو کر مدینہ واپسی کی راہ لی اور ذی قعدہ میں ٦ دن یا ٣ دن باقی تھے' جب مدینہ پہنچ گئے۔ [2]

بنو تمیم کی تادیب اور ان کا قبول اسلام (محرم سنہ ۹ ہجری)

محرم ۹ ہجری میں مدینہ میں خبر پہنچی کہ بنو تمیم' قبائل کو جزیہ نہ دینے پر اکسا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن فزاری کی قیادت میں پچاس سواروں کا ایک دستہ بھیجا۔ انہوں نے صحراء میں حملہ کر کے ان کے گیارہ آدمی' اکیس عورتیں اور بچے گرفتار کر لئے اور انہیں مدینہ لے آئے۔ اس کے بعد بنو تمیم کے دس سردار آئے اور مقابلۂ خطابت وشاعری کی خواہش کی۔ چنانچہ ان کے خطیب عطارد بن حاجب نے خطبہ دیا۔ جس کا جواب حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے دیا۔ پھر ان کے شاعر زبرقان بن بدر نے اشعار کہے۔جواب میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار پیش کئے۔ انہوں نے اسلام کے خطیب اور شاعر کی فضیلت کا اعتراف کیا اور مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے قیدی واپس کر دیئے اور انہیں بہترین تحائف سے نوازا۔

بنو طے کے "فلس" کا انہدام اور عدی بن حاتم کا قبول اسلام

ربیع الاول ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں سو اونٹ اور پچاس گھوڑوں سمیت ڈیڑھ سو آدمیوں کا ایک دستہ بنو طی کا "فلس" نامی بت ڈھانے کے لئے روانہ کیا۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۱۷۷۸' ۱۷۸۰' ۳۰۶۶' ۴۱۴۸۔

[2] تاریخ ابن خلدون' ۴۸/۲' ان غزوات کے لیے نیز دیکھئے' زادالمعاد ۱۶۰/۲' ۲۰۱' سیرت ابن ہشام ۳۸۹/۲' ۵۰۱۔

حضرت علی کے ہاتھ میں کالا پرچم اور سفید جھنڈی تھی۔ انہوں نے جود و کرم میں شہرت یافتہ حاتم طائی کے محلے پر چھاپہ مارا۔ اونٹ بکریاں ہاتھ آئیں اور عورتوں بچوں کو قید کیا۔ قیدیوں میں حاتم طائی کی صاحبزادی "سفانہ" بھی تھیں۔ وہ جب مدینہ لائی گئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں ازراہ احسان بلا فدیہ چھوڑ دیا اور ان کا اکرام کرتے ہوئے انھیں سواری بھی دی۔ وہ ملک شام گئیں' جہاں ان کے بھائی عدی بن حاتم بھاگے ہوئے تھے۔ ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہا کہ "آپ ﷺ نے ایسا کام کیا ہے کہ تمہارا باپ بھی ویسا نہیں کر سکتا تھا' لہٰذا ان کے پاس رغبت یا خوف کے ساتھ جاؤ۔"

چنانچہ عدی کسی امان یا تحریر کے بغیر آگئے اور جب رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی تو وہیں مسلمان ہو گئے۔ (۱)

وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے آکر فاقے کی شکایت کی۔ پھر ایک دوسرے آدمی نے آکر رہزنی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

> "عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے؟ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی' تو تم دیکھو گے کہ ہودج نشین عورت حیرہ سے چل کر آئے گی' خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے اور اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ آدمی ہتھیلی بھر سونا چاندی لے کر نکلے گا اور ایسے آدمی کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کرے مگر کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔"

حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے ہودج نشین عورت کو نکلتے دیکھا اور کسریٰ کی فتح میں خود موجود رہے۔ (۲)

بنو تمیم کی تادیب اور بنو طی کے بت کی تباہی دو اہم واقعے تھے' جو فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد پیش آئے۔ ان کے علاوہ اس دوران بعض چھوٹے چھوٹے واقعات بھی پیش

---

(۱) مسند احمد ۴/۲۵۷' ۲۷۸۔ سیرت ابن ہشام ۵۸۱/۲۔ زادالمعاد' ۲/۲۰۵۔

(۲) صحیح بخاری' حدیث: ۱۴۱۳' ۱۴۱۷' ۳۵۹۵' ۶۰۲۳' ۶۵۳۹' ۶۵۴۰' ۶۵۶۳' ۷۴۴۳' ۷۵۱۲ ۷۵۱۲۔

آئے، لیکن مسلمانوں اور بت پرستوں میں جو محاذ آرائی چلی آرہی تھی، وہ فتح مکہ کے بعد عمومی طور پر ختم ہو گئی اور قریب تھا کہ مسلمان جنگوں کی مشقت سے چھٹکارا پا جائیں، لیکن فتح مکہ سے تھوڑے ہی دن پہلے جو نئی بات پیش آئی وہ یہ تھی کہ شام میں موجود عیسائی قوت نے مسلمانوں کا رخ کر لیا تھا۔ اور اسی کے نتیجہ میں معرکۂ موتہ پیش آیا تھا۔ چونکہ اہل فارس کے خلاف مسلسل کامیابی کی وجہ سے اس قوت میں حد درجہ تکبر آچکا تھا، اس لئے اس نے مسلمانوں کے ساتھ خونریز ٹکراؤ کا دروازہ کھول دیا۔ جس کے نتیجے میں نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں غزوۂ تبوک پیش آیا اور آپ ﷺ کے بعد "خلافت راشدہ" میں شام کی فتوحات حاصل ہوئیں۔

غزوۂ تبوک

رجب سنہ ۹ ہجری

معرکۂ موتہ کا اثر رومی قوت کے حق میں اچھا نہ تھا۔ صرف تین ہزار مسلمانوں نے دو لاکھ رومی طاقت کو دبانے میں جو کامیابی حاصل کی تھی' اس کا شام کے پڑوسی عرب قبائل پر بڑا زبردست اثر ہوا تھا۔ اور اب یہ قبائل آزادی وخود مختاری کے خواب دیکھ رہے تھے' لہٰذا رومیوں نے ایک فیصلہ کن جنگ کی ضرورت محسوس کی' جس میں وہ مسلمانوں کو ان کے اپنے گھر' مدینہ منورہ کے اندر ہی صاف کر دیں۔

رومیوں سے ٹکراؤ کے لئے مسلمانوں کی تیاری

ادھر رسول اللہ ﷺ کو ان کی تیاری کا علم ہوا تو آپ نے ہر جگہ مسلمانوں کو نکلنے کی منادی کرائی اور غزوے کی جہت کا واضح طور پر اعلان فرمایا' تاکہ لوگ مکمل تیاری کر لیں' کیونکہ زمانہ سخت گرمی کا تھا۔ لمبا سفر تھا' لوگ تنگی اور قحط سے دوچار تھے اور اب پھل پک چکے تھے اور سائے خوش گوار لگ رہے تھے اور لوگ اس میں قیام پسند کر رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل ثروت کو تنگ دستوں کی تیاری کی ترغیب دی اور ان سے جو کچھ بن سکا لے آئے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال لے آئے' جو چار ہزار درہم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

"اپنے اہل کے لئے بھی کچھ باقی چھوڑا ہے؟"

عرض کی "کہ ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال لائے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے' کہا جاتا ہے کہ دس ہزار دینار' پالان اور کجاوے سمیت تین سو اونٹ اور پچاس گھوڑے دیئے' اور

کہا جاتا ہے کہ انہوں نے نو سو اونٹ اور ایک سو پچاس گھوڑے دیئے۔ نبی ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

"آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انھیں نقصان نہ ہو گا۔"

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ دو سو اوقیہ (آٹھ ہزار درہم) چاندی لائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ بہت سا مال لائے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ' سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی مال لے کر آئے۔ حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نوے وسق (ساڑھے تیرہ ہزار کلو) کھجور لائے۔ بقیہ صحابہ نے بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق صدقات کی لائن لگا دی۔ یہاں تک کہ کسی نے ایک مد' دو مد صدقہ کیا چونکہ وہ اس سے زیادہ کی طاقت ہی نہیں رکھتے تھے' عورتوں نے بھی جو کچھ ہو سکا' زیورات تک بھیجے۔

تنگ دست صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے سواری طلب کرنے آئے۔ آپ نے فرمایا:

"میں کچھ نہیں پاتا' جس پر آپ لوگوں کو سوار کروں۔"

تو وہ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں اس افسوس میں اشکبار تھیں کہ وہ خرچ کرنے کو کچھ نہ پا سکے۔" چنانچہ انھیں حضرت عثمان اور حضرت عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم نے تیار کیا۔

اس موقع پر منافقین نے چہ میگوئی بھی کی۔ چنانچہ جنھوں نے زیادہ خرچ کیا' انھیں ریاکاری کے طعنے دیئے۔ جنھوں نے کم خرچ کیا' ان کا مذاق اڑایا اور رومیوں سے ٹکراؤ کی جرأت پر رسول اللہ ﷺ کا بھی مذاق اڑایا۔ جب باز پرس ہوئی۔ تو کہنے لگے "ہم تو محض دل لگی کر رہے تھے۔"

ادھر منافقین اور بدوی بناوٹی عذر لے لے کر آئے اور نبی ﷺ سے غزوے میں عدم حضوری کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ ان کے علاوہ بعض مسلمان محض سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔

اسلامی لشکر راہ تبوک میں

اس تیاری کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا انتظام محمد بن مسلمہ کو سونپا' بال بچوں پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو

مقرر کیا۔ لشکر کا سب سے بڑا پرچم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیا اور کئی لوگوں کو جھنڈے عطا فرمائے۔ چنانچہ مہاجرین کا جھنڈا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دیا' اوس کا جھنڈا اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کو اور خزرج کا جھنڈا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو۔ جمعرات کے دن مدینہ سے کوچ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر تھا اور منزل مقصود تبوک تھی۔ سواری اور توشے کی سخت قلت تھی' اٹھارہ اٹھارہ آدمی ایک ہی اونٹ پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ لوگوں نے درخت کے پتے کھائے' یہاں تک کہ ان کے ہونٹ سوج گئے۔ سواریوں کی قلت کے باوجود اونٹ ذبح کرنے پر مجبور ہوئے' تاکہ ان کے معدے اور آنتوں کا پانی پی سکیں۔

لشکر ''تبوک'' کے راستے پر رواں دواں تھا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آن ملے۔ وہ منافقین کے طعنے برداشت نہ کر سکے اور نکل آئے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس کر دیا اور فرمایا:

''کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ مجھ سے تمہیں وہی نسبت ہو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت ہارون علیہ السلام کو تھی' البتہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔'' [1]

صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثمود کی سرزمین ''حجر'' میں اترے' اس کے کنویں سے پانی لیا اور آٹا گوندھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان کے کنویں سے لیا ہوا پانی بہا دیں' گوندھا ہوا' آٹا جانوروں کو کھلا دیں اور صرف اس کنویں سے پانی لیں' جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔

اور جب ثمود کے اس علاقے سے گزرے تو آپ نے یہ بھی فرمایا:

''ان ظالموں کی جائے سکونت میں گریہ کناں داخل ہونا کہ کہیں تم پر بھی وہی مصیبت نہ آن پڑے جو ان پر آئی تھی۔''

پھر اپنا سر ڈھکا اور تیزی سے چل کر وادی پار کر گئے۔ [2] راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نمازیں' مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھتے تھے۔ جمع تقدیم بھی فرماتے

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۷۰۶' ۴۴۱۶۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۴۳۳' ۳۳۸۰' ۳۳۸۱' ۴۴۱۹' ۴۴۲۰' ۴۷۰۲۔

تھے اور جمع تاخیر بھی۔ (1)

تبوک میں اتر چکے' تو حضرت ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ آن ملے۔ یہ سچے مومن تھے۔ بغیر کسی عذر کے بچھڑ گئے تھے۔ سخت گرمی کا دن تھا۔ اپنے باغ میں آئے' تو دیکھا کہ دونوں بیویوں نے اپنے اپنے چھپر پانی کے چھینٹے دے کر آراستہ کر رکھے ہیں۔ کھانا اور ٹھنڈا پانی بھی فراہم کر رکھا ہے۔ انہوں نے کہا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سخت گرمی میں ہیں اور ابو خیثمہ ٹھنڈے سائے' میٹھے پانی اور خوبصورت عورتوں میں؟ یہ انصاف نہیں' واللہ! میں تم میں سے کسی کے چھپر میں داخل نہ ہوں گا' یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملوں' تم دونوں میرے لئے توشہ تیار کردو۔"

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر ابو خیثمہ رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئے' تلوار اور نیزہ لیا اور چل پڑے' یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت ملے جب آپ تبوک میں اتر چکے تھے۔

تبوک میں بیس دن

رومیوں کو "تبوک" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا علم ہوا' تو ان کے حوصلے ٹوٹ گئے۔ مقابلے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ اندرون ملک بکھر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن قیام فرما کر دشمن پر رعب ڈالا اور وفود کا استقبال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس "ایلہ" کا حاکم یوحنا بن رؤبہ آیا۔ اس کے ساتھ "جرباء' اذرح اور مینا" کے بھی وفود تھے' انہوں نے جزیہ کی ادائیگی پر صلح کی اور مسلمان نہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوحنا کو ایک تحریر دی' جس میں اس کو اور باشندگان "ایلہ" کو امان دی اور ان کی کشتیوں اور قافلوں کو سمندر اور خشکی میں ضمانت دی اور آمد ورفت کی آزادی عطا فرمائی اور یہ کہ کسی نے کوئی گڑبڑ کی تو اس کا مال اس کی جان کے آڑے نہ آسکے گا۔

اسی طرح آپ نے ایک تحریر "جرباء اور اذرح" کے باشندوں کے لئے لکھی' جس میں ان کو امان دی اور یہ کہ ان پر ہر رجب میں سو دینار ہوں گے۔ اہل "میناء" نے آپ سے چوتھائی پھل کی ادائیگی پر صلح کی۔

---

(1) صحیح مسلم' مستدرک حاکم' مستخرج ابی نعیم۔

"دومۃ الجندل" کے اُکیدِر کی گرفتاری

رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس سواروں کی معیت میں دومۃ الجندل کے اکیدر کی طرف روانہ کیا اور فرمایا:

"کہ تم اسے نیل گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے۔"

حضرت خالد تشریف لے گئے' جب فاصلہ اتنا رہ گیا کہ قلعہ نظر آ رہا تھا' تو ایک نیل گائے نکلی اور قلعہ کے دروازے پر سینگ رگڑنے لگی۔ اکیدر اس کے شکار کو نکلا' مگر خالد رضی اللہ عنہ نے خود اکیدر کو شکار کر لیا اور اسے گرفتار کر کے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ ﷺ نے جان بخشی فرمائی اور دو ہزار اونٹ' آٹھ سو غلام' چار سو زرہوں اور چار سو نیزوں پر صلح فرمائی۔ اس نے "ایلہ اور میناء" والوں کی شرائط پر جزیہ بھی دینے کا اقرار کیا۔

مدینہ کو واپسی

بیس دن کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ واپسی کی راہ لی' راستے میں آتے جاتے تیس دن لگے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کل پچاس دن مدینہ سے باہر رہے۔

راستے میں لشکر ایک گھاٹی سے گزرا' لوگوں نے وادی کی راہ لی اور رسول اللہ ﷺ نے گھاٹی کا راستہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ صرف حضرت عمار رضی اللہ عنہ تھے' جو اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے' اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ تھے' جو اونٹنی کو ہانک رہے تھے۔ موقع غنیمت جان کر بارہ منافقین نے قتل کے ارادے سے آپ کا پیچھا کیا اور آپ کے انتہائی قریب آ گئے۔ یہ چہروں پر ڈھاٹا باندھے ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ان کی سواریوں کے چہروں پر اپنی ڈھال سے ضرب لگائیں۔ انہوں نے ضرب لگائی' تو اللہ نے منافقین پر رعب ڈال دیا اور وہ تیزی سے بھاگ کر لوگوں میں جا ملے۔ رسول اللہ ﷺ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کے نام بھی بتلائے اور ان کا ارادہ بھی۔ چنانچہ انہیں رسول اللہ ﷺ کا رازداں کہا جانے لگا۔

مسجد ضرار کا انہدام

منافقین نے ضرر رسانی' کفر' مؤمنین میں تفریق اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والوں کو گھات کی جگہ فراہم کرنے کے

لئے قباء میں ایک مسجد بنائی تھی اور رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی تھی کہ آپ اس مسجد میں ان کے لئے نماز پڑھ دیں۔ اس وقت آپ ﷺ تبوک کیلئے تیار ہو رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

"کہ ابھی تو ہم سفر پر ہیں' البتہ واپس آئے تو ان شاء اللہ' لیکن جب آپ تبوک سے واپسی میں "ذی اوان" میں اترے اور مدینہ ایک دن یا اس سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے نازل ہو کر مسجد کی اصل حقیقت بتائی اور نماز پڑھنے سے منع کیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے آدمی بھیج کر اسے جلا اور مسمار کرا دیا۔

اہل مدینہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کا استقبال جب مدینہ کے آثار دکھائی پڑنے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

"یہ رہا طابہ' اور یہ رہا احد' یہ وہ پہاڑ ہے' جو ہم سے محبت کرتا ہے اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔" [1]

ادھر لوگوں نے آپ کی آمد کی خبر سنی تو استقبال میں عورتیں اور بچے' بچیاں نکل پڑیں [2] جو یہ شعر گنگنا رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

"ہم پر ثنیۃ الوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک پکارنے والا اللہ کو پکارے ہم پر شکر واجب ہے۔"

آپ ﷺ تشریف لائے' مسجد میں داخل ہوئے' دو رکعت نماز پڑھی اور لوگوں کے لئے بیٹھ گئے۔

مخلفین جو منافقین پیچھے رہ گئے تھے' انہوں نے آکر معذرت کی اور قسمیں کھائیں۔ آپ ﷺ نے ان کا ظاہر قبول کر لیا اور باطن اللہ کے حوالے کر دیا۔ تین سچے مومن بھی آئے جو پیچھے رہ گئے تھے اور یہ تھے:

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۱۴۸۱' ۱۸۸۲' ۴۴۲۲۔

[2] صحیح بخاری' حدیث: ۴۴۲۶' ۴۴۲۷۔

کعب بن مالک‘ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ۔

انہوں نے سچ سچ کہا اور کوئی عذر نہیں تراشا۔ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اللہ کے فیصلے کا انتظار کریں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان سے بات نہ کریں۔ چنانچہ ان کے لئے لوگ بدل گئے‘ زمین انجانی ہو گئی‘ اپنے آپ سے تنگ آگئے اور دنیا اندھیر ہو گئی۔ چالیس دن گزرے تو مزید حکم آیا ”کہ اپنی عورتوں کے قریب نہ جائیں۔“

پھر پچاس دن پورے ہوئے تو اللہ نے ان کی توبہ نازل کی‘ فرمایا:

﴿ وَعَلَى ٱلثَّلَٰثَةِ ٱلَّذِينَ خُلِّفُوا۟ حَتَّىٰٓ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ ٱلْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوٓا۟ أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ ٱللَّهِ إِلَّآ إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۱۱۸)

”اور اللہ نے ان تین آدمیوں (کی بھی توبہ قبول کی)‘ جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا‘ یہاں تک کہ جب زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔ ان کی جان پر بن آئی اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ سے (بھاگ کر) پناہ کی کوئی جگہ اور نہیں ہے‘ اگر ہے تو اسی کی طرف ہے‘ تو اللہ نے ان پر مہربانی کی‘ تاکہ وہ توبہ کریں۔ یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔“

اس سے مسلمانوں اور پیچھے رہ جانے والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ لوگوں نے ایک دوسرے کو خوش خبری اور مبارک باد دی۔ انعام دیئے اور صدقے کئے اور یہ ان کی زندگی کا مبارک ترین دن تھا۔ [1]

جب کہ کچھ اور آیتوں نے منافقین کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ ان کے جھوٹ کا راز کھول دیا اور سچے مؤمنین کو بشارتیں دیں۔ پس تعریف جہانوں کے پروردگار کے لئے ہے۔ [2]

---

[1] اس بارے میں حدیث بخاری میں بالتفصیل مروی ہے‘ نمبر: ۴۴۱۸ وغیرہ اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی موجود ہے۔

[2] غزوے کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام‘ ۲/۵۱۵‘ ۷ ۵۳۔ زادالمعاد‘ ۳/۲‘ ۱۳۔ صحیح مسلم مع شرح نووی ۲/۲۴۶۔ فتح الباری ۸/۱۱۰‘ ۱۲۶۔

رسول اللہ ﷺ رجب سنہ ۹ ہجری میں تبوک سے واپس ہوئے۔ اسی مہینے نجاشی شاہ حبش ''اصحمہ بن ابجر'' نے وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ان کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی۔

پھر شعبان ۹ ہجری میں آپ کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی' بقیع میں دفن فرمایا اور ان پر سخت غمگین ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

''اگر میرے پاس تیسری لڑکی ہوتی تو اس سے بھی تمہاری شادی کر دیتا۔''

پھر ذی قعدہ ۹ ہجری میں منافقوں کا سردار عبد اللہ بن ابی فوت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے دعائے مغفرت کی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے آپ ﷺ کو روکنے کی کوشش کی' مگر آپ نہ مانے' لیکن پھر قرآن نازل ہو گیا' جس میں منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔

غزوات کے متعلق چند کلمات

جاہلیت میں جنگ کے معنی تھے' بغیر کسی رحم و مروت کے' قتل وغارت گری' آتش زنی' اکھاڑ پچھاڑ' لوٹ مار' عورتوں کی بے حرمتی' زمین میں فساد' کھیتی باڑی اور جانوروں کی تباہ کاری' لیکن اسلام نے آکر اس معنی کو مکمل طور پر بدل دیا۔ چنانچہ اس نے جنگ کو مظلومین کی مدد' ظالموں کی سرکوبی' زمین پر امن وامان پھیلانے' عدل قائم کرنے 'کمزوروں کو طاقتوروں کے چنگل سے چھڑانے' بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت کی طرف لگانے اور ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لانے کا ذریعہ بنا دیا۔

عربوں کی عادت نہ تھی کہ کسی کے سامنے سر جھکائیں' خواہ جنگ جتنی بھی طول پکڑے اور قیمت جتنی بھی زبردست چکانی پڑے۔ چنانچہ بکر و تغلب کے درمیان ''جنگ بسوس'' چالیس سال تک چلتی رہی اور فریقین کے کوئی ستر ہزار آدمی مارے گئے' مگر کسی نے دوسرے کے سامنے سر نہ جھکایا۔ اوس وخزرج کی لڑائی سو سال سے زیادہ چلی' مگر کسی نے بھی دوسرے کے سامنے سر نہ جھکایا۔ یہ اسلام سے پہلے عرب کی عادت تھی' جنگ جاری رکھنا اور دشمن کے سامنے سر نہ جھکانا۔

پھر رسول اللہ ﷺ اسلام لے کر آئے تو عرب نے آپ کا بھی اسی اسلوب سے سامنا کیا اور آپ کو بھی میدان جنگ تک گھسیٹ لائے' لیکن آپ نے ایک دوسرے ہی اسلوب سے ان کا سامنا کیا' جو نہایت حکیمانہ تھا' یہاں تک کہ ان کا ملک فتح کرنے سے پہلے ان کے دل جیت لئے۔ آپ کے غزوات میں کام آنے والوں کی تعداد اور ان غزوات کے نتائج کا تقابل جب جاہلیت میں پیش آنے والی جنگوں کے نتائج سے کیا جائے' تو عجیب وغریب بات سامنے آتی ہے۔ آپ کے غزوات اور جنگوں میں قتل ہونے والے سارے مسلمان' مشرکین اور یہود ونصاریٰ کی تعداد مجموعی طور پر کم وبیش ایک ہزار بنتی ہے اور ان غزوات

میں جو مدت صرف ہوئی وہ آٹھ سال سے زیادہ نہیں، مگر اتنے تھوڑے عرصے میں اور اتنا معمولی سا خون بہا کر آپ نے تقریباً پورے جزیرۂ عرب کو اپنا تابع فرمان بنا لیا اور اس کے اطراف واکناف میں امن وامان کا دور دورہ ہو گیا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ تلوار کی قوت سے ممکن ہے؟ بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو معمولی بات پر نہ ختم ہونے والی جنگ چھیڑ دیتے تھے اور ہزاروں پر ہزار قربان کرتے جاتے تھے، مگر یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سر جھکائیں گے؟ ہرگز نہیں، بلکہ آپ نے جو کچھ پیش فرمایا وہ نبوت اور رحمت تھی، رسالت اور حکمت تھی، دعوت اور معجزہ تھا اور اللہ کا فضل اور اس کی نعمت خاص تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حج

سنہ ۹ ہجری

عرب سمجھتے تھے کہ وہ دین ابراہیم علیہ السلام پر ہیں اور اس دین کا جو شعار اب تک انہوں نے قائم رکھا تھا' وہ بیت اللہ شریف کا حج ہے۔ چنانچہ وہ ہر سال حج کا زبردست اہتمام کرتے تھے اور اس میں انہوں نے بہت سی تبدیلیاں اور بدعتیں بھی داخل کر لی تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ ہجری میں مکہ فتح کیا اور عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر کیا تو اس سال انہی کی امارت میں مسلمان اور مشرکین سب نے حج کیا' جیسے کہ وہ جاہلیت میں حج کرتے آرہے تھے' کوئی چیز تبدیل نہیں کی گئی' لیکن اگلے سال ۹ ہجری کا حج آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر بھیجا کہ وہی لوگوں کو حج کرائیں۔ وہ ذی قعدہ ۹ ہجری کے اواخر میں تین سو اہل مدینہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ قربانی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیس اور اپنے پانچ اونٹ تھے۔

اس کے بعد سورۂ براءت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں' جس میں ان تمام مشرکین سے عہد توڑنے کا حکم تھا' جنہوں نے اپنے عہد کی پاسداری نہیں کی تھی اور ان کو اور ان لوگوں کو جن کا سرے سے کوئی عہد ہی نہیں تھا' چار مہینے کی مہلت دی گئی تھی کہ اس دوران جس طرح چاہیں زمین میں گھوم پھر لیں' تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ کو بے بس نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کر کے رہے گا' البتہ جو مشرکین اپنے عہد پر قائم تھے' اسے توڑا نہیں تھا اور مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہیں کی تھی' ان کا عہد پورا کرنے کا حکم دیا گیا۔

یہ آیات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے کر بھیجیں کہ وہ حج اکبر کے دن اسے لوگوں تک پہنچا دیں اور فرمایا کہ میری طرف سے میرا ہی آدمی اعلان کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات

ضجنان یا عرج میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت ابو بکر نے کہا "امیر ہو یا مامور؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا "مامور۔" چنانچہ وہ حضرت ابو بکر صدیق کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ جب (دسویں تاریخ) قربانی کا دن آیا' تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمرہ کے پاس کھڑے ہو کر لوگوں پر "سورۂ براءت" کی ابتدائی آیات پڑھیں' جس میں عہد توڑنے' مہلت دینے اور پابندی کرنے والوں کا عہد پورا کرنے کا حکم ہے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو بھیج کر یہ منادی کرائی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی ننگا آدمی بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہے۔ [1]

وفود' مبلغین اور دیگر عمال

قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کشاکش برپا تھی' عرب اس کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ "باطل قوت" اور فتح کے ذریعہ مسجد حرام پر قبضہ نہیں ہو سکتا۔ اصحاب فیل کا واقعہ زیادہ دور کی بات نہ تھی' لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام میں داخلے کا شرف بخشا اور کفار مکہ پر غلبہ عطا فرما دیا' تو آپ کے "رسول برحق" ہونے میں انہیں کوئی شبہ نہ رہا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد آپ کی خدمت میں آنے والے عرب وفود کا تانتا بندھ گیا' جو آپ کی رسالت پر ایمان لاتے اور آپ کی طاعت کا اقرار کرتے تھے۔ اس طرح لوگ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہونے لگے اور تھوڑے دنوں میں اسلامی حکومت کا رقبہ بحر احمر کے ساحل سے خلیج عربی کے ساحل تک' نیز جنوب اردن اور اطراف شام کے علاقے سے یمن اور عمان کے ساحل تک پھیل گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دور دور تک پھیلے ہوئے ملک کا نظم و نسق ٹھیک کرنے میں لگ گئے۔ چنانچہ آپ نے مبلغین بھیجے' حکام مقرر فرمائے' صدقات وصول کرنے والوں کو روانہ کیا اور بندوں اور شہروں کا نظام جن قضاۃ و عمال کا محتاج ہوتا ہے' انہیں فراہم کیا۔ آئندہ سطروں میں ہم ان شاء اللہ حسب ضرورت ان سب کا ذکر کریں گے۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۶۹ اور اس کے اطراف اور دیکھئے سیرت ابن ہشام' ۲/ ۵۴۳' ۵۴۶- زاد المعاد ۳/ ۲۵' ۲۶-

جو وفود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے' عام اہل سیر کے مطابق ان کی تعداد ستر سے زیادہ ہے۔ بعض اہل علم نے ان وفود کی صحیح تعداد معلوم کرنے کی کوشش کی' خواہ روایت ثابت ہو یا نہ ہو' تو ان کی تعداد تقریباً سو تک پہنچ گئی۔ ان وفود کی آمد فتح مکہ سے پہلے شروع ہو چکی تھی اور بعض وفود تو ہجرت کے ابتدائی سالوں میں آئے تھے' بلکہ بعض ہجرت سے بھی پہلے آئے تھے' لیکن ان کی آمد کا عام سلسلہ اور پے در پے شکل میں' فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری میں شروع ہوا اور یہ سلسلہ ۱۰ ہجری' بلکہ اس کے بھی بعد تک جاری رہا' اسی لئے ۹ ہجری کو وفود کا سال کہا جاتا ہے۔

یہ وفود زیادہ تر قبائل کے سردار' رؤسا اور اہل حل وعقد پر مشتمل ہوتے تھے اور بسا اوقات آدمی تنہا یا چھوٹی سی جماعت کے ہمراہ آتا تھا۔

پھر ان وفود کے آنے کا مقصد' ہر وفد کے اعتبار سے الگ الگ ہوتا تھا۔ کوئی قیدیوں اور گرفتاروں کو چھڑانے آتا تھا' جیسا کہ وفد ہوازن اور وفد تمیم کے ذکر میں گزرا' تو کوئی فقط اپنے لئے یا اپنے اور اپنی قوم دونوں کے لئے امان کا طالب بن کر آیا۔ کوئی فخر ومباہات یا مناظرے اور مجادلے کے لئے آیا۔ کوئی یہ گزارش کرنے آیا کہ اسلامی لشکر واپس چلا جائے' تاکہ اس کی قوم پر حملہ نہ ہو۔ کسی نے آکر اطاعت اور جزیہ کا اقرار کیا۔ کسی نے آکر اسلام میں اپنی رغبت ظاہر کی اور اپنی قوم سے بھی اسی توقع کا اظہار کیا۔ کوئی مسلمان' فرمانبردار اور اپنی قوم کا نمائندہ بن کر آیا اور کسی نے اسلامی تعلیمات واحکام جاننے کی رغبت ظاہر کی۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جس بشاشت اور کریمانہ اخلاق پر پیدا فرمایا تھا' اس کے مطابق آپ ان وفود کا استقبال فرماتے تھے' انہیں خوش کن تحائف سے نوازتے تھے' اسلام کی ترغیب دیتے تھے اور ایمان اور شریعت کی باتیں سکھاتے تھے کہ وہ اپنے پیچھے والوں کو سکھائیں۔ درحقیقت یہ وفود صحراؤں میں رہنے والے بدوؤں کے اندر دین کو تیزی سے پھیلانے کا اہم ذریعہ تھے۔ چنانچہ ان کے نتائج' اغراض ومقاصد کے تنوع اور اسباب و وجوہ کے اختلاف کے باوجود یہ ہوتے کہ پہلے وفد میں آنے والوں نے اسلام قبول کیا' پھر

جلد یا تھوڑے ہی دنوں بعد قوم نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ اس سے صرف بعض وفود مستثنیٰ ہیں۔ مثلاً بنو حنیفہ اور مسیلمہ کذاب کا وفد۔ اب ذیل میں چند اہم وفود کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قبیلہ عبد القیس کا وفد

یہ لوگ مشرقی عرب کے باشندے تھے اور مدینہ سے باہر پہلے پہل ان ہی نے اسلام قبول کیا تھا۔ چنانچہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ ان ہی کی مسجد میں ادا کیا گیا جو بحرین کے ''جُواثیٰ'' نامی گاؤں میں تھی۔ بنو عبد القیس کا وفد دو مرتبہ آیا۔ ایک مرتبہ ۵ ہجری میں اور ایک مرتبہ وفود کے سال' پہلی بار آنے والوں کی تعداد تیرہ یا چودہ تھی۔ یہ لوگ جب مدینہ پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا' تو مسجد کے دروازے ہی پر اپنے آپ کو سواریوں سے دے پھینکا اور لپک کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور سلام کیا۔ ان کے ساتھ ایک شخص عبد اللہ بن عوف الاشج تھا' جو عمر میں سب سے چھوٹا تھا' اس نے سواریوں کے پاس رک کر انھیں بٹھایا۔ سامان اکٹھا کیا۔ دو سفید کپڑے نکال کر پہنے۔ پھر اطمینان سے چل کر آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ نے فرمایا:

''تم میں دو خصلتیں ہیں' جنہیں اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں ''دور اندیشی اور بردباری۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مدینہ پہنچنے سے پہلے فرمایا تھا کہ:

''تم پر ایک قافلہ نمودار ہوگا' جو اہل مشرق میں سب سے بہتر ہے' جسے اسلام پر مجبور نہیں کیا گیا۔ انہوں نے اپنی سواریاں تھکائیں اور اپنا توشہ ختم کیا۔ اے اللہ! عبد القیس کو بخش دے۔''

پھر جب وفد آگیا تو آپ نے فرمایا:

''خوش آمدید ہو' نہ رسوا ہوئے نہ نادم۔''

انہوں نے آپ سے ایسی فیصلہ کن بات پوچھی' جس پر خود بھی عمل کریں اور ان لوگوں کو بھی باخبر کریں' جنہیں پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ آپ نے انہیں چار باتوں کا حکم دیا۔ جو یہ ہیں:

- ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' کی گواہی دینا۔

- نماز قائم کرنا۔
- زکوٰۃ دینا۔
- رمضان کے روزے رکھنا۔

ابھی چونکہ حج فرض نہیں ہوا تھا' اس لئے اس کا حکم نہیں دیا' البتہ ان سے یہ بھی طلب کیا کہ مال غنیمت سے پانچواں حصہ ادا کریں اور انہیں نشہ آور مشروبات سے منع کیا' جنہیں وہ بکثرت پیتے تھے اور ان برتنوں سے بھی منع فرمایا' جن میں وہ یہ شراب بنایا کرتے تھے۔ [1]

دوسری بار وفد میں چالیس آدمی آئے' جن میں جارود بن علاء عبدی بھی تھے۔ یہ نصرانی تھے۔ یہاں آکر مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔ [2]

سعد بن بکر کے رئیس ضمام بن ثعلبہ کی آمد

یہ بادیہ (جنگل) کے رہنے والے اکھڑ مزاج تھے۔ دو چوٹیاں رکھے ہوئے تھے۔ مدینہ پہنچے تو مسجد نبوی میں اپنی اونٹنی بٹھا کر باندھی پھر کہا:

"تم میں ابن عبد المطلب کون ہے؟"

لوگوں نے بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور کہا:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں آپ سے پوچھوں گا اور پوچھنے میں آپ پر سختی کروں گا۔ مجھ پر اپنے جی میں غصہ نہ ہوں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو چاہو سو پوچھو۔"

انہوں نے کہا "ہمارے پاس آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قاصد آیا اور اس نے بتایا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

آپ نے فرمایا "اس نے سچ کہا۔"

انہوں نے کہا "اچھا تو آسمان کس نے پیدا کیئے؟"

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۵۳ اور اس کے اطراف' وغیرہ۔
[2] فتح الباری ۸/۸۵'۸۶۔ شرح نووی' صحیح مسلم' ۱/۳۳۔

آپ نے فرمایا ''اللہ نے''۔

انہوں نے کہا ''اچھا تو زمین کس نے پیدا کی؟''

آپ نے فرمایا ''اللہ نے''

انہوں نے کہا ''اچھا یہ پہاڑ کس نے نصب کئے؟ اور اس میں جو کچھ بنایا کس نے بنایا؟''

آپ نے فرمایا ''اللہ نے''

انہوں نے کہا ''تو اس ذات کی قسم جس نے آسمان پیدا کیا' زمین پیدا کی اور ان پہاڑوں کو نصب کیا' کیا اللہ نے آپ کو رسول بنایا ہے؟''

آپ نے فرمایا ''ہاں!''

انہوں نے کہا ''آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔''

آپ نے فرمایا ''اس نے سچ کہا۔''

انہوں نے کہا ''تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا' کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟''

آپ نے فرمایا ''ہاں۔''

انہوں نے کہا ''آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم پر ہمارے اموال میں زکوٰۃ ہے۔''

آپ نے فرمایا ''اس نے سچ کہا۔''

انہوں نے کہا ''تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا' کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟''

آپ نے فرمایا ''ہاں!''

انہوں نے کہا ''آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم پر سال میں رمضان کے مہینے کے روزے ہیں۔''

آپ نے فرمایا "اس نے سچ کہا۔"

انہوں نے کہا "تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا' کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟

آپ نے فرمایا "ہاں!"

انہوں نے کہا "آپ کے قاصد کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہم میں جو بیت اللہ تک راستے کی طاقت رکھتا ہو اس پر حج فرض ہے۔"

آپ نے فرمایا "اس نے سچ کہا۔"

انہوں نے کہا "تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا' کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟

آپ نے فرمایا "ہاں۔"

پھر اس نے پیٹھ پھیری اور کہا "اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں اس پر نہ زیادتی کروں گا اور نہ اس میں کمی کروں گا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر اس نے سچ کہا ہے تو یقیناً جنت میں داخل ہو گا۔"

پھر جب وہ مسلمان ہو کر اور بتوں سے کنارہ کش ہو کر اپنی قوم میں گئے اور اپنی قوم کو بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس بات کا حکم دیا ہے اور کس چیز سے روکا ہے تو ان کی قوم میں کوئی بھی مرد اور کوئی بھی عورت ایسی نہ تھی' جو مسلمان نہ ہو گئی ہو۔ پھر انہوں نے مسجدیں بنائیں اور نماز کے لئے اذان کہی' لہٰذا کوئی بھی آنے والا ضمام بن ثعلبہ سے بہتر نہ تھا۔ [1]

عذرہ اور بلی کا وفد

صفر ۹ ہجری میں بنو عذرہ کے بارہ آدمی آئے اور قصی سے اپنی قرابت کا ذکر کیا اور بنو بکر و بنو خزاعہ کو مکہ سے نکالنے میں اس کی جو مدد کی تھی' اسے بتلایا۔ آپ نے انہیں مرحبا کہا اور ملک شام فتح ہونے کی بشارت دی اور کاہنوں سے (قسمت کا حال) پوچھنے اور استھانوں کے ذبیحوں سے منع کیا۔ وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور چند دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۶۳- ترمذی وغیرہ-

ان کے بعد ربیع الاول ۹ ہجری میں بلیٰ کا وفد آیا۔ یہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور تین دن ٹھہر کر واپس چلے گئے۔

بنو اسد بن خزیمہ کا وفد ۹ ہجری کے شروع میں ان کے دس آدمی آئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کچھ صحابہ کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ ان لوگوں نے سلام کیا' پھر ان کے ترجمان نے کہا:

"اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم نے شہادت دی کہ اللہ "وحدہ لا شریک" ہے اور آپ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور اے اللہ کے رسول! آپ نے ہمارے پاس کسی کو نہیں بھیجا' پھر بھی ہم نے آ کر اسلام قبول کر لیا اور بنو فلاں کی طرح آپ سے لڑائی نہیں کی اور ہمارے پیچھے جو لوگ ہیں ہم ان کے لئے پیغام صلح ہیں۔" اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا ۖ قُل لَّا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُم ۖ بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٧﴾ ﴾ (الحجرات۹ ٤ / ۱۷)

"وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے۔ تم کہو کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتاؤ' بلکہ اللہ تم پر یہ احسان جتاتا ہے کہ اگر تم واقعی سچے ہو تو اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی ہے۔"

انہوں نے جاہلیت کے کچھ کاموں کے متعلق پوچھا۔ مثلاً "فال گیری کے لئے چڑیا بھگانا' کہانت کرنا اور کنکری مارنا۔" آپ نے ان سب باتوں سے منع کیا۔

انہوں نے رمل کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا: "اسے ایک نبی جانتے تھے۔ اب اگر کسی کا علم اس نبی کے مطابق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ نہیں اور یہ بات طے ہے کہ اب مطابقت کا جاننا محال ہے اور یہ سارے اعمال غیب میں اندازہ لڑانے کے سوا کچھ نہیں۔"

اس وفد نے چند دن ٹھہر کر فرائض سیکھے پھر واپس ہو گیا۔ اسے تحائف سے بھی نوازا گیا۔

تجیب کا وفد تجیب قبیلہ کندہ کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ اپنی قوم کے وہ صدقات جو ان کے فقراء سے بچ رہے تھے' لے کر آئے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان سے

خوشی ہوئی اور آپ نے ان کا اعزاز واکرام کیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا "ہمارے پاس اس جیسا عرب کا کوئی وفد نہیں آیا۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے' وہ جس کے ساتھ خیر کا ارارہ کرتا ہے اس کا سینہ ایمان کے لئے کھول دیتا ہے۔"

یہ لوگ قرآن اور سنتوں کو پوچھتے اور سیکھتے رہے۔ پھر واپسی کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں افضل ترین تحفے دیئے اور پوچھا کہ کوئی آدمی باقی رہ گیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ "ایک لڑکا ہم نے ڈیرے میں چھوڑ رکھا ہے' وہ ہم میں سب سے کم عمر ہے۔"

آپ نے فرمایا "اسے بھی بھیجو۔"

وہ آیا تو عرض پرداز ہوا کہ "اے اللہ کے رسول! میں اسی جماعت سے ہوں جو ابھی آپ کے پاس آئی تھی۔ آپ نے ان کی ضرورت پوری کر دی' اب میری ضرورت بھی پوری کیجئے۔"

آپ نے پوچھا: "تمہاری ضرورت کیا ہے؟"

اس نے کہا: "آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بخش دے' مجھ پر رحم کرے اور میرے دل کو غنی کر دے۔"

آپ نے اس کے لئے مطلوبہ دعا کر دی اور دوسرے ساتھیوں جیسے تحفے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ سب سے زیادہ قناعت پسند انسان ہوا۔ زمانۂ ارتداد میں نہ صرف اسلام پر ثابت رہا' بلکہ اپنی قوم کو بھی وعظ ونصیحت کی' چنانچہ وہ بھی اسلام پر ثابت رہی۔

بنی فزارہ کا وفد

یہ وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبوک سے واپسی کے بعد آیا۔ بیس سے کچھ زیادہ آدمی تھے۔ اسلام کے اقراری اور قحط کے مارے ہوئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے علاقے کا حال پوچھا تو قحط سالی کی شکایت کی اور عرض کی کہ "اللہ سے دعا کر دیں ہم پر بارش برسائے اور آپ ہمارے لئے اپنے رب سے سفارش کر دیں اور آپ کا رب ہمارے لئے آپ سے سفارش کر دے۔"

آپ نے فرمایا "سبحان اللہ! تم پر افسوس' یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں تو اپنے رب سے

سفارش کروں گا' لیکن ایسا کون ہے جس سے ہمارا رب سفارش کرے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اعلیٰ و عظیم ہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے' اور وہ اس کی عظمت و جلال سے اس طرح چرچراتے ہیں جیسے نیا کجاوہ چرچراتا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے منبر پر چڑھ کر اللہ سے دعا کی اور اللہ نے انھیں بھرپور بارش اور رحمت کامل سے نوازا۔ [1]

نجران کا وفد "نجران" یمن کی حدود پر ایک بڑا سا علاقہ ہے' جس کی لمبائی تیز رفتار سوار ایک دن میں طے کر سکتا ہے۔ یہ ۷۳ بستیوں پر مشتمل تھا [2] اور اس میں ایک لاکھ بیس ہزار جنگی جوان تھے جو سب کے سب عیسائی تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن کے "اسقف" کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی' وہ خط پڑھ کر گھبرا گیا اور پہلے خواص سے پھر عوام سے مشورہ کیا۔ رائے یہ قرار پائی کہ ایک وفد ارسال کریں' جو اس مسئلے کو حل کرے۔ چنانچہ انہوں نے ساٹھ ارکان پر مشتمل ایک وفد بھیجا۔ یہ لوگ نبی ﷺ کے پاس اس حالت میں پہنچے کہ دھاری دار یمنی کپڑے کے جوڑے زیب تن کئے ہوئے تھے اور انہیں گھسیٹ رہے تھے۔ ریشمی چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور سونے کی انگوٹھیاں پہنے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ نے بات نہ کی۔ انہیں بعض کبار صحابہ کرام نے مشورہ دیا کہ کپڑے بدل دیں اور انگوٹھیاں اتار دیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے بات کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم آپ سے پہلے سے مسلمان ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمہیں اسلام سے تین چیزیں روکتی ہیں:

① صلیب کی عبادت۔ ② سور کھانے کی عادت۔

③ اور تمہارا یہ خیال کہ اللہ کے لئے لڑکا ہے۔"

انہوں نے کہا "تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثل کون ہے' جو بغیر باپ کے پیدا کیا گیا ہو؟"

---

[1] زاد المعاد' ۳/۴۸۔

[2] فتح الباری' ۸/۹۴۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

﴿ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ ٱللَّهِ كَمَثَلِ ءَادَمَ خَلَقَهُۥ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ ۝ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ ٱلْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا۟ نَدْعُ أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ ٱللَّهِ عَلَى ٱلْكَـٰذِبِينَ ۝ ﴾

(آل عمران ۳/ ۵۹۔۶۱)

"بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے۔ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس سے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ پھر تمہارے پاس علم آجانے کے بعد جو کوئی تم سے اس (عیسیٰ علیہ السلام) کے بارے میں حجت کرے' تو اس سے کہہ دو کہ آؤ! ہم بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو' پھر مباہلہ کریں (اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں)' پس جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ٹھہرائیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتیں ان پر تلاوت کیں اور انہیں مباہلے کی دعوت دی۔ انہوں نے مہلت مانگی' باہم مشورہ کیا اور کہا کہ "اگر یہ واقعی نبی ہے اور ہم نے اس سے "ملاعنت" کی تو ہمارا کوئی بال اور کوئی ناخن بھی تباہی سے نہ بچ سکے گا۔" چنانچہ وہ جزیہ دینے پر راضی ہو گئے۔ ہزار جوڑا صفر میں اور ہزار جوڑا رجب میں۔ اور ہر جوڑے کے ساتھ ایک اوقیہ چاندی (یعنی چالیس درہم) اور آپ نے ان کے لئے ذمہ' امان اور دین کی آزادی منظور فرمائی۔ پھر انہوں نے کہا کہ "ہمارے ساتھ امانت دار آدمی بھیج دیں۔" آپ نے ابو عبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور یہیں سے ان کا لقب "امین الامت" پڑ گیا۔

نجران واپسی کے دوران وفد کے دو آدمی مسلمان ہو گئے۔ پھر ان میں اسلام پھیلتا گیا' یہاں تک کہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ [1]

---

[1] فتح الباری' ۸/ ۹۴' ۹۵۔ زادالمعاد' ۳/ ۳۸' ۴۱۔

اہل طائف کا وفد یہ گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ نے غزوۂ حنین کے بعد طائف کا محاصرہ کر لیا تھا۔ پھر انھیں ان کی جگہ چھوڑ کر واپس آگئے تھے۔ جب آپ واپس ہوئے تو عروہ بن مسعود ثقفی آپ کے پیچھے پیچھے آیا اور مدینہ پہنچنے سے پہلے آپ سے ملا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر واپس جاکر اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ ان کی نظر میں اپنی لڑکیوں اور عورتوں سے بھی زیادہ محبوب تھا' اس لئے اس کا خیال تھا کہ لوگ اس کی اطاعت کریں گے' لیکن لوگوں نے ہر جانب سے تیر چلا کر اسے جان سے مار ڈالا۔ پھر آپس میں مشورہ کیا اور محسوس کیا کہ ان میں گردو پیش کے عربوں سے جنگ کی طاقت نہیں' لہٰذا عبد یالیل بن عمرو کو دوسرے پانچ اشراف کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ یہ رمضان ۹ ہجری کی بات ہے۔ جب وہ مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے ایک گوشے میں ان کے لئے خیمہ نصب کرایا' تاکہ وہ قرآن سنیں اور لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں۔

یہ لوگ ٹھہر کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے جاتے رہے اور آپ انہیں برابر اسلام کی دعوت دیتے رہے مگر وہ مسلمان نہیں ہو رہے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے گزارش کی کہ آپ انھیں زنا کاری' شراب نوشی اور سود خوری کی اجازت دیں اور یہ کہ "لات" کو نہیں ڈھائیں گے۔ ان سے نمازیں معاف رکھیں گے اور ان کے ہاتھوں ان کے بت نہ تڑوائیں گے۔ آپ نے ان تمام باتوں کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ بالآخر انہوں نے آپ ﷺ کی بات مان لی اور مسلمان ہو گئے' البتہ یہ شرط لگائی کی "لات" کو ڈھانے کا انتظام آپ خود فرمائیں۔ ثقیف اسے اپنے ہاتھوں ہرگز مسمار نہ کریں گے۔ آپ نے یہ بات منظور فرمالی۔

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ اس وفد کے سب سے کم عمر ممبر تھے' لہٰذا یہ لوگ انہیں ڈیرے ہی میں چھوڑ جایا کرتے تھے' مگر یہ لوگ جب آتے تو وہ نبی ﷺ کی خدمت میں جاکر قرآن پڑھتے اور اگر آپ کو سویا ہوا دیکھتے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے پڑھتے' یہاں تک کہ بہت سا قرآن آپ نے یاد کر لیا' مگر اپنے ساتھیوں سے چھپائے رکھا۔ جب وہ لوگ مسلمان ہو گئے تو نبی ﷺ نے ان کو ہی ان کا امیر بنا دیا' کیونکہ انہیں اسلام' قراءت

قرآن اور دین سیکھنے کی رغبت تھی۔

وفد اپنی قوم میں واپس گیا تو ان سے اپنا ایمان چھپائے رکھا اور جنگ وقتال کا خوف دلایا۔ کہا کہ ہم ایک سخت اور تند مزاج آدمی کے پاس گئے تھے' جو تلوار کے زور سے غالب آگیا ہے اور لوگ اس کے تابع فرمان ہو گئے ہیں۔ اس نے ہم پر سخت باتیں پیش کی ہیں۔ مثال میں زنا کاری' شراب نوشی اور سود خوری وغیرہ چھوڑنے کا ذکر کیا اور اگر اسے تسلیم نہ کیا تو وہ ہم سے جنگ کرے گا۔ اس پر انہیں نخوت وتکبر نے طیش دلایا اور وہ دو تین روز تک جنگ کی تیاری کرتے رہے۔

پھر اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے وفد سے کہا "واپس جاؤ اور جو کچھ اس نے مانگا ہے' اسے دے دو۔"

وفد نے کہا "ہم اس سے طے کر آئے ہیں اور مسلمان ہو چکے ہیں۔"

اس پر ثقیف بھی مسلمان ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید اور مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہما کو کچھ آدمیوں کے ساتھ "لات" کو مسمار کرنے کے لئے طائف بھیجا۔ انہوں نے بت توڑ ڈالا اور عمارت مسمار کر دی۔ (1)

بنو عامر بن صعصعہ کا وفد

اس وفد میں اللہ کا دشمن عامر بن طفیل تھا' جس نے اصحاب بئر معونہ کے ساتھ دھوکا کیا تھا اور اربد بن قیس اور جبار بن اسلم تھے۔ یہ اپنی قوم کے سردار اور شیاطین تھے۔ عامر اور اربد بن قیس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ عامر نے جو وفد کا ترجمان تھا' کہا:

"میں آپ کو تین باتوں کا اختیار دیتا ہوں۔"

(۱) آپ کے لئے وادی کے باشندے ہوں اور میرے لئے بادیہ کے۔

(۲) یا میں آپ کے بعد آپ کا خلیفہ بن جاؤں۔

---

(1) سیرت ابن ہشام' ۲/ ۵۴۷' ۵۴۲' زاد المعاد' ۳/ ۲۶' ۲۸۔

﴿۳﴾ ورنہ میں غطفان کو ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار گھوڑیوں سمیت آپ پر چڑھا لاؤں گا۔ ①

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کوئی بات نہ مانی اور دعا کی کہ "اے اللہ! عامر کے مقابلے کے لئے مجھے کافی ہو اور اس کی قوم کو ہدایت دے۔"

ادھر جس وقت عامر باتیں کر رہا تھا اربد گھوم کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گیا اور اپنی تلوار میان سے ایک بالشت نکالی' پھر اللہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ تلوار سونتنے پر قادر ہی نہ ہو سکا۔

جب یہ لوگ واپس ہوئے تو راستے میں عامر اپنی قوم بنو سلول کی ایک عورت کے پاس اترا اور اس کے گھر میں سو گیا۔ اسی دوران اللہ نے اس پر طاعون بھیج دیا اور اس کے حلق میں گلٹی نکل آئی۔

اس نے کہا "اونٹ کی گلٹی جیسی گلٹی اور ایک سلولی عورت کے گھر میں موت؟ میرے پاس میرا گھوڑا لاؤ۔" چنانچہ وہ سوار ہوا اور گھوڑے ہی پر مر گیا۔ ②

ادھر اربد اور اس کے اونٹ پر اللہ نے بجلی بھیج دی' دونوں جل مرے اور اس بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَيُرْسِلُ ٱلصَّوَٰعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَن يَشَآءُ وَهُمْ يُجَـٰدِلُونَ فِى ٱللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ ٱلْمِحَالِ ۝١٣ ﴾ (الرعد ۱۳/ ۱۳)

"وہ بجلی بھیجتا ہے پس اس کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں حالانکہ وہ سخت پکڑنے والا ہے۔" ③

ان دونوں کا قصہ انہی کے قبیلے بنو عامر کے ایک صحابی موئلہ بن جمیل رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ یہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کی عمر بیس سال تھی۔ انہوں نے بیعت کی' آپ کا داہنا ہاتھ چھویا اور اپنے اونٹ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

① صحیح بخاری' حدیث: ۴۰۹۱' نیز فتح الباری شرح حدیث مذکور۔
② صحیح بخاری' حدیث: ۴۰۹۱۔
③ تفسیر ابن کثیر' آیت مذکورہ۔

پیش کیئے۔ آپ نے دو سالہ مادہ اونٹنی صدقہ میں لی۔ اس کے بعد وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے اور بحالت اسلام سو سال زندہ رہے۔ انہیں ان کی فصاحت کے سبب "دو زبان والا" کہا جاتا تھا۔

بنو حنیفہ کا وفد

یہ وفد ۹ ہجری میں آیا۔ اس میں مسیلمہ کذاب سمیت سترہ افراد تھے۔ یہ لوگ ایک انصاری آدمی کے گھر اترے' پھر خدمت نبوی میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے' البتہ مسیلمہ کذاب کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا اور کہا جاتا ہے کہ پیچھے رہ گیا تھا اور خدمت نبوی میں حاضر ہی نہ ہوا تھا اور کہا تھا کہ:

"اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے بعد کاروبار حکومت مجھے سونپنا طے کر دیا تو میں اس کی پیروی کروں گا۔

اس سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ خواب دیکھ چکے تھے کہ آپ کے پاس روئے زمین کے خزانے لاکر رکھ دیئے گئے ہیں اور اس میں سے سونے کے دو کنگن آپ کے ہاتھ میں آپڑے ہیں۔ آپ کو یہ دونوں بہت گراں اور تکلیف دہ محسوس ہوئے۔ آپ کو وحی کی گئی کہ ان دونوں کو پھونک دیجئے۔ چنانچہ آپ نے پھونک دیا' تو وہ دونوں اڑ گئے۔"

اس کی تعبیر آپ نے یہ فرمائی کہ: آپ کے بعد دو کذاب (پرلے درجے کے جھوٹے) نکلیں گے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسیلمہ کے پاس آئے۔ آپ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ تھی اور آپ کے ہمراہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ مسیلمہ کے سر پر جاکر کھڑے ہوئے' جو اپنے ساتھیوں کے درمیان تھا اور اس سے گفتگو کی۔

مسیلمہ نے کہا: "اگر آپ چاہیں تو ہم حکومت آپ کے ہاتھ میں رہنے دیں' لیکن اپنے بعد اس کو ہمارے لئے طے فرما دیں۔"

آپ نے فرمایا "اگر تم مجھ سے (کھجور کا) یہ ٹکڑا چاہو گے تو یہ بھی تمہیں نہ دوں گا اور تم اپنے بارے میں اللہ کے مقرر کیئے ہوئے فیصلے سے آگے نہیں جا سکتے۔ اور اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تمہیں توڑ کر رکھ دے گا۔ واللہ! میں تمہیں وہی شخص سمجھتا ہوں' جس کے بارے میں مجھے (خواب میں) پوری تفصیل سے دکھلایا گیا ہے اور یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں

جو تمہیں میری طرف سے جواب دیں گے۔ پھر آپ واپس پلٹ آئے۔" [1]

وفد واپس گیا تو مسیلمہ کچھ دن ٹھہرا رہا۔ پھر دعویٰ کیا کہ اسے نبی ﷺ کے ساتھ "کار نبوت" میں شریک کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ سجعات (مقفیٰ کلام) گھڑنے لگا اور اپنی قوم کے لئے شراب اور زنا حلال کر دیا۔ قوم بھی فتنے میں پڑ گئی اور اس کا معاملہ سنگین ہو گیا اور ابھی یہ صورت حال برپا ہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ انتقال فرما گئے۔ اس سے اس کی قوم مزید فتنے میں مبتلا ہو گئی' آخر کار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر بھیجے۔ ان میں اور مسلمانوں میں سخت لڑائیاں ہوئیں۔ مسیلمہ اور اس کا بیشتر لشکر مارا گیا اور اس کا قاتل وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ تھا' جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ (دوسرا کذاب جو نبی ﷺ کو دکھلایا گیا اسود عنسی تھا۔ اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔)

شاہان حمیر کے قاصد کی آمد

تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد مالک بن مرہ رہاوی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے پاس شاہان حمیر حارث بن عبد کلال' نعیم بن عبد کلال اور نعمان' سربراہان ذی رعین ومعافر وہمدان کے خطوط تھے۔ یہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور اسی اطلاع کے ساتھ اس کو بھیجا تھا۔ نبی ﷺ نے انھیں جوابی خط لکھا' جس میں ان کے حقوق اور ان کی ذمہ داریاں بیان فرمائیں اور معاہدین کو ذمہ عطا کیا۔

پھر ان کے پاس حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو کچھ صحابہ کے ہمراہ بھیجا۔ یہ عدن کے اطراف میں "سکون وسکاسک" کے درمیان بالائی یمن کے قاضی' جنگوں کے حاکم اور صدقہ وجزیہ کی وصولی پر مامور تھے اور پانچوں نمازیں پڑھاتے تھے۔

زیریں یمن۔ زبید' مارب' زمع اور ساحل کیلئے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا کہ:

"تم دونوں آسانی کرنا' سختی نہ کرنا۔ خوش خبری دینا' نفرت نہ دلانا اور مل کر رہنا' اختلاف نہ کرنا۔"

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۶۲۱' ۴۳۷۳' ۴۳۷۴' ۴۳۷۸۔

حضرت معاذ نبی ﷺ کی وفات تک یمن ہی میں رہے' البتہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے۔

ہمدان کا وفد ہمدان یمن کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اس کا وفد ۹ ہجری میں تبوک سے نبی ﷺ کی واپسی کے بعد حاضر خدمت ہوا۔ اس میں مالک بن نمط رضی اللہ عنہ تھا' جو بہترین شاعر تھا' اس نے کہا:

حَلَفْتُ بِرَبِّ الرَّاقِصَاتِ إِلَى مِنًى صَوَادِرُ بِالرُّكْبَانِ مِنْ هَضْبِ قَرْدَدِ
بِأَنَّ رَسُوْلَ اللهِ فِيْنَا مُصَدَّقٌ رَسُوْلٌ أَتَى مِنْ عِنْدِ ذِي الْعَرْشِ، مُهْتَدِ
فَمَا حَمَلَتْ مِنْ نَاقَةٍ فَوْقَ رَحْلِهَا أَشَدَّ عَلَى أَعْدَائِهِ مِنْ مُحَمَّدِ

"میں نے منیٰ کا چکر لگانے والیوں اور "قردد" کی بلندی سے قافلوں کے ساتھ پلٹنے والیوں کے رب کی قسم کھائی کہ اللہ کے رسول ﷺ ہم میں سچے مانے گئے ہیں۔ یہ وہ ہدایت یافتہ رسول ہیں جو عرش والے کے پاس سے آئے ہیں۔ کسی اونٹنی نے اپنے کجاوے پر کوئی ایسا انسان سوار نہیں کیا' جو اپنے دشمن پر محمد ﷺ سے زیادہ کڑا ہو۔"

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے ایک تحریر لکھی اور جو کچھ انہوں نے مانگا تھا' وہ انھیں دیا اور جو لوگ اسلام لائے تھے' ان پر مالک بن نمط رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ پھر باقی لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے چھ مہینے گزار دیئے مگر وہ مسلمان نہ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور حکم دیا کہ وہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا ایک خط پڑھ کر سنایا اور انھیں اسلام کی دعوت دی تو وہ سب مسلمان ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اس کی بشارت لکھی تو آپ سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر سر اٹھا کر فرمایا "ہمدان پر سلام! ہمدان پر سلام۔"

بنو عبد المدان کا وفد اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ربیع الآخر ۱۰ ہجری میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سر زمین یمن کے علاقہ نجران میں بنو عبدالمدان کے پاس روانہ کیا کہ انھیں تین دن تک اسلام کی دعوت دیں' اگر وہ نہ مانیں تو

لڑائی کریں۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے سواروں کو ہر طرف اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیج دیا' جو کہتے تھے کہ:

"لوگو! اسلام لاؤ' سالم رہو گے۔"

لوگ مسلمان ہو گئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان ایسے لوگوں کو مقرر کیا' جو انھیں اسلام کی تعلیم دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع لکھ بھیجی۔ آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو پیغام دیا کہ ان کا وفد لے کر آئیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

جب وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے دریافت فرمایا "کہ جاہلیت میں جو تم سے لڑتا تھا اس پر تم لوگ کس وجہ سے غالب آتے تھے؟"

انہوں نے کہا "ہم یکجا ہوتے تھے' متفرق نہ ہوتے تھے اور کسی پر ظلم کا آغاز نہ کرتے تھے۔"

آپ نے فرمایا "تم لوگوں نے سچ کہا۔"

اور آپ نے قیس بن حصین رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ وہ لوگ شوال کے آخر یا ذی قعدہ کے شروع میں اپنی قوم کے پاس واپس گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ انھیں دین سمجھائیں' سنت اور اسلام کی چیدہ چیدہ باتیں سکھائیں اور ان سے صدقات وصول کریں۔ آپ نے اس کے متعلق انھیں ایک تحریر بھی لکھ کر دی' جو بہت مشہور ہے۔

بنو مذحج کا اسلام یہ بھی ایک یمنی قبیلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو رمضان ۱۰ ہجری میں اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا اور حکم دیا کہ جب تک وہ لڑائی نہ کریں' لڑائی نہ کرنا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور ان کی جمعیت کا سامنا ہوا تو انہیں اسلام کی دعوت دی' مگر انہوں نے انکار کر دیا اور مسلمانوں پر تیر چلائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ساتھیوں کی صف بندی کی۔ اور ان سے لڑکر انھیں شکست دی' لیکن ان کے تعاقب سے کچھ دیر رکے رہے' پھر ان سے جا ملے اور انہیں پھر اسلام کی دعوت دی' اب کی بار وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔

ان کے سرداروں نے بیعت کی اور کہا "کہ ہماری قوم کے جو لوگ پیچھے ہیں ہم ان کے ذمہ دار ہیں اور یہ ہمارے صدقات ہیں ان میں سے آپ اللہ کا حق لے لیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا' پھر پلٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو حجۃ الوداع میں مکہ کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔

ازدشنوءہ کا وفد

یہ بھی یمن کے اطراف کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اس کا وفد صرد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ازدی کی قیادت میں آیا اور مسلمان ہو گیا۔ آپ نے حضرت صرد رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنایا اور حکم دیا کہ جو اسلام لا چکے ہیں' ان کو ساتھ لے کر آس پاس کے اہل شرک سے لڑائی کریں۔

جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی آمد اور "ذو الخلصہ" کا انہدام

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے۔ یہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے قبیلہ "بجلیہ" اور "خثعم" کا ایک بت اور ایک بہت بڑا بت خانہ تھا جسے "ذو الخلصہ" کہتے ہیں۔ وہ اس سے خانہ کعبہ کی ہمسری کرتے تھے۔ چنانچہ وہ کعبہ کو "کعبہ شامیہ" کہتے تھے اور اپنے بت خانہ کو "کعبہ یمانیہ" کہتے تھے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا "کیا تم مجھے "ذو الخلصہ" سے راحت نہ دو گے؟"

انہوں نے شکوہ کیا کہ "وہ گھوڑے پر برقرار نہیں رہ پاتے۔"

آپ نے دست مبارک سے ان کے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا "اے اللہ! انھیں ثابت رکھ اور انہیں ہادی اور مہدی بنا۔"

چنانچہ اس کے بعد وہ گھوڑے سے کبھی نہیں گرے۔ پھر وہ اپنی قوم احمس (جو بجلیہ کی ایک شاخ ہے) کے ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ "ذو الخلصہ" گئے اور اسے ویران کر دیا اور جلا کر خارش زدہ اونٹ کی طرح چھوڑ دیا اور ابو ارطاۃ کو اس کی بشارت دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "احمس" کے گھوڑوں اور لوگوں کے لئے

پانچ بار برکت کی دعا کی۔ [1]

اسود عنسی کا ظہور اور قتل

یمن میں امن اور اسلام کی تکمیل ہو چکی تھی اور اس کے تمام اطراف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال موجود تھے کہ اچانک "کہف حنان" نامی شہر میں سات سو جنگجوؤں کے ساتھ اسود عنسی ظاہر ہوا۔ وہ اپنے لئے نبوت اور حکومت کا دعوے دار تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس کا معاملہ مزید سنگین ہو گیا۔ اس کا فتنہ سخت اور اس کی حکومت طاقتور ہو گئی' یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال "اشعریین" کے علاقے میں سمٹ آئے اور مسلمانوں نے اس کے ساتھ "مصلحت" سے کام لیا۔ یہ سلسلہ تین یا چار مہینے جاری رہا۔ پھر فیروز دیلمی اور اس کے فارسی ساتھیوں نے' جو مسلمان ہو چکے تھے' کوئی چال چلی اور فیروز نے اسے قتل کر کے اس کا سر کاٹا اور قلعہ کے باہر پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر اس کے ساتھی بھاگ نکلے اور اسلام اور اہل اسلام غالب آ گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال اپنے اپنے کاموں پر واپس آ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع لکھ بھیجی۔

اسود عنسی کے قتل کا واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف ایک دن اور ایک رات پہلے پیش آیا تھا۔ اس کے متعلق آپ کے پاس وحی آئی اور آپ نے صحابہ کو اس کی اطلاع دی۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خط بھی آ گیا۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۳۰۲۰' ۳۰۷۶' ۳۸۲۳' ۴۳۵۵' ۴۳۵۶' ۴۳۵۷' ۶۳۳۳۔

[2] فتح الباری' ۸/ ۹۳۔ ان وفود کی تفصیل کے لیے دیکھئے سیرت ابن ہشام' ۲/ ۵۰۱' ۵۰۳' ۵۱۰' ۵۱۴' ۵۳۷' ۵۴۲' ۵۶۰' ۵۶۱۔ زاد المعاد' ۳/ ۲۶' ۶۰۔

حجۃ الوداع

سنہ ۱۰ ہجری

جب جزیرۂ عرب میں دعوت کی تبلیغ مکمل ہوگئی اور اللہ نے اہل ایمان کی ایک ایسی جماعت پیدا فرما دی جو دعوت کی حفاظت کی ضامن اور اسے زمین کے کونے کونے تک پہنچانے کی کفیل تھی، تو اللہ نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ کو انتقال سے پہلے ان کی جہد پیہم کا ثمرہ بھی دکھلا دے۔ چنانچہ آپ کو ذی الحجہ ۱۰ ہجری میں بیت اللہ کے حج سے مشرف فرمایا۔

آپ نے حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں میں اس کا اعلان کر دیا، چنانچہ مدینہ میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ [1] ہفتہ کے دن جب کہ ذی القعدہ گزرنے میں پانچ دن باقی تھے یعنی ۲۶ ذی القعدہ [2] کو آپ نے بالوں میں کنگھی کی، تیل لگایا، تہبند پہنا، چادر اوڑھی [3] اور ظہر کی نماز کے بعد مدینہ سے چل پڑے اور عصر پڑھنے سے پہلے ذوالحلیفہ پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر دو رکعت عصر پڑھی۔ پھر وہیں رات گزاری۔ [4] صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا:

''آج رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا ''اس مبارک وادی میں نماز پڑھو اور کہو حج میں عمرہ ہے۔'' [5]

یہ درحقیقت حج میں عمرے کی اباحت تھی، جسے اہل جاہلیت انتہائی برا سمجھتے تھے۔ [6]

---

[1] صحیح مسلم، ۱/ ۳۹۴۔
[2] تحقیق کے لیے دیکھئے: فتح الباری، ۸/ ۱۰۴۔
[3] صحیح بخاری، حدیث: ۱۵۴۵۔
[4] صحیح بخاری، حدیث: ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸۔
[5] صحیح بخاری، حدیث: ۱۵۳۴، ۲۳۳۷، ۷۳۴۳۔
[6] صحیح بخاری، حدیث: ۱۵۶۴۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے ظہر سے پہلے غسل کیا' سر اور بدن میں خوشبو لگائی' جس میں مشک بھی تھا' ⁽¹⁾ پھر تہبند پہنا' چادر اوڑھی' پھر دو رکعت ظہر کی نماز پڑھی اور مصلیٰ ہی پر حج اور عمرے کا احرام باندھا اور دونوں میں "قِران" کیا۔ فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ بِعُمْرَةٍ وَحَجٍّ»

"اے اللہ! عمرے اور حج کے لئے حاضر ہوں۔"

اس کے بعد لبیک پکارا جس کے کلمات یہ تھے:

«لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَ شَرِيْكَ لَكَ»

"ہم بار بار حاضر ہیں۔ اے اللہ! ہم بار بار حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہم بار بار حاضر ہیں۔ یقیناً تعریف اور نعمت تیرے لئے ہے اور بادشاہت بھی۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔" ⁽²⁾

اور کبھی کبھی فرماتے:

لَبَّيْكَ اِلٰهَ الْحَقِّ

"معبود برحق! ہم بار بار حاضر ہیں۔"

پھر مصلیٰ سے نکل کر اونٹنی پر سوار ہوئے اور پھر لبیک پکارا ⁽³⁾ اور جب اونٹنی آپ کو لے کر میدان میں چل پڑی تو آپ نے پھر لبیک پکارا۔ ⁽⁴⁾ نماز کے بعد ذوالحلیفہ ہی میں آپ نے ہدی (قربانی کے جانوروں) کے کوہان چیرے اور انھیں قلادے پہنائے۔ ⁽⁵⁾

اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ ہفتہ بھر بعد' مکہ کے قریب پہنچے تو

⁽¹⁾ صحیح بخاری' حدیث: ۵۹۳۰۔

⁽²⁾ صحیح بخاری' حدیث: ۱۵۴۹۔

⁽³⁾ صحیح بخاری' حدیث: ۱۵۴۶' ۱۵۵۲' ۱۵۵۳' ۱۵۵۴۔

⁽⁴⁾ صحیح بخاری' حدیث: ۱۵۴۵' ۱۵۵۱۔

⁽⁵⁾ صحیح بخاری' حدیث: ۱۶۹۴' ۱۶۹۵۔

ذی طویٰ میں رات گزاری اور وہیں فجر پڑھ کر غسل فرمایا۔ پھر مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ ⑴
یہ اتوار ۴ ذی الحجہ کی صبح تھی۔ ⑵ آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا مروہ کی سعی کی۔
پھر بالائی مکہ میں حجون کے پاس قیام فرمایا اور دوبارہ پلٹ کر طواف نہیں کیا' البتہ احرام برقرار رکھا' کیونکہ آپ ﷺ "قارن" تھے' یعنی حج اور عمرے کا احرام اکٹھا باندھا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ہدی (قربانی کا جانور) ساتھ لائے تھے۔ چنانچہ جو کوئی بھی اپنے ساتھ "ہدی" لایا تھا آپ نے اسے حکم دیا کہ اپنا احرام برقرار رکھے' البتہ جو لوگ ہدی نہیں لائے تھے' انھیں حکم دیا کہ طواف و سعی کے بعد سر منڈا لیں اور پورے طور پر حلال ہو جائیں اور اپنے اس عمل کو عمرہ قرار دے لیں' خواہ انھوں نے حج کی نیت سے احرام باندھا ہو یا عمرے کی نیت سے یا دونوں کی نیت سے ⑶ اور آپ نے فرمایا "اگر مجھے پہلے وہ بات معلوم ہو جاتی جو بعد میں معلوم ہوئی تو میں ہدی نہ لاتا اور اسے عمرہ قرار دے دیتا اور حلال ہو جاتا۔" چنانچہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہیں تھی وہ حلال ہو گئے۔ ⑷

پھر آپ ﷺ ۸ ذی الحجہ ترویہ کے دن منیٰ تشریف لے گئے' جو لوگ حلال ہو چکے تھے وہ بھی حج کا احرام باندھ کر منیٰ گئے۔ ⑸ وہاں آپ نے ظہر' عصر' مغرب' عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھیں اور چار رکعت والی نمازیں قصر کر کے دو دو رکعت پڑھیں۔ ⑹ پھر سورج طلوع ہونے کے بعد منیٰ سے چل پڑے اور عرفات تشریف لائے۔ وہاں "وادیٔ نمرہ" میں آپ کے لئے قبہ لگا ہوا تھا۔ آپ اسی میں استراحت فرما ہوئے۔ سورج ڈھلا تو قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر "وادیٔ عرنہ" میں تشریف لائے۔ لوگ آپ کے گرد جمع تھے۔ آپ نے ان

⑴ صحیح بخاری' حدیث: ۱۵۷۳' ۱۵۷۴۔
⑵ صحیح بخاری' حدیث: ۱۵۴۵۔
⑶ صحیح بخاری' حدیث: ۱۵۴۵' ۱۶۲۵' ۱۷۳۱۔
⑷ صحیح بخاری' حدیث: ۱۵۶۸' ۱۶۵۱' ۱۷۸۵' ۲۵۰۶' ۷۲۳۰' ۷۳۶۷۔
⑸ صحیح بخاری' حدیث: ۱۵۵۱' نیز ترجمہ باب: ۲۸' کتاب الحج' وغیرہ۔
⑹ صحیح بخاری' حدیث: ۱۶۵۳' ۱۶۵۵' ۱۶۵۶' ۱۶۵۷۔

کے اندر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد وثنا کی' شہادت کے کلمات کہے' اللہ سے ڈرنے کی وصیت کی۔ پھر جو باتیں کہیں ان میں آپ نے فرمایا:

"لوگو! میری بات سنو! مجھے نہیں معلوم' غالبًا میں تم سے اپنے اس سال کے بعد اس مقام پر کبھی نہ مل سکوں گا۔ [۱] تمہارا خون' تمہارا مال اور تمہاری آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہے' جس طرح آج کے دن کی' موجودہ مہینے کی اور موجودہ شہر کی حرمت ہے۔

سن لو! جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں تلے روند دی گئی۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کر دیئے گئے اور ہمارے خون میں سے پہلا خون جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ یہ بچہ بنو سعد میں دودھ پی رہا تھا کہ بنو ہذیل نے اسے قتل کر دیا.... اور جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا اور ہمارے سود میں سے پہلا سود جسے میں ختم کر رہا ہوں وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اب یہ سارے کا سارا سود ختم ہے۔

ہاں! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو' کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعہ ان کی شرمگاہیں حلال کی ہیں۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی شخص کو نہ آنے دیں' جو تمہیں گوارا نہیں' اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں مار سکتے ہو' لیکن سخت مار نہ مارنا۔ اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انھیں معروف طریقے سے کھلاؤ اور پہناؤ۔

اور میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔

اور تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا تو کیا کہو گے؟ صحابہ نے کہا "ہم شہادت دیں گے کہ آپ نے تبلیغ کر دی' پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق ادا فرما دیا۔

یہ سن کر آپ نے شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے فرمایا' اے اللہ! گواہ رہ۔ اے اللہ! گواہ رہ۔ اے اللہ! گواہ رہ۔" [۲]

اس خطبے میں آپ نے مزید کئی امور بیان فرمائے اور جب فارغ ہوئے تو آپ پر اللہ تعالیٰ کا

---

[۱] سیرت ابن ہشام' ۲/ ۶۰۳۔

[۲] صحیح مسلم' باب حجۃ النبی ﷺ ۱/ ۳۹۷' نیز ابن جریر' ابن عساکر۔

یہ ارشاد نازل ہوا۔

﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ (المائدۃ ۵/ ۳)

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین پسند کر لیا۔" ③

چنانچہ یہ نعمت اور سعادت کا دن تھا۔

خطبہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور پھر اقامت کہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت ظہر کی نماز پڑھائی۔ پھر اقامت کہی اور آپ نے دو رکعت عصر کی نماز پڑھائی۔ دونوں کو ظہر کے وقت میں جمع تقدیم کے طور پر اکٹھا کیا اور ان دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔ پھر "جائے وقوف" پر تشریف لائے۔ اونٹنی کا شکم چٹانوں کی جانب کیا اور قبلہ رخ مسلسل وقوف فرمایا' یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور تھوڑی زردی چلی گئی۔ پھر روانہ ہو کر "مزدلفہ" تشریف لائے اور وہاں مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھی اور درمیان میں کوئی نماز نہ پڑھی۔ پھر آپ لیٹ گئے اور طلوع فجر تک لیٹے رہے۔ پھر صبح تڑکے فجر کی نماز پڑھی اور "مَشعَرِ حَرام" آگئے اور وہاں قبلہ رخ ہو کر دعا' تکبیر و تہلیل اور توحید کے کلمات کہتے رہے' یہاں تک کہ خوب اجالا ہو گیا۔

اس کے بعد سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور جمرہ کبریٰ پر آ کر اسے سات کنکریاں ماریں۔ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے۔ اس جمرہ کو کنکری مارنے تک آپ لبیک پکارتے رہے اور کنکری مارنے کے ساتھ ہی تلبیہ ختم کر دیا۔ نیز اس جمرہ کے پاس ٹھہر کر آپ یہ بھی فرماتے رہے کہ:

"مجھ سے اپنے اعمال حج سیکھ لو' غالباً میں اپنے اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں گا۔"

پھر آپ منیٰ میں اپنے ڈیرے پر تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے سو میں سے تریسٹھ اونٹ نحر کئے۔ باقی یعنی سینتیس اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نحر کئے' پھر آپ کے

---

③ صحیح بخاری' حدیث: ۴۵' ۴۴۰۷' ۴۶۰۶' ۷۲۶۸۔

حکم سے ہر اونٹ کا ایک ایک ٹکڑا کاٹ کر ہانڈی میں ڈالا گیا۔ پھر آپ نے اور لوگوں نے اس کا گوشت تناول کیا اور شوربا پیا۔

قربانی سے فارغ ہو کر حجام کو بلایا اور سر کا داہنا حصہ دیا۔ اس نے مونڈ کر ایک ایک دو دو بال لوگوں میں تقسیم کر دیئے پھر بایاں حصہ مونڈ کر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔

پھر آپ نے اپنے کپڑے پہنے' خوشبو لگائی اور اس کے بعد سوار ہو کر بیت اللہ تشریف لائے اور "طواف افاضہ" کیا' لیکن صفا مروہ کے درمیان سعی نہیں کی۔ اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر بنو عبدالمطلب کے پاس آئے۔ وہ لوگ زمزم پلا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

"بنو عبد المطلب! تم لوگ پانی کھینچو' اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تمہارے پانی پلانے کے اس کام میں تمہیں مغلوب کر دیں گے' تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ کھینچتا۔"

چنانچہ انہوں نے آپ کو ایک ڈول پانی دیا اور آپ نے اسے پیا۔ [1]

اس کے بعد آپ منیٰ واپس آگئے اور وہاں ایام تشریق یعنی ۱۱' ۱۲' ۱۳ ذی الحجہ تک ٹھہر کر تینوں جمرات کو روزانہ سورج ڈھلنے کے بعد کنکری مارتے رہے۔ جمرۂ صغریٰ سے شروع کرتے' اسے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے' پھر جمرۂ وسطیٰ اور اس کے بعد جمرۂ کبریٰ کے ساتھ یہی کرتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر (دسویں تاریخ) کو بھی ایک خطبہ دیا۔ پھر ایام تشریق کے درمیانے دن -- ۱۲ ذی الحجہ -- کو بھی ایک خطبہ دیا' جس میں خطبۂ عرفہ کی باتوں کی تاکید فرمائی اور مزید نصیحتیں بھی کیں۔ ایام تشریق کے درمیانے دن خطبہ سے پہلے سورۂ نصر نازل ہوئی۔

۱۳ ذی الحجہ کو -- جو ایام تشریق کا تیسرا اور حج سے واپسی کا دوسرا اور آخری دن ہے اور یہ منگل کا دن تھا -- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرات کو کنکری مار کر منیٰ سے کوچ فرمایا اور "ابطح" میں اتر کر وہیں ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھیں اور وہیں سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی عبد الرحمان بن ابی بکر کے ساتھ بھیجا کہ انہیں تنعیم سے عمرہ کرا لائیں۔ چنانچہ انہوں نے احرام باندھا' عمرہ کیا' پھر سحر کے وقت "ابطح" میں آگئیں۔ ادھر

---

[1] صحیح مسلم' باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحیح بخاری' کتاب الحج' ابواب ۸۹ تا ۹۷۔

نبی ﷺ نے ایک نیند لے لی تھی۔ پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آگئیں تو کوچ کا اعلان کیا اور سوار ہو کر خانہ کعبہ تشریف لے گئے۔ طواف وداع کیا اور فجر کی نماز پڑھی۔ پھر زیریں مکہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا۔ جب مدینہ قریب آگیا اور اس کے آثار دکھائی دینے لگے تو تین بار ''اللہ اکبر'' کہا پھر فرمایا:

«لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ آئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الأَحْزَابَ وَحْدَهُ»

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ تنہا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' اسی کیلئے بادشاہت ہے اور اسی کیلئے تعریف اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم پلٹنے والے' توبہ کرنے والے' عبادت گزار' سجدہ کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا ساری جماعتوں کو شکست دی۔''[1]

''سریہ'' اسامہ بن زید (ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری)

رسول اللہ ﷺ نے واپس آکر مدینہ میں قیام فرمایا اور ۲۳ سال پہلے آپ نے جو دعوت شروع کی تھی' اس کی کامیابی اور اللہ کے دین میں فوج در فوج لوگوں کے داخلے کا جو منظر آپ کے رب نے آپ کو دکھایا' اس پر اس کی حمد و تسبیح کرتے رہے۔ اس دوران بعض وفود کا استقبال بھی کیا اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو سات سو فوجیوں کے ساتھ تیار کیا اور حکم دیا کہ علاقہ بلقاء اور ''داروم'' کی فلسطینی سرزمین سواروں کے ذریعہ روند آؤ۔ یہ لشکر روانہ ہو کر مدینہ سے تین میل دور مقام ''جرف'' میں خیمہ زن ہوا' لیکن رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے متعلق تشویش ناک خبروں کے سبب وہیں رک کر نتیجہ کا انتظار کرنے لگا اور اللہ کا فیصلہ یہ ظاہر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی اور یہ لشکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی پہلی فوجی مہم قرار پائی۔[2]

---

(۱) حجۃ الوداع کی تفصیل کے لیے دیکھئے: صحیح بخاری' کتاب الحج' صحیح مسلم' کتاب الحج وغیرہ۔

(۲) صحیح بخاری' مغازی' باب بعث النبی ﷺ اسامۃ' سیرت ابن ہشام' ۲/۶۰۶' ۲۵۰۔

رفیق اعلیٰ کی جانب

الوداعی آثار جب رسول اللہ ﷺ نے رسالت کی تبلیغ فرمائی اور امت کی خیر خواہی کا کام مکمل کر لیا تو آپ کے اقوال وافعال میں دنیا سے رحلت کے آثار نمایاں ہونا شروع ہو گئے۔

آپ نے دسویں سال رمضان میں بیس دن اعتکاف فرمایا اور حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو دو مرتبہ قرآن کا دور کرایا۔ آپ نے اپنی صاحب زادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آ چکا ہے۔" [1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن رخصت کیا تو انہیں وصیت کرنے کے بعد فرمایا:

"اے معاذ! غالباً میرے اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہ کر سکو گے اور میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔"

یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی جدائی میں رونے لگے۔

آپ نے حجۃ الوداع میں کئی بار کہا:

"غالباً میں تم لوگوں سے اپنے اس سال کے بعد نہ مل سکوں گا۔ غالباً میں اپنے اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں گا۔"

اسی طرح ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ اور ﴿ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ ﴾ کا نزول اس بات کا پیغام تھا کہ آپ دنیا میں اپنی مہم سے فارغ ہو چکے ہیں اور اسی وجہ سے اس حج کا نام حجۃ الوداع رکھا گیا' کیونکہ آپ نے اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منتقل ہونے کے لئے لوگوں کو الوداع کہا۔

اوائل صفر ۱۱ ہجری میں آپ "احد" تشریف لے گئے اور شہداء کیلئے اس طرح دعا کی

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۲۰۴۴' ۴۹۹۸۔

گویا زندوں اور مُردوں سے رخصت ہو رہے ہیں' پھر واپس آکر منبر پر فروکش ہوئے اور فرمایا:

''میں تمہارا پیش رو ہوں' اور تم پر گواہ ہوں۔ میں واللہ! اس وقت اپنا حوض دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین یا زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! مجھے تم پر یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کروگے' بلکہ اس کا اندیشہ ہے کہ دنیا میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ میں لگ جاؤ گے۔'' [1]

ماہ صفر کے آخر میں آپ رات کے وقت ''بقیع غرقد'' تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت کی اور فرمایا:

''ہم بھی تم سے آن ملنے والے ہیں۔'' [2]

مرض کا آغاز ماہ صفر کے آخری سوموار کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں بقیع تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''کہ آپ بقیع سے واپس تشریف لائے تو میں اپنے سر میں درد محسوس کر رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ ہائے میرا سر۔'' [3]

آپ نے فرمایا: ''بلکہ میں واللہ! اے عائشہ! ہائے میرا سر۔''

یہ آپ ﷺ کی بیماری کی ابتدا تھی۔ آپ اس کے باوجود باری باری سب عورتوں کے پاس دن گزارتے رہے' یہاں تک کہ مرض سخت ہو گیا۔ اس وقت آپ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے اور پوچھ رہے تھے کہ میں کل کہاں رہوں گا؟ میں کل کہاں رہوں گا؟ مقصود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی۔ ازواج مطہرات نے اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں۔ چنانچہ آپ حضرت فضل بن عباس اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے درمیان ٹیک لگا کر دونوں پاؤں زمین پر گھسیٹتے ہوئے نکلے اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل ہو گئے۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۱۳۴۴' ۳۵۹۶' ۴۰۴۲' ۴۰۸۵' ۶۴۲۶' ۶۵۹۰۔

[2] صحیح مسلم' الجنائز۔

[3] صحیح بخاری' حدیث: ۴۴۴۲' ۵۶۶۶' ۷۲۱۷۔

[4] صحیح بخاری' حدیث: ۱۳۸۹' ۳۷۷۴' ۴۴۵۰' ۵۲۱۷ وغیرہ۔

عہد اور وصیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور بیماری نے زور پکڑا تو آپ نے فرمایا "مجھ پر سات مشکیزے پانی ڈالو' جن کا بندھن نہ کھولا گیا ہو' تاکہ میں لوگوں کو وصیت کروں۔"

چنانچہ ہم نے آپ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ایک لگن میں بٹھا کر ان مشکیزوں سے پانی ڈالا' حتیٰ کہ آپ اشارہ فرمانے لگے کہ تم لوگوں نے کام پورا کر دیا۔ پھر آپ لوگوں کی جانب تشریف لے گئے' انہیں نماز پڑھائی اور خطاب فرمایا۔ (۱)

اس خطاب میں آپ نے منجملہ اور باتوں کے فرمایا:

"تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو مساجد بنا لیتے تھے' تو تم لوگ قبروں کو مساجد نہ بنانا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔" (۲)

اور فرمایا "یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔" (۳)

مزید فرمایا کہ "تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔" (۴)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو قصاص (زیادتی کے بدلے) کے لئے پیش کیا۔ انصار کے متعلق خیر کی وصیت کی' پھر فرمایا "ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ وہ دنیا کی چمک دمک اور زیب وزینت میں سے جو چاہے لے لے۔ یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے۔ تو اس بندے نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کیا۔"

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"یہ سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا "ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان!" اس پر ہمیں تعجب ہوا۔ لوگوں نے کہا "اس بڈھے کو دیکھو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک

---

(۱) صحیح بخاری' حدیث: ۱۹۸' ۴۴۴۲' ۵۷۱۴۔

(۲) صحیح مسلم' باب النھی عن بناء المساجد علی القبور' حدیث: ۲۳ (۵۳۲)/۳۷۷/۱' ۳۷۸۔

(۳) صحیح بخاری' حدیث: ۴۳۵' ۴۳۶' ۴۴۴۳' ۴۴۴۴۔

(۴) موطا امام مالک' ص: ۶۵۔

بندے کے بارے میں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ نے اسے اختیار دیا کہ دنیا کی چمک ودمک اور زیب وزینت میں سے جو چاہے اسے اللہ دے دے یا وہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے اور یہ بڈھا کہہ رہا ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ پر قربان۔" (لیکن چند دن بعد واضح ہوا کہ) جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ صاحب علم تھے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور ان کے دروازے کے سوا مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔ (1)

یہ بدھ کے روز کی بات ہے۔ جمعرات کو آپ کی بیماری نے اور شدت اختیار کر لی۔ آپ نے فرمایا:

"لاؤ! میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں، جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "آپ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے۔ اللہ کی یہ کتاب تمہارے لئے کافی ہے۔"

اس پر لوگوں میں اختلاف ہو گیا اور جب شور اور اختلاف زیادہ ہوا تو آپ نے فرمایا:

"میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔"

اسی دن آپ نے وصیت کی کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے اور وفود کو اسی طرح نوازا جائے، جیسے آپ نوازتے تھے اور نماز اور غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق بھی تاکید فرمائی (2) اور فرمایا کہ:

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جب تک انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور میری سنت۔"

نماز کے لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جانشینی

نبی ﷺ مرض کی شدت کے باوجود نماز خود پڑھایا کرتے تھے، لیکن اس دن --جمعرات کو-- جب عشاء کا وقت ہوا تو آپ نے لگن میں غسل فرمایا، تاکہ مرض میں تخفیف ہو جائے۔ پھر

---

(1) صحیح بخاری، حدیث: ۴۶۶، ۳۶۵۴، ۳۹۰۴۔

(2) صحیح بخاری، حدیث: ۱۱۴، ۳۰۵۳، ۳۱۶۸، ۴۴۳۱، ۴۴۳۲، ۵۶۶۹، ۷۳۶۶۔

اٹھنے لگے تو غشی طاری ہو گئی۔ پھر افاقہ ہوا تو دوبارہ غسل فرمایا' لیکن پھر اٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہو گئی۔ پھر تیسری بار غسل فرمایا' لیکن پھر اٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہو گئی۔ آخر آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ اس وقت سے بقیہ ایام میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ [1] آپ کی حیات مبارکہ میں ان کی پڑھائی گئی نمازوں کی کل تعداد سترہ ہے۔

ہفتہ یا اتوار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ افاقہ محسوس کیا۔ چنانچہ دو آدمیوں کے درمیان ظہر کی نماز کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ کو ان کے بائیں بٹھا دیا گیا۔ چنانچہ اب ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کر رہے تھے کہ وہی لوگوں کو تکبیر سنا رہے تھے۔ [2]

جو کچھ تھا سب صدقہ فرما دیا

اتوار کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام آزاد کر دیئے۔ آپ کے پاس سات دینار تھے' انھیں صدقہ کر دیا۔ ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ کر دیا۔ رات آئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا چراغ ایک عورت کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ اپنی کپی سے ہمارے چراغ میں گھی ٹپکا دو۔ [3] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع (تقریباً ۷۵ کلو) جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔ [4]

حیات مبارکہ کا آخری دن

سوموار کی صبح ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور لوگوں کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹے اور سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ (بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ چاہا کہ نماز ہی کے اندر فتنے میں پڑ جائیں

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۶۸۷۔

[2] ایضاً' ایضاً۔

[3] طبقات ابن سعد' ۲/۲۳۷' ۲۳۹۔

[4] صحیح بخاری' حدیث: ۲۰۶۸' ۲۰۹۶' ۲۲۰۰' ۲۲۵۱' ۲۲۵۲' ۲۳۸۶' ۲۵۰۹' ۲۵۱۳' ۲۹۱۶' ۴۱۶۷۔

(یعنی آپ کی مزاج پرسی کے لئے نماز توڑ دیں)' لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ "اپنی نماز پوری کر لو۔" پھر حجرے کے اندر تشریف لے گئے اور پردہ گرا لیا۔ ①

اسی دن یا اسی ہفتے رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور کچھ سرگوشی کی۔ وہ رونے لگیں۔ پھر کچھ سرگوشی کی تو ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا تو چھپا لے گئیں' لیکن جب نبی ﷺ کی وفات ہو گئی تو بتلایا کہ آپ نے پہلی دفعہ یہ فرمایا تھا کہ "آپ اپنے اسی مرض سے وفات پا جائیں گے۔" اس لئے وہ روئیں اور دوسری بار یہ فرمایا تھا کہ "آپ کے اہل وعیال میں سب سے پہلے وہی (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) آپ سے آن ملیں گی' اس لئے وہ ہنسیں۔" اور آپ نے انھیں یہ بشارت بھی دی کہ آپ ساری خواتین عالم کی سیدہ (سردار) ہیں۔ ②

ادھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے کرب کی شدت دیکھی تو بے ساختہ پکار اٹھیں:

وَاكُرْبَ أَبَاهُ "ہائے ابا جان کی تکلیف!" ③

آپ نے حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چوما اور ازواج مطہرات کو بلا کر وعظ ونصیحت کی۔

ادھر لمحہ بہ لمحہ تکلیف بڑھتی جارہی تھی اور اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا' جو آپ کو خیبر میں کھلایا گیا تھا۔ چنانچہ آپ اس کے الم کی شدت محسوس کرنے لگے۔ ④ آپ نے چہرے پر ایک چادر ڈال رکھی تھی' جب سانس پھولنے لگتا تو چہرے سے ہٹا دیتے۔ اسی حالت میں آپ نے فرمایا:

---

① صحیح بخاری' حدیث: ۶۸۰' ۶۸۱' ۷۵۴' ۱۲۰۵' ۴۴۴۸۔

② صحیح بخاری' حدیث: ۳۶۲۳' ۳۶۲۴' ۳۶۲۵' ۳۶۲۶' ۳۷۱۵' ۳۷۱۶' ۴۴۳۳' ۴۴۳۴' ۶۲۸۵' ۶۲۸۶۔

③ صحیح بخاری' حدیث: ۴۴۶۲۔

④ صحیح بخاری' حدیث: ۴۴۲۸۔

"یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔"
مقصود ان کے جیسے کام سے روکنا تھا۔ ①

"سرزمین عرب میں دو دین نہ باقی رہنے دیئے جائیں۔"

یہ آخری ارشاد اور وصیت تھی جو آپ نے لوگوں کو فرمائی۔ اس کے بعد کئی بار فرمایا:
((اَلصَّلاۃَ اَلصَّلاۃَ وَمَامَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ)) "نماز' نماز اور تمہارے زیردست" یعنی لونڈی' غلام۔"

نزع رواں اور وفات

پھر نزع کی حالت شروع ہو گئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اپنے سینے اور گلے کے درمیان سہارا دے کر ٹیک لیا۔ اسی دوران ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر آئے۔ ان کے پاس کھجور کی تازہ شاخ کی مسواک تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کی طرف دیکھنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ اسے چاہتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا تو آپ نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں! چنانچہ انہوں نے مسواک لے کر چبائی اور نرم کی' پھر آپ نے اسے لے کر نہایت اچھی طرح مسواک کی۔ آپ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا۔ آپ پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے:

«لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ»

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ موت کے لئے سختیاں ہیں۔" ②

پھر آپ نے دونوں ہاتھ یا انگلی اٹھائی' نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹوں پر کچھ حرکت ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپ فرما رہے تھے:

"ان انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کے ساتھ جنہیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ! مجھے بخش دے' اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے "رفیق اعلیٰ" میں پہنچا دے' اے اللہ! رفیق اعلیٰ۔"

---

① صحیح بخاری' ۴۳۵' ۴۳۶' ۱۳۳۰' ۱۳۹۰' ۳۴۵۳' ۳۴۵۴' ۴۴۴۱' ۴۴۴۳' ۴۴۴۴' ۵۸۱۵' ۵۸۱۶۔

② صحیح بخاری' حدیث: ۴۴۴۹ اور ۸۹۰ اور اس کے اطراف۔

آخری فقرہ تین بار دہرایا اور روح پرواز کر گئی' ہاتھ جھک گیا اور آپ "رفیق اعلیٰ" سے جا ملے۔ [1] یہ سوموار' ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ اور ہجرت کا گیارہواں سال تھا۔ اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال پوری ہو چکی تھی۔

﴿ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۱۵٦)

صحابہ کی حیرت اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف

اس حادثۂ دل فگار کی خبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فوراً پھیل گئی اور ان پر دنیا تاریک ہو گئی۔ قریب تھا کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھتے۔ چنانچہ کوئی دن اس سے تاب ناک اور بہتر نہ تھا' جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے اور کوئی دن اس سے زیادہ تاریک اور قبیح نہ تھا' جس میں آپ نے وفات پائی۔ [2] صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رو رو کر اس طرح آہیں بھر رہے تھے' جیسے حاجیوں کا شور برپا ہو۔

ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر مسجد میں فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے' جب تک کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو فنا نہ کرلے اور اس شخص کو کاٹنے اور قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے جو یہ کہے کہ آپ وفات پاگئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے گرد مسجد میں حیرت اور غم کی تصویر بنے موجود تھے۔ [3]

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں کمی دیکھی تو "سُنح" میں واقع اپنے مکان پر چلے گئے۔ انھیں آپ کی وفات کی خبر ہوئی تو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اتر کر مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ لوگوں سے کوئی بات نہ کی۔ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد فرمایا۔ آپ کا جسد مبارک دھاری دار یمنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ انہوں نے چہرہ مبارک کھولا' اسے چوما اور روئے۔ پھر فرمایا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان! اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا۔ جو موت

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۴۴۳۵' ۴۴۳٦' ۴۴۳۷' ۴۴۳۸' ۴۴۴۰' ۴۵۸٦' ٦۳۴۸' ٦۵۰۹۔

[2] جامع ترمذی' ۵/ ۵۸۸' ۵۸۹۔

[3] سیرت ابن ہشام' ۲/ ٦۵۵۔

آپ پر لکھ دی گئی تھی، وہ آپ کو آچکی۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور کہا "عمر بیٹھ جاؤ۔"

مگر انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ان کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر کے پاس آگئے اور اس کے بازو میں کھڑے ہو گئے۔ صحابہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر یہیں آگئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لاَ يَمُوتُ، قَالَ اللهُ تَعَالَى ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ ٱلرُّسُلُ أَفَإِيْن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ ٱنقَلَبْتُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَٰبِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ ٱللَّهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى ٱللَّهُ ٱلشَّٰكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ ﴾ (آل عمران٣/ ١٤٤)

"امابعد! تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا کرتا تھا، تو (وہ جان لے کہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موت واقع ہو چکی ہے، اور تم میں سے جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا، تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ کا ارشاد ہے۔ "محمد نہیں ہیں مگر رسول۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ تو کیا اگر ان کی موت واقع ہو جائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے؟ اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جائے تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور عن قریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ:

"واللہ! ایسا لگتا تھا کہ لوگوں نے (پہلے) جانا ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے، یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو سارے لوگوں نے ان سے یہ آیت اخذ کی اور تب میں جس کسی انسان کو سنتا تو وہ اس کی تلاوت کر رہا ہوتا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "واللہ! میں نے جوں ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو جان گیا کہ یہ برحق ہے۔ پس میں ٹوٹ کر رہ گیا، حتیٰ کہ میرے

پاؤں مجھے اٹھا ہی نہیں رہے تھے اور میں زمین کی طرف لڑھک گیا اور میں جان گیا کہ واقعی نبی ﷺ کی وفات ہو چکی ہے۔" [1]

خلافت کے لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ ایک امیر منتخب کیا جائے' جو عوام اور ملک کے معاملات چلانے کے لئے آپ کا جانشین ہو۔ اس سلسلے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ جانشینی کے زیادہ حقدار ہیں' کیونکہ وہ نبی ﷺ کے خاص قریبی ہیں' چنانچہ وہ اور حضرت زبیر نیز بنو ہاشم کے کچھ لوگ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں جمع ہوئے۔ جب کہ انصار نے اپنے میں سے ایک امیر منتخب کرنے کے لئے "سقیفہ بنی ساعدہ" میں اجتماع کیا' باقی مہاجرین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے ہو لئے۔

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما "سقیفہ بنی ساعدہ" تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ اور دوسرے مہاجرین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ وہاں مہاجرین و انصار میں بحث و گفتگو ہوئی۔ انصار نے اپنی فضیلت اور استحقاق کا ذکر کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "آپ لوگوں نے جس خیر کا ذکر کیا ہے آپ لوگ واقعی اس کے اہل ہیں' لیکن عرب اس کاروبار (حکومت) کو قریش کے اس قبیلے کے سوا کسی اور کے لئے نہیں جانتے۔ یعنی وہ قریش کے سوا کسی اور کی حکمرانی تسلیم نہیں کر سکتے۔ وہ عرب میں نسب اور گھرانے دونوں لحاظ سے افضل ہیں۔" پھر انہوں نے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پکڑے اور فرمایا:

"میں آپ لوگوں کے لئے ان دونوں میں سے کسی بھی ایک کو پسند کرتا ہوں۔" اس پر انصار کے ایک آدمی نے کہا' ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر آپ لوگوں میں سے" اس پر بڑا شور ہوا۔ آوازیں بلند ہوئیں اور اختلاف کا خطرہ ہو چلا۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا "ہاتھ پھیلائیے۔"

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۱۲۴۱' ۱۲۴۲' ۳۶۶۷' ۳۶۶۸' ۳۶۶۹' ۳۶۷۰' ۴۴۵۲' ۴۴۵۳' ۴۴۵۴' ۴۴۵۵' ۴۴۵۷' ۵۷۱۰' ۵۷۱۱۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پھیلایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور مہاجرین وانصار نے بیعت کرلی۔ [1]

تجہیزو تکفین اور تدفین

منگل کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا۔ غسل دینے والے حضرات یہ تھے:

"حضرت عباس' حضرت علی' حضرت عباس کے دو صاحب زادگان فضل اور قثم' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام شقران' حضرت اسامہ بن زید اور حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہم۔

حضرت عباس اور ان کے دونوں صاحب زادے آپ کی کروٹ بدل رہے تھے' حضرت اسامہ اور شقران پانی بہا رہے تھے' حضرت علی غسل دے رہے تھے اور حضرت اوس نے آپ کو سینے سے ٹیک رکھا تھا۔ [2]

آپ کو پانی اور بیری کے پتوں سے تین بار غسل دیا گیا۔ پانی "غرس" نامی قباء میں واقع حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے کنویں کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پینے کے لئے بھی اس کنویں کا پانی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ [3]

پھر آپ کو تین سفید سوتی یمنی چادروں میں کفنایا گیا۔ ان میں کرتا اور پگڑی نہ تھی۔ بس آپ کو چادروں میں لپیٹ دیا گیا تھا۔ [4]

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسی جگہ آپ کی قبر کھودی' جہاں آپ نے وفات پائی تھی۔ قبر لحد والی کھودی۔ پھر آپ کی چارپائی قبر کے کنارے رکھ دی گئی۔ دس دس صحابہ کرام اندر داخل ہوتے اور فرداً فرداً نماز پڑھتے۔ کوئی امام نہ ہوتا۔ سب سے پہلے آپ کے خانوادے نے

---

[1] صحیح بخاری' حدیث: ۶۸۳۰۔

[2] دیکھئے ابن ماجہ' ۱/۵۲۱۔

[3] طبقات ابن سعد' یہاں تفصیل بھی موجود ہے۔ ۲/۲۷۷' ۲۸۱۔

[4] صحیح بخاری' حدیث: ۱۲۶۴' ۱۲۷۱' ۱۲۷۲' ۱۲۷۳' ۱۳۸۷۔ صحیح مسلم' الجنائز' باب کفن المیت' حدیث: ۴۵۔

نماز پڑھی' پھر مہاجرین نے' پھر انصار نے' پھر بچوں نے' پھر عوتوں نے' یا پہلے عورتوں نے' پھر بچوں نے۔ (1)

نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن اور بدھ کی بیشتر رات گزر گئی۔ اس کے بعد رات کے اواخر میں آپ کا جسد پاک سپرد خاک کیا گیا۔ (2) صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

(1) موطا امام مالک' کتاب الجنائز' باب ماجاء فی دفن المیت' ۱/۲۳۱۔ طبقات ابن سعد ۲/۲۸۸' ۲۹۲۔

(2) مسند احمد' ۶/۶۲' ۲۷۴۔

خانۂ نبوت

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن مختلف اوقات میں نبی ﷺ کی کل گیارہ یا بارہ بیویاں ہوئی ہیں۔ ان میں سے ۹ بیویاں زندگی کے اخیر میں آپ کے ساتھ موجود تھیں اور دو یا تین بیویاں آپ کی زندگی ہی میں وفات پاگئیں تھیں۔ نیچے ان سب کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے۔

(۱) ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا یہ گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ نے جس وقت ان سے شادی کی تھی، ان کی عمر چالیس برس اور آپ کی عمر پچیس برس تھی۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا آپ کی تمام اولاد انہی کے بطن سے تھی اور آپ نے ان کے جیتے جی دوسری شادی نہیں کی۔ رمضان سنہ ۱۰ نبوت میں ۶۵ سال کی عمر میں ان کی وفات مکہ میں ہوئی اور انہیں حجون میں دفن کیا گیا۔

(۲) ام المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا یہ اپنے چچا زاد بھائی سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ دونوں نے اسلام قبول کیا اور حبشہ ہجرت کی۔ پھر مکہ واپس آئے اور حضرت سکران رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد شوال سنہ ۱۰ نبوت میں --یعنی حضرت خدیجہ کی وفات کے کوئی ایک مہینہ بعد-- نبی ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔ ان کی وفات مدینہ میں شوال ۵۴ ہجری میں ہوئی۔

(۳) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا نبی ﷺ نے ان سے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ایک سال بعد شوال سنہ ۱۱ نبوت میں شادی کی۔ اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی۔ پھر ہجرت

کے سات مہینے بعد شوال ۱ ہجری میں آپ کو رخصت کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔ آپ ﷺ نے ان کے علاوہ کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔ یہ امت کی سب سے زیادہ فقیہ عورت ہیں اور عورتوں پر ان کی فضیلت ایسی ہی ہے' جیسے تمام کھانوں پر ثرید (کھانے) کی فضیلت۔ ۱۷ رمضان ۵۷ ہجری کو ان کی وفات ہوئی اور انہیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

﴿۴﴾ ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا

یہ حضرت خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ انھیں غزوۂ بدر میں ایک زخم آیا تھا جو بعد میں پھوٹ پڑا اور اس کی وجہ سے وہ بدر اور احد کے درمیانی عرصہ میں انتقال کر گئے۔ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی عدت گزر گئی تو نبی ﷺ نے شعبان ۳ ہجری میں ان سے شادی کر لی۔ انہوں نے بعمر ساٹھ سال مدینہ میں بمطابق شعبان ۴۵ ہجری وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

﴿۵﴾ ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں' جو بدر میں شہید ہو گئے۔ ان کے بعد رمضان ۳ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی اور کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے تحت تھیں۔ وہ جنگ احد میں شہید ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے ۴ ہجری میں ان سے شادی کی۔ انہیں جاہلیت میں "ام المساکین" کہا جاتا تھا' کیونکہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔ آپ ﷺ سے شادی کے آٹھ مہینے بعد یا تقریباً تین مہینے بعد ربیع الثانی ۴ ہجری میں ان کا انتقال ہو گیا۔ نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

﴿۶﴾ ام المؤمنین ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں اور ان سے ان کی کئی اولاد تھی۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جمادی الاخریٰ ۴ ہجری میں وفات پا گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے شوال ۴ ہجری میں چند روز باقی تھے کہ ان سے شادی کر لی۔ یہ فقیہ ترین اور عقل مند ترین عورتوں

میں سے تھیں۔ ۸۴ سال کی عمر میں ۵۹ ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ ۶۲ ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

⑦ ام المؤمنین زینب بنت جحش بن رئاب رضی اللہ عنہا

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی شادی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کی گئی' لیکن دونوں میں ہم آہنگی نہ ہو سکی' حتیٰ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی' چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا متبنیٰ (لے پالک) بنا رکھا تھا اور اس کی وجہ سے انہیں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا تھا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے اور اہل جاہلیت میں رواج تھا کہ وہ متبنیٰ بیٹے کی بیوی کو متبنیٰ بنانے والے باپ پر اسی طرح حرام سمجھتے تھے جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی ہو' اس لئے جب حضرت زید رضی اللہ عنہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت گزر چکی تو اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی شادی کر دی' اور متبنیٰ بنانے کے عمل کو لغو قرار دے دیا۔ یہ ذی قعدہ ۵ ہجری کا واقعہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ ۴ ہجری میں کسی وقت یہ بات پیش آئی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور زبردست صدقہ کرنے والی خاتون تھیں۔ ۵۳ سال کی عمر میں ۲۰ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امہات المؤمنین میں سے سب سے پہلے انہی نے وفات پائی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔

⑧ ام المؤمنین جویریہ بنت الحارث (رئیس بنی المصطلق) رضی اللہ عنہا

یہ شعبان ۶ ہجری میں غزوۂ بنو المصطلق کے دوران قید کی گئیں اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئیں۔ انہوں نے طے کیا کہ ایک مخصوص رقم ادا کر کے آزاد ہو جائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے مقررہ رقم ادا کر کے آزاد کر دیا اور شادی کر لی۔ یہ دیکھ کر مسلمانوں نے بنو المصطلق کے سو گھرانے آزاد کر دیئے اور کہا کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی ہیں' چنانچہ یہ اپنی قوم کے لئے بڑی بابرکت خاتون ثابت ہوئیں۔ ۶۵ سال کی عمر میں ربیع الاول میں ۵۶ ہجری اور کہا جاتا ہے کہ ۵۵ ہجری میں وفات پائی۔

﴿۹﴾ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا

یہ عبید اللہ بن جحش کے عقد میں تھیں اور جب اس سے حبیبہ پیدا ہوئیں تو ان کی نسبت سے ان کی کنیت ام حبیبہ پڑ گئی۔ انہوں نے عبیداللہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کی۔ لیکن وہ نصرانی ہو کر حالت ارتداد ہی میں وفات پا گیا' مگر ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نامہ مبارک دے کر نجاشی کے پاس روانہ کیا تو اسے حکم دیا کہ ام حبیبہ کی شادی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دے' چنانچہ نجاشی نے آپ سے ان کی شادی کر دی اور اپنے پاس سے چار سو دینار (بطور) مہر دے کر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انھیں روانہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر سے واپس آ کر صفر یا ربیع الاول ۷ ہجری میں انہیں رخصت کرایا۔ ۴۲ یا ۴۴ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

﴿۱۰﴾ ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا

یہ بنو نضیر کے سردار کی صاحب زادی اور بنی اسرائیل میں حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ خیبر میں قید ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لئے منتخب فرمایا اور ان پر اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئیں۔ آپ نے انہیں آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ یہ فتح خیبر ۷ ہجری کے وقت کی بات ہے۔ مدینہ واپس ہوتے ہوئے خیبر سے ۱۲ میل کے فاصلے پر "وادیٔ صہباء" پہنچ کر انہیں رخصت کرایا۔ ۵۰ ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ ۵۲ ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ ۳۶ ہجری میں ان کی وفات ہوئی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔

﴿۱۱﴾ ام المؤمنین میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل لبابہ الکبریٰ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی القعدہ ۷ ہجری میں عمرۂ قضا سے حلال ہونے کے بعد شادی کی اور مکہ سے نو میل کے فاصلے پر مقام "سَرِف" میں انہیں رخصت کرایا۔ ان کی وفات بھی مقام "سَرِف" ہی میں ۶۱ ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ ۶۳

ہجری میں اور کہاجاتا ہے ۳۸ ہجری میں ہوئی اور وہیں دفن بھی ہوئیں۔ ان کی قبر اب بھی وہاں معروف ہے۔

یہ گیارہ عورتیں ہیں، جو بالاتفاق رسول اللہ ﷺ کی بیویاں اور امہات المؤمنین ہیں۔ ان کے علاوہ ایک عورت ریحانہ بنت زید کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ آپ کی بیوی تھیں یا لونڈی تھیں۔ یہ بنو نضیر سے تھیں اور بنو قریظہ کے ایک شخص کے عقد میں تھیں۔ غزوۂ بنو قریظہ میں قید ہوئیں اور نبی ﷺ نے انھیں اپنے لئے منتخب فرمایا۔ پھر کہا جاتا ہے کہ آپ نے انھیں آزاد کر کے محرم ٦ ہجری میں شادی کرلی اور وہ ام المؤمنین قرار پائیں اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے انہیں آزاد نہیں کیا بلکہ بحیثیت لونڈی رکھا۔ نبی ﷺ حجۃ الوداع سے واپس آئے تو ان کا انتقال ہو گیا اور آپ نے انھیں "بقیع" میں دفن فرمایا۔

ان عورتوں کے علاوہ آپ کی ایک لونڈی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں، جنھیں مقوقس نے ان تحائف کے ضمن میں بھیجا تھا جو آپ کے خط کے جواب میں روانہ کئے تھے۔ یہ بادشاہوں کی اولاد سے تھیں۔ انھیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے خاص فرمایا اور ان کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ١٦ ہجری میں اور کہا جاتا ہے کہ محرم ١٥ ہجری میں انہوں نے وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

اولاد یہ گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے سوا آپ ﷺ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ ذیل میں ان کا مختصر ذکر دیا جارہا ہے:

(١) قاسم رضی اللہ عنہ یہ رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے۔ انہی کی نسبت سے آپ ﷺ کی کنیت ابو القاسم تھی۔ انہوں نے اتنی عمر پائی کہ چلنے لگے تھے۔ پھر تقریباً دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

(٢) زینب رضی اللہ عنہا یہ نبی ﷺ کی سب سے بڑی صاحب زادی تھیں۔ اللہ کی راہ میں مصائب سے دو چار ہوئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"یہ میری سب سے بڑی افضل بیٹی ہے۔"

قاسم کے بعد پیدا ہوئیں۔ ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ سے ان کی شادی ہوئی' جو ان کی خالہ ہالہ بنت خویلد کے صاحب زادے تھے۔ زینب رضی اللہ عنہا سے ایک بیٹا علی اور ایک بیٹی امامہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ انھیں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں گود میں لیا کرتے تھے۔ ۸ ہجری کے اوائل میں مدینہ کے اندر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔

﴿۳﴾ رقیہ رضی اللہ عنہا ان سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور ان کے بطن سے ایک صاحب زادے عبد اللہ پیدا ہوئے۔ وہ چھ سال کے تھے کہ مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ مار دی' جس کے اثر سے بالآخر وہ وفات پا گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر میں تھے کہ حضرت رقیہ وفات پا گئیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ فتح کی خوش خبری لے کر مدینہ پہنچے تو انھیں دفن کیا جا چکا تھا۔

﴿۴﴾ ام کلثوم رضی اللہ عنہا رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد بدر سے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ انہوں نے شعبان ۹ ہجری میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

﴿۵﴾ فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور سب سے محبوب صاحب زادی تھیں۔ یہ اہل جنت کی عورتوں کی سیدہ (سردار) ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بدر کے بعد ان سے شادی کی۔ ان کے بطن سے دو صاحب زادے' حضرت حسن اور حضرت حسین اور دو صاحب زادیاں۔ حضرت زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ یہ وہی ام کلثوم ہیں جن سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے شادی کی اور ان سے حضرت زید رحمہ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے چچیرے بھائی عون بن جعفر نے ان سے شادی کی۔ پھر عون کی وفات ہو گئی تو ان کے بھائی محمد نے شادی کر لی۔ پھر محمد بھی وفات پا گئے تو دوسرے بھائی عبداللہ نے ان سے شادی کر لی۔ پھر عبد اللہ کے عقد میں رہتے ہوئے خود ام کلثوم نے وفات پائی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ مہینہ بعد ہوئی۔ (یہ پانچوں اولادیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف نبوت سے مشرف ہونے سے پہلے پیدا ہوئیں)

⑥ عبداللہ رضی اللہ عنہ ان کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زمانۂ اسلام میں پیدا ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلے پیدا ہوئے۔ انہوں نے بھی بچپن ہی میں وفات پائی۔ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری صاحب زادے تھے۔

⑦ ابراہیم رضی اللہ عنہ یہ جمادی الاولیٰ یا جمادی الثانیہ ہجری میں آپ کی لونڈی ماریہ قبطیہ کے بطن سے مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۲۹ شوال ۱۰ ہجری کو' جس دن مدینہ میں سورج گہن لگا تھا' وفات پائی۔ اس وقت وہ ۱۶ یا ۱۸ مہینے کے بچے تھے اور ابھی دودھ پیتے تھے۔ انہیں بقیع میں دفن کیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"انہیں کے لئے ایک دایہ جنت میں ان کی رضاعت پوری کر رہی ہے۔"

صفات و اخلاق

رسول اللہ ﷺ جمال خلقت اور کمال اخلاق میں سب سے نمایاں تھے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ یہاں ان کے معانی و مطالب کا مغز اور خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

چہرۂ مبارک اور اس کے متعلقات

رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک گورا' پرکشش' گول' روشن رنگ' سرخی آمیز تھا' چودھویں کے چاند کی طرح جگمگاتا ہوا۔ جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو چہرۂ مبارک اس طرح دمک اٹھتا گویا چاند کا ایک ٹکڑا ہے۔ دھاریاں اس طرح چمکتیں جیسے روشن بادل چمکتا ہے' گویا سورج اس میں دوڑ رہا ہے' بلکہ اگر تم رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے تو گویا طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھتے۔ چہرہ پر پسینہ یوں محسوس ہوتا گویا موتی ہے اور پسینے کی خوشبو مشک خالص سے بھی بڑھ کر ہوتی اور جب آپ غصہ ہوتے تو چہرہ یوں سرخ ہو جاتا کہ گویا دونوں رخسار میں انار کے دانے نچوڑ دیئے گئے ہیں۔ دونوں رخسار ہلکے' پیشانی کشادہ' ابرو کماندار باریک اور کامل تھے' باہم ملے نہ تھے اور کہا جاتا ہے کہ ملے تھے۔ آنکھیں کشادہ تھیں' ان کی سفیدی میں سرخی کی آمیزش تھی' پتلی سخت سیاہ تھی' پلکوں کے بال لمبے اور گھنے تھے' تم دیکھتے تو کہتے کہ آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے' حالانکہ آپ سرمہ لگائے نہیں ہوتے۔

ناک کا بانسہ بلند ا ر خم دار تھا۔ اس پر نور سا بلند ہوتا محسوس ہوتا۔ دونوں کان مکمل تھے۔ منہ خوبصورت اور بڑا تھا۔ سامنے کے دونوں دانتوں میں ذرا سا فاصلہ تھا' بقیہ دانت بھی الگ الگ تھے' دانتوں میں چمک تھی۔ جب آپ مسکراتے تو ایسا لگتا گویا اولے ہیں اور جب آپ گفتگو فرماتے تو ان دانتوں کے درمیان سے نور جیسا نکلتا دکھائی دیتا۔ غرض آپ کے دانت سب سے خوبصورت تھے۔

ڈاڑھی خوبصورت' گھنی' کنپٹی سے کنپٹی تک بھرپور' سینے کو بھرے ہوئے اور سخت کالی

تھی۔ صرف دونوں کنپٹیوں اور ڈاڑھی بچہ میں چند گنے چنے بال سفید تھے۔

سر' گردن اور بال کھوپڑی بھاری' سر بڑا اور گردن لمبی تھی' گویا چاندی کا لوٹا یا گڑوے کی گردن ہے۔ بال دونوں کانوں کے نصف یا لو تک ہوا کرتے اور کبھی کبھی اس سے بھی نیچے اور کبھی کبھی دونوں کندھوں کو چھوتے۔ چند بال پیشانی کے بھی سفید تھے' مگر اتنے کم کہ سر اور داڑھی ملا کر بھی کل بیس بال سفید نہ تھے۔ سر کے بال ذرا ذرا سے گھونگریالے تھے۔ آپ ناغے سے سر اور داڑھی میں کنگھی فرماتے اور سر کے درمیان سے مانگ نکالتے۔

اعضاء و اطراف ہڈیوں کے سرے مثلاً کہنیاں' کندھے اور گھٹنے بڑے بڑے تھے۔ کلائیاں بڑی بڑی اور ان کے جوڑ لمبے لمبے تھے۔ ہتھیلیاں اور قدم کشادہ تھے' تلوا گہرا نہ تھا۔ دونوں ہاتھ حریر ودیباج سے زیادہ نرم' برف سے زیادہ ٹھنڈے اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھے۔ کہنی سے اوپر اور نیچے دونوں بازو اور اطراف بھاری بھرکم تھے' ایڑیاں اور پنڈلیاں ہلکی تھیں' دونوں کندھوں کے درمیان دوری تھی' اطراف لمبے' سینہ کشادہ اور بالوں سے خالی تھا' صرف لبے سے ناف تک بالوں کی ایک لکیر تھی۔ اس کے علاوہ شکم اور سینے پر بال نہ تھے' کندھے اور اس سے متصل بازو پر البتہ بال تھے' سینہ اور شکم برابر تھے' بغل کا رنگ مٹیالا تھا۔ اور پیٹھ ایسی تھی گویا ڈھلی ہوئی چاندنی۔

قد و قامت اور جسم آپ کا قد خوبصورت' قامت معتدل اور پیکر سیدھا تھا' نہ آپ ناٹے کھوٹے تھے' نہ لمبے تڑنگے' لیکن طول سے قریب تر تھے۔ چنانچہ کوئی شخص جو لمبائی کی طرف منسوب ہوتا وہ آپ کے ساتھ چلتا تو آپ ﷺ اس سے لمبے ہوتے۔ جسامت معتدل تھی اور بدن گٹھا ہوا' نہ زیادہ موٹے تھے' نہ دبلے پتلے' بلکہ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ تھے' جو تینوں میں سے سب سے زیادہ تازہ خوش منظر تھی' آپ کا قد سب سے زیادہ خوبصورت تھا۔

خوشبو آپ ﷺ کا جسم' پسینہ اور اعضاء تمام خوشبوؤں سے زیادہ خوشبو دار تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"کہ میں نے کبھی کوئی عنبر یا مشک یا کوئی ایسی خوشبو نہیں سونگھی جو رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے بہتر رہی ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "آپ کسی راستے سے تشریف لے جاتے اور آپ کے بعد کوئی اور گزرتا تو آپ کی خوشبو کی وجہ سے ضرور جان جاتا کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں۔"

اور آپ کسی آدمی سے مصافحہ فرماتے تو وہ دن بھر اس کی خوشبو محسوس کرتا۔ اور آپ کسی بچے کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرتے تو اس کی خوشبو کی وجہ سے وہ بچوں کے درمیان سے پہچان لیا جاتا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے آپ کا پسینہ ایک شیشی میں محفوظ کر رکھا تھا۔ اسے خوشبو میں ڈالتی تھیں' کیونکہ وہ سب سے عمدہ خوشبو تھی۔

رفتار

آپ ﷺ بہت تیز رفتار تھے۔ بازار میں چلنے والے شخص کی رفتار سے چلتے تھے۔ درماندہ اور سست نہ تھے۔ کوئی آپ کا ساتھ نہ پکڑ پاتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر تیز رفتار نہیں دیکھا' گویا زمین آپ کے لئے لپیٹ دی جاتی تھی۔ ہم تو اپنے آپ کو تھکا مارتے اور آپ بے پروائی سے چلتے رہتے۔"

آپ جب قدم رکھتے تو پورا قدم رکھتے۔ تلوے میں گہرائی نہ تھی اور جب مڑتے تو پورے مڑتے' سامنے ہوتے تو مکمل اور پیچھے مڑتے تو مکمل' چلتے تو جھٹکے سے اٹھتے اور یوں چلتے گویا ڈھلوان سے اتر رہے ہیں۔ پھر جھٹکے سے پاؤں اٹھاتے اور نرمی سے چلتے۔

آواز اور گفتگو

آپ کی آواز میں ہلکا سا بھاری پن تھا اور آپ شیریں گفتار اور باوقار تھے۔ خاموش رہتے تو باوقار اور گفتگو کرتے تو پرکشش۔ بول ایسے کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ بات کو شروع کرتے تو اس کا پورا احاطہ کر کے ختم فرماتے۔ گفتگو دو ٹوک ہوتی' نہ مختصر نہ فضول۔ ہر حرف واضح ہوتا۔ آپ فصیح وبلیغ اور رواں طبیعت تھے۔ نکھرے ہوئے کلمات بولتے۔ کوئی شخص خواہ کیسا ہی فصیح وبلیغ ہوتا آپ کی ہمسری نہ کر سکتا۔ آپ کو حکمت اور دو ٹوک خطاب کے ساتھ جامع کلمات عطا

کیئے گئے تھے۔

اخلاق کی ایک جھلک

آپ ﷺ کے چہرے پر ہمیشہ بشاشت ہوتی۔ سہل خو اور نرم پہلو تھے' جفا جو اور سخت خو نہ تھے۔ بازاروں میں اونچی آواز نہ لگاتے۔ سب سے زیادہ تبسم فرماتے۔ غصے سے سب سے زیادہ دور اور رضا میں سب سے آگے۔ دو کاموں میں جو زیادہ آسان ہوتا اسی کو اپناتے بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہو' اگر گناہ کا کام ہوتا تو پھر سب سے زیادہ دور ہوتے۔ اپنے لئے کبھی انتقام نہ لیا' البتہ اللہ کی حرمت پامال کی جاتی تو اس کے لئے انتقام لیتے۔

آپ سب سے سخی' سب سے کریم' سب سے بہادر' سب سے شہ زور' اذیت پر سب سے بڑھ کر صبر کرنے والے' سب سے زیادہ باوقار اور سب سے بڑھ کر حیا دار تھے۔ کوئی چیز ناپسند فرماتے تو چہرہ پر اس کے آثار دیکھے جاتے۔ اپنی نظر کسی کے چہرے پر نہ جماتے اور نہ ناپسندیدگی کے ساتھ کسی کا سامنا کرتے۔

سب سے زیادہ عادل' پاک نفس وپاک دامن' سچائی کے عَلَم بردار اور بڑے امانت دار تھے۔ نبوت سے پہلے ہی امین کے لقب سے مشہور تھے۔ سب سے زیادہ متواضع اور تکبر سے دور تھے۔ سب سے بڑھ کر عہد کے پاس دار' صلہ رحم' سب سے عظیم شفقت ورحمت والے' سب سے عمدہ معاشرت وادب والے' سب سے زیادہ کشادہ اخلاق' فحش اور لعنت ملامت سے سب سے زیادہ دور' جنازوں میں تشریف لے جاتے' فقراء ومساکین کے ساتھ بیٹھتے' غلام کی دعوت قبول کرتے' کھانے اور لباس میں ان پر برتری نہ اختیار فرماتے۔ جو آپ کی خدمت کرتا آپ خود اس کی خدمت فرماتے۔ اپنے خادم کو عتاب نہ کرتے' یہاں تک کہ کبھی اسے اف تک نہ کہا۔ [1]

[1] آپ ﷺ کے صفات و اخلاق کا یہ خاکہ حسب ذیل مآخذ سے جمع کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی' شمائل ترمذی' مسند دارمی' مستدرک حاکم' شرح السنہ بغوی' مشکوٰۃ المصابیح' سیرت ابن ہشام' طبقات ابن سعد' تہذیب تاریخ دمشق' الشفاء قاضی عیاض' زادالمعاد' خلاصۃ السیر' البدایہ والنہایہ وغیرہ۔

غرض آپ ﷺ کے اوصاف کو احاطۂ بیان میں لانا ممکن نہیں' لہٰذا اسی مختصر بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس حقیر سی پونجی کو قبول فرمائے اور ہمیں سید المرسلین اور امام الانبیاء والمتقین' خیر خلائق محمد ﷺ کی پیروی کی توفیق دے۔ اے اللہ! تو نبی ﷺ پر' آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر درود و سلام بھیج اور ہمیں قیامت کے روز آپ کے پرچم کے نیچے جگہ نصیب فرما۔ آمین! یا رب العالمین!

دوشنبہ ۱۱ شوال سنہ ۱۴۱۵ ہجری